دجال

تحریر: علیم الحق حقی

جو کچھ ہوا، ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہوا۔ وہ تغیر جو کہکشاں میں ہزاروں برسوں میں بتدریج رونما ہوا تحرک بنا تو پلک جھپکنے میں واقع ہو گیا۔

کیپ ہیٹی آبزرویٹری میں ایک نوجوان ماہر فلکیات ششدر...... بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ اسے کیمرے کو چلانے میں ایک پل کی تاخیر ہو گئی ورنہ کیمرا اس واقعے کو ریکارڈ کر لیتا۔ اور ایک پل کی تاخیر بڑی تاخیر تھی۔ اس سے اس واقعے کی سرعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ آسمان میں ستاروں کی مختلف ترتیب نے بارہ مختلف اشکال اختیار کی ہیں، جنہیں بروج کہا جاتا ہے۔ تو اس لمحے تین بروج سے ٹوٹے ہوئے نکیلے ٹکڑوں نے مل کر اس سیاہ لیکن چمک دار ستارے کو جنم دیا۔ اس لمحے برج جدی، سرطان اور اسد سے اچانک وہ نکیلے ٹکڑے اڑے، ایک بے پناہ مقناطیسی کشش کے تحت باہم یک جا ہوئے اور جیسے سرد ہوتے ہوئے کوئلے میں تبدیل ہو گئے۔ پھر اس سیاہ ستارے میں چمک بڑھنے لگی اور تمام بروج لرزنے لگے...... یا یہ دوربین سنبھالنے والے ماہر فلکیات کے ہاتھ کی لرزش کا کمال تھا، جس نے اپنی بے ساختہ، حیرت بھری چیخ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔

اسے ڈر تھا کہ شاید اس کے سوا کسی کو اس واقعے کا علم نہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کی اتھاہ گہرائیوں سے واضح طور پر ایک آواز ابھری تھی۔ آواز جو انسانی تھی۔ لیکن اسے انسانی نہیں کہا جاسکتا تھا اور جیسے جیسے سیاہ ستارہ طاقت پکڑ رہا تھا، پاتال سے ابھرنے والی اس کی آواز کا حجم بھی بڑھ رہا تھا۔ غاروں میں، تہہ خانوں میں اور کھلے میدانوں میں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ وہ شیطان کے پجاری تھے، جو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے کچھ گا رہے تھے۔ اس کی گونج اوپر آسمان تک اور نیچے پاتال تک پہنچ رہی تھی۔

وہ چھٹے ماہ کا چھٹا دن اور چھٹا گھنٹا تھا۔ وہ خاص الخاص لمحہ، جس کے بارے میں قدیم عہد نامے کی پیش گوئی تھی کہ وہ کرۂ ارض کی تاریخ بدل ڈالے گا۔ پچھلی چند صدیوں میں ہونے والی جنگیں اور الم ناک واقعات تو محض ریہرسل تھے۔ یہ چیک کیا جارہا تھا کہ انسانیت سرنگوں ہونے کیلئے تیار ہے یا نہیں۔ قیصر روم کے زمانے میں عیسائیوں کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا اور لوگ تالیاں بجاتے تھے۔ ہٹلر کے دور میں یہودی زندہ جلا کر کوئلے میں تبدیل کر دیئے گئے تھے۔ موجودہ عہد میں فلسطینیوں کے کچے مکانات تک میزائل کا نشانہ بن جاتے تھے۔ جمہوریت دم توڑ رہی تھی۔ ذہن کو، دماغ کو مفلوج کرنے والی منشیات جزو زندگی بن گئی تھیں۔ بھائی بھائی کا دشمن اور باپ بیٹے کا مخالف بن گیا تھا۔ اسکول کی بسوں میں، بازاروں میں دھماکے کوئی غیر معمولی بات نہیں رہے تھے۔

بائبل کے طالب علموں نے اس واقعے کی علامتیں دیکھ اور سمجھ لی تھیں۔ مشترکہ منڈی کے روپ میں رومن امپائر پھر سے ابھر آئی تھی۔ اسرائیل کی شکل میں یہودیوں کو وہ زمین مل گئی تھی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک طرف کئی جگہ قحط تھا تو دوسری طرف بین الاقوامی معیشت کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ یہ اتفاقی واقعات نہیں تھے۔ یہ واضح طور پر واقعات کی سازش تھی۔ آسمانی کتاب کے باب انکشافات میں ان سب کی پیش گوئی کر دی گئی تھی۔

سیاہ ستارے کی چمک بڑھتی گئی۔ شیطانی گیت کی لے بلند ہوتی گئی۔ زمین مرتعش ہو گئی۔ مگیدو کے قدیم شہر کے کھنڈرات میں موجود بوڑھے بیوگن ہیگن نے واضح طور پر اسے محسوس کیا اور وہ رونے لگا۔ اسکے مخطوطات اور اس کی قدیم الواح اب بے کار تھیں۔ قدیم علوم کے طلبا جو کھنڈرات میں کھدائی کر رہے تھے، انہوں نے زمین کو لرزتا محسوس کیا تو کھدائی چھوڑ دی۔ وہ سہم گئے تھے۔

واشنگٹن سے روم پرواز کرنے والے بوئنگ 747 کی فرسٹ کلاس میں بیٹھے رابرٹ تھورن نے بھی اس ارتعاش کو محسوس کیا اور معمول کے مطابق اپنی سیٹ بیلٹ کس لی۔ وہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ زمین پر پہنچ کر اس کے سامنے نجانے کیا صورت حال پیش آئے۔ اگر اسے اس ارتعاش کی حقیقی وجہ معلوم ہو بھی جاتی تو وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس لمحے روم کے دی سینٹ ہاسپٹل کے تہہ خانے میں ایک پتھر سے اس بچے کا سر کچل دیا گیا تھا، جو اس کا تھا...... جو زندہ رہتا تو اس کا بیٹا ہوتا...... اس کا بیٹا کہلاتا۔

............x............

کسی بھی لمحے حساب لگا کر دیکھ لیں، ایک لاکھ سے زائد افراد جہازوں میں بیٹھے فضا میں اڑ رہے ہوتے ہیں۔ رابرٹ تھورن کو اس طرح کے اعداد و شمار بہت اپیل کرتے تھے۔ اس وقت وہ اسکائی لائنز میگزین میں یہ اعداد و شمار پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ زمین پر جو انسان موجود ہیں اور جو اس لمحے فضائی سفر کر رہے ہیں، ان کے درمیان کیا انسیت ہو گی۔

عام حالات میں وہ بہت سنجیدگی سے سوچنے والا آدمی تھا۔ لیکن اس وقت وہ جس بے یقینی سے دوچار تھا، اس کی طرف سے ذہن ہٹانے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔

اس لمحے اگر دنیا کی پوری انسانی آبادی صفحۂ ہستی سے مٹا دی جائے، تب بھی ایک لاکھ افراد زندہ رہیں گے...... فضا میں سفر کرتے ہوئے، کسی مشروب کے گھونٹ لیتے ہوئے، ٹی وی پر فلم دیکھتے ہوئے، اس بات سے بے خبر کہ زمین پر سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

روم کی فضا میں اڑتے ہوئے جہاز میں سفر کرتے ہوئے اس نے ایک مختلف زاویے سے سوچنے کی کوشش کی۔ یہ جتنے لوگ اس وقت ہوائی جہازوں میں سفر کر رہے ہیں، ان میں کتنے مرد ہوں گے اور کتنی عورتیں۔ اور دنیا تباہ ہونے کی صورت میں انہیں اترنے کے لئے کوئی محفوظ مقام میسر آ گیا تو کیا وہ ایک نیا معاشرہ تخلیق کر سکیں گے؟ امکان یہ ہے کہ ان ایک لاکھ افراد میں مردوں کی اکثریت ہو گی جو متوسط طبقے سے یا اس سے کچھ اوپر والے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جن صلاحیتوں کے حامل ہوں گے، وہ اس بحران میں، جہاں کام کرنے والے تمام افراد ختم ہو چکے ہوں گے، بے کار ہوں گی۔ منیجر کیا کرے گا، جب کوئی کام ہی نہ ہو۔ اکاؤنٹنٹ کچھ بھی نہیں کر سکتا، اگر اس کے لئے کوئی اکاؤنٹ ہے ہی نہیں۔ اس لحاظ سے یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے کہ کئی جہاز ہر وقت فضا میں اڑتے رہیں، جن میں تعمیراتی کاریگر اور مختلف ہنر مند موجود ہوں تاکہ زمین پر ایسی کوئی آفت آئے تو وہ لوگ کرۂ ارض پر دوبارہ زندگی کو جاری کر سکیں۔ اس موقعے پر رابرٹ کو ماؤزے تنگ کا قول یاد آیا...... کسی بھی زمینی تباہی میں وہ قوم سب سے زیادہ بہتر رہے گی، جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مزدور اور ہنر مند کاریگر ہوں گے۔

جہاز نیچے کی طرف حرکت کر رہا تھا۔ اپنے پیروں کے نیچے سے اسے پہیے کھلنے کی میکانکی آواز سنائی دی۔ اس نے سگریٹ بجھا دی۔ پھر وہ نیچے نظر آنے والی دھندلی روشنیوں کو دیکھنے لگا۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس نے اتنے تواتر سے سفر کیا تھا کہ وہ اس منظر کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن آج یہ منظر اسے سکون کے بجائے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ واشنگٹن میں اسے جو ٹیلی گرام ملا، وہ بارہ گھنٹے کی تاخیر سے ملا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا، اب تو ہو بھی چکا ہو گا۔ شاید کیتھی اسے ہاسپٹل میں بیڈ پر بیٹھی ملے...... خوش اور مطمئن۔ اور اس کی گود میں نومولود بچہ ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے مایوسی میں ڈوبی ہوئی ملے...... پچھلی بار کی طرح...... ایک اور بچہ کھونے کے بعد!

کیتھی کئی بار ماں بنتے بنتے رہ گئی تھی۔ ہر بار چند ماہ بعد وہ محروم ہو جاتی تھی...... محروم، مایوس اور دل برداشتہ۔ لیکن اس بار پورے آٹھ ماہ خیریت سے گزر گئے تھے۔ رابرٹ کو ڈر تھا کہ اس بار کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ کیتھی کو ہمیشہ کے لئے کھو دے گا۔

وہ اور کیتھی بچپن کے ساتھی تھے۔ اسے یاد تھا کہ کیتھی شروع ہی سے نازک طبع اور خود اعتمادی سے محروم تھی۔ سترہ سال کی عمر میں جب لڑکیاں بے فکری ہوتی ہیں، کیتھی عدم تحفظ کا شکار تھی۔ اور رابرٹ کا مزاج ایسا تھا کہ کسی کو تحفظ دینا اس کی نفسیاتی ضرورت تھی۔ گویا وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے ہی بنے تھے۔ یہی ان کے تعلق کی بنیاد تھی۔

کیتھی کو جو درکار تھا، وہ اس کے پاس وافر تھا۔ اسی لئے ان کی شادی کامیاب تھی۔

لیکن پچھلے چند برسوں میں رابرٹ کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اور اس کے کام کی زیادتی نے کیتھی کو بہت تنہا، بہت اکیلا کر دیا تھا۔ اور وہ ایک سیاست داں کی بیوی کی جو ذمے داریاں ہوتی ہیں، انہیں پورا کرنے کی اہل نہیں رہی تھی۔

کیتھی کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی جو پہلی علامت ظاہر ہوئی، رابرٹ تھورن اسے سمجھ نہیں سکا۔ اس رات وہ گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ کیتھی نے قینچی لیکر بڑی بے دردی سے اپنے خوب صورت بال کاٹ ڈالے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ فکر مند ہونے کے بجائے بے حد برہم ہوا۔ بالوں کے دوبارہ بڑھنے تک کیتھی کو وگ استعمال کرنی پڑی۔ اور رابرٹ کا غصہ دیکھ کر وہ سہم گئی۔

اس کے ایک سال بعد ایک دن اس نے باتھ روم میں کیتھی کو ریزر سے اپنی انگلیوں کی پوروں کو کاٹتے دیکھا۔ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ کیونکہ رابرٹ کی چیخ سن کر وہ چونکی، اس نے ہاتھ میں موجود ریزر کو اور اپنے دوسرے ہاتھ کی زخمی انگلیوں کو حیرت سے دیکھا اور بولی۔ ''ارے...... یہ میں کیا کر رہی ہوں!''۔

اس بار رابرٹ کو باہر سے مدد لینے کی ضرورت کا احساس ہوا۔

ایک ماہ تک کیتھی ایک ماہر نفسیات سے مدد لیتی رہی۔ آخر ماہر نفسیات نے رابرٹ کو بتایا۔ ''انہیں بس ایک بچہ چاہئے۔ اور کوئی مسئلہ نہیں''۔

خوش قسمتی سے مسئلہ فوراً ہی حل ہو گیا۔ کیتھی کا پاؤں بھاری ہو گیا۔

وہ تین ماہ ان کی ازدواجی زندگی کا خوب صورت ترین عرصہ تھا۔ کیتھی بہت خوب صورت ہو گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ اس کے ساتھ مشرق بعید کے سفر پر بھی گئی۔ لیکن واپسی پر جہاز کے واش روم میں سب کچھ ختم ہو گیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

کیتھی کے پاس رونے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

اگلے سال پھر یہی ہوا۔ اور اس سے اگلے سال بھی۔ یوں وہ جسمانی رابطہ بھی کمزور ہوگیا، جو ان کی ازدواجی زندگی کی اساس تھا۔ رابرٹ نے کیتھی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بچہ کسی سے لیکر بھی پالا جاسکتا ہے۔ مگر کیتھی اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ بچہ اسے اپنا ہی چاہئے تھا...... اپنا اور رابرٹ کا۔ خالص تھورن!

اگلے سال ان کی ایک اور کوشش قدرت کے سامنے ہار گئی۔

اور اب یہ چوتھا موقع تھا۔ اور رابرٹ کو یقین تھا کہ یہ آخری موقع ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس بار گڑ بڑ ہوئی تو کیتھی ذہنی توازن کھو بیٹھے گی۔ سچ مچ پاگل ہوجائے گی۔

جہاز کے پہیوں نے رن وے کو چھولیا۔

مسافر اپنا سامان اٹھانے لگے۔ رابرٹ بیٹھا رہا۔ اسے یہاں وی آئی پی ٹریٹ منٹ ملنا تھا۔ وہ کسٹم کے مرحلے سے محض رسمی طور پر گزرتا اور باہر گاڑی اسے اپنی منتظر ملتی۔ روم میں اس کی ایک حیثیت تھی۔ صدر امریکا کا مشیر برائے معاشی امور ہونے کی حیثیت سے وہ ورلڈ اکانومی کانفرنس کا چیئرمین تھا اور کانفرنس اب زیورچ سے روم منتقل ہو چکی تھی۔ یہاں کانفرنس کا ابتدائی ایجنڈا چار ہفتے کا تھا، جو پھیلتے پھیلتے چھ ماہ پر محیط ہو چکا تھا۔ اب یہاں صحافی اور خاص طور پر کھوجی فری لانسر صحافی جو پاپارازی کہلاتے ہیں، اسے پہچاننے لگے تھے۔ اس کا پیچھا کیا جاتا تھا۔ خبر گرم تھی کہ اگلے چند برسوں میں وہ اپنی پارٹی کی طرف سے صدارتی امیدوار ہوگا۔

رابرٹ تھورن کی عمر 42 سال تھی۔ وہ اپنے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کر چکا تھا۔ چند برسوں کے بعد امریکا کا صدر بننا اس کے لئے محض خواب نہیں رہا تھا۔ اکانومی کانفرنس کا چیئرمین بننے کے بعد وہ عام لوگوں کی نظر میں بھی آچکا تھا۔ اب ایمبیسڈر بننے یا کابینہ کا رکن بننے کی راہ ہموار ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اگلا قدم وائٹ ہاؤس ہی کی طرف اٹھتا۔ اس وقت جو امریکا کا صدر تھا، وہ اور رابرٹ کالج میں کلاس فیلو رہے تھے۔ لیکن رابرٹ نے جو مقام حاصل کیا تھا، وہ صدر امریکا کی دوستی کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس کا سبب اس کی اپنی قابلیت اور محنت تھی۔

اس کے خاندان کے کئی ٹیکسٹائل پلانٹ تھے۔ جنگ کے دوران ان کا کاروبار خوب چمکا تھا۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ سو اس کے زور پر اس نے اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی۔ زندگی کی ہر آسائش اسے حاصل تھی۔ لیکن باپ کی موت کے بعد اس نے وہ تمام پلانٹ بند کر دیئے۔ حالانکہ اس کے مشیروں نے اسے بہت سمجھایا تھا۔ زمانہ امن میں تھورن فیملی کی قسمت اور چمکی۔ زمین جائیداد کی شکل میں جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ تعمیراتی کام میں تبدیل ہوگیا۔ یوں رابرٹ نے پس ماندہ بستیوں کی فلاح اور بہتری کے لئے کام شروع کیا۔ اس نے اہل لیکن غریب لوگوں کے لئے چھوٹے اور آسان قرضوں کی اسکیم شروع کی۔ وہ دولت مند تھا اور ان لوگوں کو اپنی ذمے داری سمجھتا تھا، جو کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن دولت کی کمی کی وجہ سے مجبور تھے۔ اس کی دولت سو ملین ڈالرز کے لگ بھگ تھی۔ لیکن اس امر کی تصدیق نہیں کی جاسکتی تھی۔ خود رابرٹ تھورن کو بھی علم نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے پاس اکاؤنٹ چیک کرنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

............x............

ٹیکسی ہاسپٹل کے سامنے رکی، جس کی عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فادر اسپلیٹو دوسری منزل پر اپنے آفس کی کھڑکی سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ ٹیکسی سے اترنے والا رابرٹ تھورن ہے۔ اخبار میں بارہا اس کی تصویریں اس نے دیکھی تھیں۔ اس کا انداز، اس کی چال تک جانی پہچانی تھی۔ مضبوط جبڑا اور کنپٹیوں پر بالوں کی سفیدی اس کی پہچان تھی۔

فادر اسپلیٹو رابرٹ تھورن کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس، اس کی خود اعتمادی اس کے صاحب ثروت ہونے کی غماز تھی۔ فادر نے گہری سانس لی اور طمانیت سے سر ہلایا۔ رابرٹ تھورن کا انتخاب بالکل درست تھا۔

فادر نے اپنا چوغہ پہنا اور کھڑا ہوگیا۔ اس کے قد و قامت کے سامنے اس کی چھوٹی سی میز اور چھوٹی لگنے لگی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ نیچے سے رابرٹ تھورن کے اوپر آتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ وہ پہلی منزل پر پہنچنے والا تھا۔

''مسٹر تھورن''۔ فادر نے اسے پکارا۔

نیچے رابرٹ تھورن رکا۔ اس نے اوپر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ ''جی؟'' اس کی آواز ابھری۔

''میں فادر اسپلیٹو ہوں۔ میں نے آپ کو ٹیلی گرام......''۔

''جی۔ ٹیلی گرام مجھے مل گیا تھا۔ میں نے جلد سے جلد آنے کی کوشش کی''۔

فادر روشنی کی طرف چلا گیا۔ لیکن رابرٹ تھورن کو اس کے انداز سے تشویش ہونے لگی۔ شاید کوئی اچھی خبر نہیں۔ اس نے سوچا اور نروس ہوگیا۔ وہ جلدی سے اوپر چڑھا۔ اب فادر اس کے سامنے تھا۔ ''ولادت ہوگئی؟''۔ اس نے بے ڈھنگے پن سے پوچھا۔

''جی''۔

''اور میری بیوی؟''۔

''وہ آرام کر رہی ہیں''۔ فادر کی آنکھوں میں ایک خاموش دلاسہ چمک رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟''۔ رابرٹ کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی۔

''بچہ مر چکا ہے''۔

وہ خاموشی بڑی بوجھل اور سنگین تھی۔ وہ راہداریوں اور دیواروں میں گونجتی، سنسناتی محسوس ہو رہی تھی۔ رابرٹ تھورن یوں سن ہوگیا جیسے کسی نے اچانک اس کے دل پر گھونسہ مارا ہو۔

''وہ بس ایک لمحہ جیا۔ چند سانسیں لیں۔ اور بس''۔ فادر نے وضاحت کی۔

رابرٹ تھورن نڈھال قدموں سے ایک بنچ کی طرف بڑھا اور اس پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ ساکت بیٹھا خلاؤں میں گھورتا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

سنسان راہداری اس کی سسکیوں سے گونج رہی تھی۔ فادر بات آگے بڑھانے کے لئے موقعے کا منتظر تھا۔

''تمہاری بیوی خیریت سے ہے''۔ بالآخر فادر نے کہا۔ ''لیکن اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی''۔

''یہ دکھ اسے مار ڈالے گا''۔ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

''تم کوئی بچہ گود لے سکتے ہو''۔

''اس کی ضد تھی کہ اسے اپنا بچہ چاہئے''۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے بعد فادر آگے بڑھا۔ اس کے بھدے چہرے پر ٹھہراؤ تھا اور آنکھوں میں ہمدردی۔ لیکن ماتھے پر پھوٹنے والا پسینہ اس کی باطنی کشیدگی کا غماز تھا۔ تم بہت محبت کرتے ہو اس سے؟''۔ فادر نے پوچھا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''تب تو تمہیں خدا کی منصوبہ بندی کو قبول کر لینا چاہئے''۔

تاریک راہ داری میں ایک پختہ عمر کی راہبہ نمودار ہوئی اور اس نے فادر کو اشارے سے بلایا۔ فادر اس کی طرف گیا۔ راہبہ کے اور اس کے درمیان اطالوی زبان میں کچھ گفتگو ہوئی۔ پھر راہبہ چلی گئی اور فادر رابرٹ کی طرف چلا آیا۔

اس بار فادر کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ رابرٹ کو جھرجھری آگئی۔

''خدا پراسرار انداز میں کام کرتا ہے مسٹر تھورن''۔ فادر نے کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

رابرٹ اٹھا اور اشارے کی تعمیل میں اس کے پیچھے چل دیا۔

میٹرنٹی وارڈ پانچویں منزل پر تھا۔ وہ عقبی زینے سے اوپر گئے۔ وہ راستہ بالکل سنسان تھا۔ وارڈ تاریک تھے۔ مگر نوزائیدہ بچوں کی خوشبو راہ داری میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھی۔

شیشے کی ایک دیوار کے پاس فادر رکا۔ اس نے رابرٹ کی آمد کا انتظار کیا۔ رابرٹ آیا۔ فادر کا رکنا معنی خیز تھا۔ اسی لئے اس نے شیشے کی دیوار کے دوسری طرف دیکھا۔ وہاں ایک نوزائیدہ بچہ تھا...... فرشتوں کی طرح معصوم...... کامل خوب صورتی کا نمونہ۔ اس کے گھنے بال گہرے سیاہ رنگ کے تھے۔ آنکھیں نیلی تھیں۔ پھر جیسے جبلی طور پر بچے کو دیکھے جانے کا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں اوپر کیں...... اور رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ قدرت کا تحفہ ہے''۔ فادر نے کہا۔ ''جیسے تمہارا بچہ مر گیا، ویسے ہی اس بچے کی ماں مر گئی...... ایک ہی لمحے میں''۔

رابرٹ تھورن نے فادر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تمہاری بیوی کو بچہ چاہئے''۔ فادر نے کہا۔ ''جبکہ اس بچے کو ماں کی ضرورت ہے''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم اپنا بچہ چاہتے ہیں...... اپنا خون......''۔

''تم نے ابھی تک اس بچے میں شباہت نہیں دیکھی۔ اس پر غور نہیں کیا''۔

تب رابرٹ نے بچے کو غور سے دیکھا۔ ایک نظر میں اسے اندازہ ہوگیا کہ فادر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بچے کی رنگت، آنکھیں اور بال کیتھی کے سے تھے اور چہرے کے نقوش خود رابرٹ جیسے۔ جبڑا مضبوط تھا بلکہ اس کی ٹھوڑی پر وہ ننھا سا گڑھا بھی تھا، جو تھورن فیملی کا طرۂ امتیاز تھا۔

''سینورا کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں''۔ فادر نے سرگوشی کی۔

رابرٹ خاموش رہا۔

رابرٹ کی خاموشی فادر کے لئے حوصلہ افزا تھی۔ پھر رابرٹ کے ہاتھ کی کپکپاہٹ نے اس کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔

''یہ...... کیا یہ بچہ پوری طرح صحت مند ہے؟'' رابرٹ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔

''ہر اعتبار سے مکمل اور صحت مند......''

''اور اس کے رشتے دار......''

''اس کا کوئی رشتے دار نہیں۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں''۔

راہ داری میں خاموشی اتنی گہری تھی کہ پھنکارتی محسوس ہو رہی تھی۔ سماعت پر بوجھ لگ رہی تھی۔

''اس کے معاملے میں مجھے مکمل اختیار حاصل ہے''۔ فادر نے کہا۔ ''کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہوگا۔ کسی کو کبھی کچھ پتا نہیں چلے گا''۔

رابرٹ نظریں چرانے لگا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر وہ بولا۔ ''آپ مجھے میرا بچہ دکھا سکتے ہیں؟''

''اس سے کیا حاصل''۔ فادر کے لہجے میں تلقین بھی تھی اور ترغیب بھی۔ ''اپنی محبت سے اسے نوازو جو زندہ ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اور شیشے کی دیوار کے پیچھے نوزائیدہ بچے نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ یوں پھیلائے، جیسے رابرٹ کی گود میں آنا چاہ رہا ہو۔

''تم یہ اپنی بیوی کی بقا کی خاطر کرو گے مسٹر تھورن۔ اور اس بچے کی خاطر، جو گھر سے اور ہر رشتے سے محروم ہے۔ یہ دہری نیکی ہوگی مسٹر تھورن''۔

رابرٹ تھورن کو سینے میں اپنا دل پگھلتا محسوس ہوا۔

فادر نے جان لیا کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ''مبارک ہو مسٹر تھورن۔ آج کی رات خدا نے تمہیں بیٹے کی نعمت سے سرفراز کر دیا''۔

باہر آسمان پر سیاہ ستارہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اچانک بجلی کا ایک کڑاکا ہوا اور سیاہ ستارہ جیسے بکھر گیا۔ اسی لمحے ہاسپٹل کے بیڈ پر دراز کیتھی تھورن کو احساس ہوا کہ جیسے وہ قدرتی نیند سے جاگ رہی ہے۔ اسے احساس نہیں تھا کہ اسے انجکشن دیا گیا ہے۔ اس نے لیبر روم میں دس گھنٹے اذیت جھیلی تھی۔ پھر اسے سکون کا احساس ہوا تھا۔ لیکن اپنے بچے کو دیکھے بغیر وہ بڑی آہستگی اور ہمواری سے بے ہوشی کی نامعلوم گہرائی میں اتر گئی تھی۔

اب جو اسے ہوش آیا تو خوف اسے ستانے لگا۔ لیکن وہ خوف سے لڑ رہی تھی......خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

باہر راہ داری میں آتے ہوئے قدموں کی چاپ ابھری، دروازہ کھلا اور اسے اپنے شوہر کی صورت نظر آئی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی گود میں وہ نوزائیدہ بچہ تھا۔

''ہمارا بچہ کیتھی''۔ رابرٹ کی آواز فرطِ جذبات سے لرز رہی تھی۔ ''بالآخر ہمیں اپنا بچہ مل گیا''۔

کیتھی نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کو گود میں لے لیا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ ان آنسوؤں کی وجہ سے وہ رابرٹ کو نہ دیکھ پائی، جو ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا، جس نے اسے صحیح راستہ دکھایا تھا۔ اسے درست فیصلہ کرنے کا حوصلہ دیا تھا!

............x............

رابرٹ اور کیتھی، عقیدے کے اعتبار سے دونوں رومن کیتھولک تھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی مذہبی نہیں تھا۔ کیتھی کرسمس اور ایسٹر کے موقعوں پر عبادت کے لئے چرچ ضرور جاتی تھی مگر محض عقیدے اور جذباتی وابستگی کی وجہ سے۔ ورنہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے نہیں تھی۔ رابرٹ کا بھی یہی حال تھا۔

ان کے بیٹے ڈیمین کو کرسچن بنانے کی رسم پوری نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ پیدائش کے کچھ ہی دن بعد وہ ڈیمین کو چرچ لے گئے تھے۔ لیکن چرچ میں داخل ہوتے ہی شیر خوار ڈیمین اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ نتیجتاً انہیں تقریب کو مختصر کرنا پڑا۔ پادری چلو میں پانی لیے ان کے پیچھے پیچھے سڑک تک آیا تھا۔ وہ انہیں بار بار یاد دلا رہا تھا کہ اس وقت رسم پوری نہیں ہوئی تو یہ بچہ کبھی مسیح کی بھیڑوں میں شامل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن بچے کی حالت اتنی بگڑ چکی تھی کہ رابرٹ نے پادری کی بات پر کان نہیں دھرے۔ تاہم کیتھی کی تسلی کیلئے اس نے گھر پر تقریب کر لی۔ لیکن کیتھی کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ایک دن اس کمی کا ازالہ کر کے رہے گی اور تقریب چرچ میں ہی ہوگی۔

لیکن ایسا ہوا نہیں۔ مصروفیات نے انہیں اس بارے میں سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی اور وہ یہ بات بھول ہی گئے۔

اکانومی کانفرنس ختم ہو گئی اور وہ واشنگٹن واپس چلے آئے۔ رابرٹ تھورن نے صدر کے مشیر کی حیثیت سے ذمے داریاں قبول کر لیں۔ اب وہ ایک معروف سیاسی شخصیت تھا۔ ملک بھر کے قومی جریدوں میں اس کے متعلق کالم چھپ رہے تھے۔ لوگوں میں امیج بن رہا تھا۔ دونوں خوب صورت تھے، دولت مند تھے، بلندی کی طرف گامزن تھے اور ان کی تصویریں بہت اچھی آتی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ صدر امریکا کے مقرب تھے۔ جاننے والے جانتے تھے کہ درحقیقت رابرٹ تھورن کی سیاسی تربیت کی جا رہی ہے۔ اس بات کی تصدیق اس وقت ہوئی جب سینٹ جیمس کے دربار میں ایمبیسیڈر کی حیثیت سے اس کی تقرری کی گئی۔ وہ ایک ایسی کلیدی پوزیشن تھی جس میں اس کی شخصی کشش اسے اور نکھار دیتی۔

وہ لندن آئے تو انہوں نے سترہویں صدی کی ایک حویلی کو اپنی اقامت کیلئے منتخب کیا، جو پیری فورڈ میں واقع تھی۔ زندگی بالخصوص کیتھی کے لئے ایک خوب صورت خواب کا روپ دھار گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اسے سب کچھ مل گیا تھا۔ پیارا سا بچہ جس کی اسے آرزو تھی۔ شوہر کی بے پایاں محبت تو اسے پہلے ہی حاصل تھی۔ یہ سب کچھ پا کر وہ موسم بہار میں کھلنے والے پھول کی طرح ہو گئی۔ اس کی نزاکت، شادابی اور حسن سبھی کے لئے دل خوش کن تھا۔

پیری فورڈ کی حویلی بہت شان دار تھی اور انگلستان کی تاریخ سے معمور بھی۔ وہاں ایک تہہ خانہ تھا، جہاں ایک جلاوطن ڈیوک چھپا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اسے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حویلی کے اطراف میں جنگل تھا جو اسی جاگیر کا حصہ تھا۔ اس جنگل میں ہنری پنجم ریچھوں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ حویلی میں بے شمار خفیہ راہ داریاں اور تنگ راستے تھے، جن سے آدمی کھڑا ہو کر نہیں گزر سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حویلی بہت بارونق تھی۔ اس کے ماحول میں خوشی تھی۔

کام کاج کے لئے دن بھر کے ملازم الگ تھے۔ اور ایک باوقار انگریز جوڑا تھا جو وہیں رہتا تھا۔ ان کی خدمات 24 گھنٹوں کے لیے تھیں۔ شوہر گاڑی چلاتا تھا اور بیوی کچن سنبھالتی تھی۔ کیتھی کی سرکاری مصروفیات بھی تھیں۔ اکثر رابرٹ کے ساتھ اسے تقریبات میں شریک ہونا ہوتا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

چناں چہ انہوں نے ایک کم عمر انگریز لڑکی چیسا کو بطور آیا رکھ لیا تھا۔ فربہ اندام چیسا اتنی خوش مزاج اور پیاری تھی کہ فیملی کا ایک حصہ بن گئی۔ وہ بہت کھلنڈری تھی اور ڈیمین کو ایسے چاہتی تھی، جیسے درحقیقت وہ اسی کا بیٹا ہو۔ ڈیمین بھی اس سے بہت مانوس تھا۔ وہ وسیع و عریض باغیچے میں چیسا کے پیچھے دوڑتا پھرتا۔

ڈیمین تین سال کا ہو چکا تھا۔ صحت اور طاقت کے اعتبار سے وہ حیرت انگیز بچہ تھا۔ اس کے انداز میں بڑی سنجیدگی اور بردباری تھی، جس کی اتنی عمر کے بچے سے توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ اور اس کی نگاہ ایسی تھی کہ بڑے لوگوں کو بھی نروس کر دیتی تھی۔ اس کا ارتکاز بھی حیرت انگیز تھا۔ وہ سیب کے درخت کے نیچے پڑی بنچ پر بیٹھا گھنٹوں آنے جانے والوں کو تکتا۔ مشاہدہ اس کا ایسا تھا کہ نظر آنے والی معمولی جزئیات تک اسے یاد رہتی تھیں۔ ڈرائیور ہورٹن کسی کام سے باہر جاتا تو اکثر اسے ساتھ لے جاتا۔ اس کا خاموش ساتھ اسے اچھا لگتا تھا۔ ڈیمین باہر ہر چیز کو جیسے مسحور ہو کر دیکھتا تھا، اس پر اسے تعجب ہوتا۔

''اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ مریخ سے آیا ہوا چھوٹا سا آدمی ہے''۔ ایک دن ہورٹن نے اپنی بیوی سے ڈیمین کے متعلق کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ مریخ والوں نے اسے زمینی انسانوں کی اسٹڈی کے لئے بھیجا ہے''۔

''وہ اپنی ماں کی آنکھ کا تارا ہے۔ کسی نے تمہاری یہ بات سن لی تو اچھا نہیں ہوگا''۔ اس کی بیوی نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں اسے نیچا نہیں کر رہا ہوں۔ بس وہ کچھ غیر معمولی سا لگتا ہے''۔

ڈیمین کے بارے میں پریشان کن کوئی بات تھی تو یہ کہ وہ آواز استعمال کرنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ بولتا نہیں تھا۔ خوشی ہوتی تو وہ مسکراتا۔ اس کے دانت نکل پڑتے۔ دکھی ہوتا تو آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ اور وہ بے آواز روتا۔ کیتھی نے ایک بار اس سلسلے میں ڈاکٹر سے بات کی۔ لیکن ڈاکٹر کے جواب نے اس کی پریشانی دور کر دی۔

''میں ایک ایسے بچے کو جانتا ہوں، جو آٹھ سال تک ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا''۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''اور وہ بولا تو اس نے یہ کہا کہ مجھے آلو کا بھرتہ اچھا نہیں لگتا۔ اس کی حیران ماں نے اس سے پوچھا کہ تم بول سکتے ہو تو اب تک کیوں نہیں بولے۔ بچے نے جواب دیا...... ''اس سے پہلے آپ نے آلو کا بھرتہ میرے سامنے رکھا ہی نہیں تھا''۔

کیتھی یہ سن کر بہت ہنسی۔ اس کی تشویش دور ہو گئی۔ اس نے سوچا، ڈیمین تو ابھی صرف ساڑھے تین سال کا ہے۔ یہ سائنس دان البرٹ آئن اسٹائن چار سال کی عمر تک نہیں بولا تھا۔ اور ڈیمین ہر اعتبار سے مکمل بچہ تھا۔ بس وہ بولتا نہیں تھا...... اور ہر چیز کو بہت غور سے دیکھتا تھا۔

وہ رابرٹ اور کیتھی کی شادی کا خوب صورت اور کامل ثمر تھا!

............X............

حنیف پیدائشی طور پر دلوی تھا۔ اس کے زائچے میں یورینس نکتہ عروج پر تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ پاپارازی تھا۔ پیچھے پڑ جانے والا فری لانسر! صحافت کی دنیا میں اسے اس لئے اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ جو کچھ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا، اس کیلئے دوسرے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ مشہور تھا کہ صرف ایک تصویر کے لئے وہ کئی کئی دن سب کچھ چھوڑ کر بیٹھا رہتا تھا۔ اس بلی کی طرح، جس نے کسی چوہے کو تاک لیا ہو اور اب اس کے بل کے باہر اس کے نکلنے کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھی ہو۔ اور اس نے کیسی کیسی تصویریں کھینچی تھیں۔ کموڈ پر بیٹھے ہوئے اداکار مارسیلو ماسٹریانی کی تصویر، جو اس نے یوکلپٹس کے ایک درخت پر چڑھ کر کھینچی تھی۔ یا جیکولین اوناسس کی تصویر جو اپنے بجرے پر الٹیاں کر رہی تھی۔ ایسی تصویریں ہی اس کی پہچان تھیں۔ وہ جبلی طور پر جانتا تھا کہ کب اور کہاں اسے موقع مل سکتا ہے۔ یہ اس کی پیشہ ورانہ چھٹی حس تھی۔ وہ ایسی تصویریں لیتا تھا، جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی تھیں۔

وہ چیلسی کے علاقے میں ایک کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اور اسے اس پر کوئی افسوس یا احساس محرومی نہیں تھا۔ اور وہ اپنے ہدف کے بارے میں ایسی باریک بینی سے ریسرچ کرتا تھا، جیسے کوئی سائنس داں، جو پولیو کا علاج دریافت کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پچھلے کچھ عرصے سے لندن میں امریکا کا سفیر اس کی توجہ کا خاص مرکز تھا۔ وجہ یہ تھی کہ رابرٹ تھورن کی نجی زندگی بظاہر بڑی صاف ستھری تھی۔ جبکہ حنیف سمجھتا تھا کہ ایسے لوگوں کی زندگی میں گندگی زیادہ ہی ہوتی ہے۔ پتا اس لئے نہیں چلتا کہ وہ اسے چھپانے کے لئے بہت اہتمام کرتے ہیں۔ وہ سات پردوں کے پیچھے چھپا کر رکھتے ہیں اپنی نجی زندگی کو۔ اور حنیف کو ایسے پردے ہٹانے ہی کا تو شوق تھا۔ چناں چہ وہ موقعے کا منتظر تھا اور وہ طویل انتظار کی اہلیت رکھتا تھا۔

آج اس کا تھورن کی پیری فورڈ کی جاگیر جانے کا ارادہ تھا۔ فوٹو گرافی کا تو امکان کم ہی تھا۔ کیونکہ وہاں بے شمار فوٹو گرافر ہوں گے۔ اس کا مقصد تو جاسوسی تھا۔ وہ حویلی کے محل وقوع کو، اس کے نقشے کو سمجھنا چاہتا تھا۔ کھڑکیاں، دروازے، کسی کی توجہ مبذول کرائے بغیر اندر گھسنے اور نکلنے کے راستے۔ نوکر...... ایسے نوکر جنہیں کچھ دے دلا کر ان سے معلومات حاصل کی جا سکیں۔

وہ صبح جلدی اٹھا۔ اس نے اپنے کیمرے چیک کئے، لینسوں کی صفائی کی۔ پھر وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر خود کو دیکھنے لگا۔ اس کی عمر اڑتیس سال تھی۔ نسلاً وہ ہندوستانی تھا۔ ایک تو رنگ پکا اور اس پر مستزاد بچپن میں نکلنے والی چیچک کے نشان۔ وہ جو زیادہ وقت اپنا چہرہ کیمرے کے پیچھے چھپا کر رکھتا تو اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا رنگ اور چیچک کے وہ نشان تھے۔ اس کا جسم دبلا پتلا ہی نہیں، ڈھیلا ڈھالا بھی تھا۔

نکلنے سے پہلے اس نے اپنے ڈارک روم میں ٹائمر سیٹ کئے۔ پھر کاغذوں کے ڈھیر میں سے وہ دعوت نامہ تلاش کر کے نکالا۔ وہ رابرٹ تھورن کے بیٹے کی چوتھی سالگرہ کی پارٹی تھی۔ لندن کی گندی بستیوں سے سینکڑوں معذور بچوں اور یتیموں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

لندن کے مضافاتی علاقے میں کار ڈرائیو کرنا خوش گوار تجربہ ثابت ہوا۔ وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ فرصت کے لمحات میں وہ صرف اپنے بارے میں سوچتا تھا۔

رابرٹ تھورن کی جاگیر ایک میل دور رہ گئی تھی۔ ایک پولیس والا وہاں دعوت نامے چیک کر کے مہمانوں کو آگے جانے کے سلسلے میں ہدایات دے رہا تھا۔ حنیف کے دعوت نامے کو پولیس والے نے کئی بار چیک کیا۔ اسے وہ دعوت نامہ اصلی نہیں لگ رہا تھا۔ اس دوران حنیف بے پروائی سے سامنے کی سمت دیکھتا رہا۔ وہ اس برتاؤ کا عادی تھا اور اس میں خوش تھا۔ کیونکہ توجہ زیادہ ملتی تھی۔ اگر وہ ڈھنگ کا لباس پہن کر آتا تو اس کے کارڈ کو اور اسے مشتبہ نہ سمجھا جاتا۔ مگر اسے یہ سب کچھ پسند تھا۔ بلکہ یہ اس کا ہتھیار تھا۔ یوں وہ لوگوں کو بہت غور سے دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ ناپسندیدگی کی وجہ سے وہ اس کے وجود کو عدم وجود گرداننے لگتے تھے۔ ان کا رویہ ایسا ہوتا تھا، جیسے وہ ان کے سامنے ہی نہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

بالآخر اسے لوہے کے بڑے گیٹ سے گزر کر اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اندر جاتے ہی اس کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔ پوری جاگیر کو اس انداز میں سجایا گیا تھا کہ کسی بہت بڑے میلے کا سماں لگ رہا تھا۔ وہاں رنگ ہی رنگ تھے...... زندگی کے تمام رنگ۔ سرکس کے خیموں کے درمیان بچے بھاگتے پھر رہے تھے۔ پھیری والے اپنا اپنا سامان...... ٹافیاں بسکٹ، پھل وغیرہ لیے آوازیں لگاتے پھر رہے تھے، وہاں ہر طرح کے جھولے موجود تھے۔ موسیقی کی آواز پھیری والوں کے اور بچوں کے ملے جلے شور پر غالب آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک طرف قسمت کا حال بتانے والی عورت کا چھوٹا سا بوتھ تھا، جس کے باہر لندن کے بڑے ممتاز افراد قطار لگائے کھڑے تھے...... اپنی قسمت کے بارے میں جاننے کے منتظر! وہاں چھوٹے ٹٹو بھاگتے پھر رہے تھے۔ یہی نہیں، ہاتھی کا ایک بچہ بھی تھا جس پر چھوٹے چھوٹے سرخ دائروں کے ساتھ رنگ کیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی توجہ کا مرکز تھا، جو اسے سکے دے رہے تھے۔ ہاتھی کا بچہ وہ سکے سونڈ میں پکڑ کر اپنے مالک کو دے دیتا تھا۔

عام فوٹو گرافروں کے لئے وہ فوٹو گرافی کی جنت تھی۔ درجنوں فوٹو گرافر لالچ سے بھرے تصویریں کھینچتے ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ لیکن حنیف کے نزدیک وہاں فوٹو گرافی کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تو سب دکھاوا تھا۔

''کیا ہوا دوست؟ فلم ختم ہو گئی کیا؟''

حنیف نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ہوبی تھا...... نیوز ہیرالڈ کا فوٹو گرافر۔ ہاٹ ڈاگ کی ٹیبل کے پاس کھڑا وہ اپنے کیمرے میں نئی فلم لگا رہا تھا۔

''فلم تو بہت ہے۔ کوئی تصویر تو ملے''۔ حنیف نے بیزاری سے کہا۔

''حماقت مت کرو دوست۔ ایسی کسی جگہ آنے کا موقع روز روز نہیں ملتا''۔ ہوبی بولا۔

''اس طرح کی تصویریں تو میں جتنی چاہوں، تم سے بھی خرید سکتا ہوں''۔

''اوہ...... تو کوئی خاص تصویر چاہئے تمہیں؟''

''صرف خاص نہیں، خاص الخاص''۔

''میں تمہیں گڈ لک ہی کہہ سکتا ہوں ہنی۔ یہ وہ فیملی ہے، جو اپنی نجی زندگی کو بہت مقدس سمجھتی ہے''۔

حنیف کا منہ بن گیا۔ یہاں بیشتر لوگ اسے ہنی ہی کہتے تھے۔ حنیف کے مقابلے میں ہنی کہنا ان کے لئے آسان تھا۔ اور یہ اسے بہت برا لگتا تھا۔ یہ خاص الخاص حنیف کا خواب تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن کوئی خاص الخاص اسے اہمیت دلا دے گا۔ تب دنیا اس کی قدر کرے گی۔ تب وہ ایسا غیر اہم نہیں رہے گا۔

''اے آیا...... سنو...... آیا...... ادھر دیکھو''۔ کچھ دور سے ہوبی کی پکار سنائی دی۔

سب کی توجہ ایک طرف ہو گئی تھی۔ سالگرہ کا کیک ٹرالی پر رکھ کر باہر لایا جا رہا تھا۔

بچے کی آیا چیسا نے جوکر کا روپ دھارا ہوا تھا۔ چہرے پر اس نے پاؤڈر تھوپا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی فوٹو گرافرز نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور وہ بچے کو بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اس وقت وہ سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

''یہ موم بتیاں یہ بجھا سکے گا''۔ ایک فوٹو گرافر نے نکتہ اٹھایا۔

''اس سے کہو ریہرسل تو کرے''۔ دوسرے نے تجویز پیش کی۔

حنیف کی آنکھیں مجمعے کو ٹٹول رہی تھیں۔ بالآخر اسے شمع محفل نظر آ گئی...... کیتھی تھورن۔ وہ کچھ دور کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر بے حد واضح تھا اور آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ مگر وہ ایک لمحے کی بات تھی۔ پھر جیسے اس کے چہرے پر نقاب سی آ گری۔ وہ تاثر غائب ہو گیا۔

حنیف ایسے ہی موقعے کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے تصویر لے لی۔

کیک کے لئے پسندیدگی کا اظہار لوگوں نے تالیوں کے ذریعے کیا۔ کیتھی نپے تلے قدموں سے آگے بڑھی۔

''اس کی قسمت کا حال معلوم کرو''۔ ایک رپورٹر نے چیخ کر کہا۔ ''اسے نجومی کے پاس لے کر چلو''۔

آیا بچے کو لئے آگے بڑھی۔ لوگوں کا ہجوم ان کے پیچھے تھا۔

''ڈیمین کو میں وہاں لے کر جاؤں گی''۔ کیتھی نے اچانک آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''مجھے لے جانے دیں نام''۔ آیا نے چہک کر کہا۔

''نہیں۔ یہ کام مجھے کرنے دو''۔ کیتھی مسکرا رہی تھی۔

حنیف کیمرے کے ویوفائنڈر کے ذریعے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا......

کیتھی اور آیا چیسا کی نظریں ملیں۔ چیسا نے ڈیمین کو چھوڑ دیا۔ وہ چھوٹا سا ایک لمحہ تھا، جسے ڈیمین اور کیتھی کے ساتھ نجومی کے بوتھ کی طرف بڑھتے ہوئے لوگ دیکھ نہ سکے۔ لوگ آگے بڑھ گئے۔ آیا چیسا پیچھے اکیلی رہ گئی۔ وہ اداس لگ رہی تھی۔ جوکر کا کاسٹیوم اب اس کے اکیلے پن کے محسوسات کی عکاسی کر رہا تھا۔ عقب میں وہ پر شکوہ، اونچی حویلی تھی۔

حنیف نے بٹن دوبارہ دبایا!

پھر چیسا پلٹی اور تھکے تھکے قدموں سے حویلی کی طرف چل دی۔

نجومی کے خیمے کے پاس پہنچ کر کیتھی نے بڑی سختی سے رپورٹرز کو باہر رکنے کو کہا اور خود بچے کو لے کر اندر چلی گئی۔

اندر کی نیم تاریکی اور خاموشی میں بڑا سکون تھا۔ کیتھی نے سکون کی سانس لی۔

''ہیلو بیٹے''۔

وہ آواز ایک نقاب کے نیچے سے آئی تھی۔ نقاب ہرے رنگ کی تھی۔ ڈیمین نے اسے دیکھا تو اس کے جسم میں اینٹھن سی ہوئی اور وہ ڈر کر ماں سے لپٹ گیا۔

''کم آن ڈیمین''۔ کیتھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک اچھی چڑیل ہے۔ کیوں بھئی، تم اچھی چڑیل ہو نا؟''

''بے شک''۔ نجومی عورت بھی ہنس دی۔ ''میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی''۔

''یہ تمہیں قسمت کا حال بتائے گی''۔ کیتھی نے ڈیمین کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''ذرا میری طرف ہاتھ بڑھاؤ''۔ نجومی عورت نے اشارہ کیا۔

لیکن ڈیمین ہاتھ بڑھانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ماں سے اور چمٹ گیا۔ یہ دیکھ کر نجومی عورت نے اپنا نقاب ہٹا دیا۔ وہ ایک عام سی جوان عورت تھی، جو مسکرا رہی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''دیکھ لو، میں بھی سب لوگوں کی طرح ہوں''۔ وہ بولی۔ ''اور تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی''۔

ننھا ڈیمین قدرے پرسکون ہو گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ نجومی عورت کی طرف بڑھا دیا۔

''ارے واہ، کیسا پیارا اور نرم ہاتھ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ خوش قسمتی تمہارے......''۔ وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ڈیمین کے ہاتھ کو وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور اب اس کی نگاہوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔ ''ذرا دوسرا ہاتھ دکھاؤ''۔ وہ بولی۔

ڈیمین نے دوسرا ہاتھ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

نجومی عورت اس کے پھیلے ہوئے دونوں ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ اس کی الجھن اب اور واضح تھی۔

''یہ الجھن تمہارے اس کھیل کا حصہ ہے؟'' کیتھی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔ میں تین سال سے بچوں کی پارٹیوں میں یہ کام کر رہی ہوں۔ مگر ایسا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا...... کبھی نہیں''۔

''کیا نہیں دیکھا؟''

''آپ خود دیکھیں۔ شخصیت کی لکیروں کا جو پیٹرن ہر ہاتھ پر ہوتا ہے، اس بچے کے ہاتھوں پر نہیں ہے۔ صرف سلوٹیں سی ہیں''۔

کیتھی نے آگے جھک کر بچے کے ہاتھوں کو دیکھا۔ ''مجھے تو لکیریں نظر آ رہی ہیں''۔ وہ بولی۔

''میں دل، دماغ اور زندگی کی لکیروں کی بات نہیں کر رہی ہوں''۔ نجومی عورت نے کہا۔ ''یہ بتائیں، بچے کا ہاتھ کبھی جلا تو نہیں تھا''۔

''نہیں...... کبھی نہیں''۔

''آپ اپنا ہاتھ دیکھیں۔ یہ انگلیوں اور انگوٹھوں کے پوروں پر لکیروں کا ایک پیٹرن نظر آ رہا ہے نا...... یہ ڈیزائن ہر انسان کے ہاتھوں پر مختلف ہوتا ہے۔ یہ شناختی نشان ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کے ہاتھ پر ایک جیسا پیٹرن کبھی نہیں ملے گا۔ یہ خدا کی قدرت ہے''۔

چند لمحے خاموشی رہی...... سنگین، گمبھیر خاموشی۔ ڈیمین خود بھی اپنے ہاتھوں کو گھور رہا تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گڑبڑ کیا ہے۔

''آپ بچے کی انگلیوں کی پوروں کو دیکھیں۔ کتنی چکنی اور ہموار ہیں۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس کے فنگر پرنٹس کوئی نہیں لے سکتا''۔

کیتھی نے اور غور سے اپنے بیٹے کے ہاتھ کو دیکھا۔ اس بار وہ سمجھ گئی کہ نجومی عورت ٹھیک کہہ رہی ہے۔

''یہ کوئی بینک لوٹ لے تو اسے کوئی نہیں پکڑے گا''۔ نجومی عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر وہ ہنستی رہی۔ کیتھی الجھن میں لپٹی ہوئی خاموشی سے اپنے بچے کے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''تم اس کی قسمت کا حال بتاؤ گی پلیز''۔ کیتھی کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔

''ضرور۔ کیوں نہیں''۔

''تو وقت ضائع نہ کرو۔ ہم یہاں کچھ جاننے کیلئے آئے ہیں''۔

نجومی عورت پھر ننھے ڈیمین کے ہاتھوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

مگر اس لمحے باہر سے ایک چیختی ہوئی آواز ابھری۔ وہ آواز ڈیمین کی آیا چیسا کی تھی۔ اور آواز دور کی لگ رہی تھی۔ ''ڈیمین...... ڈیمین...... باہر آؤ ڈیمین۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے''۔

کیتھی اور نجومی عورت دونوں ٹھٹھک گئیں۔ اس پکار میں ایک ہذیانی چیخ چھپی تھی۔

''ڈیمین...... باہر آؤ اور دیکھو کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں''۔ باہر آیا چیسا پھر چلائی۔

کیتھی نے ڈیمین کو گود میں اٹھایا اور تیزی سے خیمے سے نکلی۔ باہر آ کر وہ رکی اور اس نے حویلی کی سمت دیکھا۔

وہ منظر دیکھ کر وہ بت بن کر رہ گئی!

چیسا چھت پر تنی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بہت موٹی رسی تھی اور وہ اسے ہلا ہلا کر دکھا رہی تھی کہ پھندا اسکے گلے میں ہے۔

نیچے لوگوں کا ہجوم تھا۔ آواز سن کر وہ سب پلٹ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔ البتہ کچھ نروس تھے۔ اور کچھ محظوظ ہو رہے تھے۔ کیونکہ چیسا اب بھی جوکر کے گیٹ اپ میں تھی۔ لگتا تھا، وہ کوئی تماشہ دکھانے والی ہے۔

چیسا چھت کے کنارے کی طرف چلی آئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے...... اس کرتب باز کے سے انداز میں، جو خود کو آگ لگا کر سوئمنگ پول میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہو رہا ہو۔

''ادھر دیکھو ڈیمین''۔ چیسا پھر چلائی۔ ''یہ میں تمہارے لئے کر رہی ہوں''۔

اور یہ کہتے ہی وہ چھت سے اتر گئی۔ اس کا جسم نیچے کی طرف لپکا، جس حد تک رسی نے اجازت دی۔ رسی ختم ہوئی تو اس کے جسم کو جھٹکا لگا۔ وہ ٹھہرا...... اور پھر بے جان ہو کر جھولنے لگا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ چیسا مر چکی تھی۔

لان میں تمام لوگ بت بنے کھڑے تھے۔ اوپر کم سن آیا کا بے جان جسم فضا میں معلق تھا اور جھول رہا تھا۔ پھر اچانک ایک چیخ گونجی...... اور وہ چیخ کیتھی کی تھی۔ بڑی مشکل سے کچھ لوگوں نے اسے خاموش کرایا اور اسے حویلی میں لے گئے۔

............x............

ننھا ڈیمین اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر لان میں جھانک رہا تھا۔ اب وہاں کام کرنے والوں اور پھیری والوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اور وہ سب سر اٹھائے اوپر دیکھ رہے تھے۔ جہاں ایک پولیس والا سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھ کر، رسی کاٹ کر لاش اتار رہا تھا۔ پھر وہ لاش کو سنبھال نہ سکا اور لاش سر کے بل گری۔

اب آیا چیسا کسی ٹوٹی پھوٹی گڑیا کی طرح مڑی تڑی پڑی تھی۔ بے جان آنکھیں جیسے آسمان کو تک رہی تھیں۔ اس کے سرخی سے لتھڑے ہوئے ہونٹوں پر لرزہ خیز مسکراہٹ تھی۔

............x............

چیسا کی تدفین سے پہلے کے چند دنوں میں آسمان سیاہ ہو گیا۔ بجلی کی کڑک کسی طوفان کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ کیتھی کا زیادہ وقت نیم تاریک نشست گاہ میں اکیلے بیٹھے خلاؤں میں گھورتے گزرا۔

کوروز کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرتے وقت چیسا کے خون میں الرجی کی دوا بینیڈرل کی بڑی مقدار موجود تھی۔ اس بات نے الجھن اور بڑھا دی۔ یہ بہت بڑا سوال بن گیا کہ اس نے خودکشی کیوں کی؟

رابرٹ تھورن اخبار نویسوں سے بچنے کے لئے گھر پر ہی وقت گزار رہا تھا۔ وہ کیتھی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے بتدریج برسوں پرانے ڈپریشن میں دوبارہ اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم اس واقعے کا کچھ زیادہ ہی اثر لے رہی ہو''۔ اس رات اس نے کیتھی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''سوچو، وہ ہمارے گھر کا فرد تو نہیں تھی''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’وہ ہمارے گھر کا فرد ہی تھی‘‘۔کیتھی نے دھیمی آواز میں کہا۔’’اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ زندگی بھر ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے‘‘۔

رابرٹ نے سر جھٹکا۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔’’تب میرا خیال ہے کہ اس نے ارادہ بدل لیا تھا‘‘۔اس نے کوشش کی تھی کہ اس کا لہجہ سرد نہ ہو۔لیکن لفظوں میں جو جارحیت تھی،اس کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

کیتھی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

’’آئی ایم سوری‘‘۔رابرٹ نے کہا۔’’دراصل تمہیں اس حال میں دیکھنا میرے لئے بہت اذیت ناک ہے‘‘۔

’’میں قصوروار ہوں رابرٹ‘‘۔کیتھی بولی۔’’میں ہی اس کی موت کی ذمے دار ہوں‘‘۔

’’کیا کہہ رہی ہو؟‘‘ رابرٹ حیران رہ گیا۔

’’ہاں......پارٹی میں کچھ ہوا تھا‘‘۔

رابرٹ نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔’’دل پر کوئی بوجھ ہے تو اتار دو‘‘۔

’’پارٹی میں وہ سب کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی‘‘۔کیتھی نے کہا۔’’میں حسد کا شکار ہوگئی۔میں نے ڈیمین کو اس سے دور کر دیا۔کیسی تنگ نظر ہوگئی تھی میں۔میں اس کے ساتھ توجہ نہیں بانٹنا چاہتی تھی۔میں ساری توجہ خود چاہتی تھی‘‘۔

’’تم اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو‘‘۔رابرٹ نے کہا۔’’میں سمجھتا ہوں کہ وہ لڑکی ذہنی مریض تھی‘‘۔

’’اگر توجہ کا مرکز بننے کی خواہش کرنا ذہنی مرض ہے تو میں بھی ذہنی مریض ہوں‘‘۔

وہ خاموش ہوگئی۔کہنے کو اور کچھ رہا نہیں تھا۔وہ رابرٹ کی بانہوں میں سمٹ گئی۔وہ اسے تھپکتا رہا۔یہاں تک کہ وہ سوگئی۔رابرٹ جانتا تھا کہ یہ ویسی نیند ہے،جیسی وہ برسوں پہلے لیتی تھی،جب وہ لبریم دوا لیتی تھی۔شاید چیسا کی موت کے شاک نے اسے پھر لبریم لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

اگلی صبح کیتھی نے چیسا کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ڈیمین کو وہ اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔تدفین ایک چھوٹے سے قبرستان میں ہوئی۔شرکا میں صرف چیسا کے رشتے دار،کیتھی،ڈیمین اور ایک بوڑھا پادری تھا۔پادری نے مسلسل ہونے والی بوندا باندی سے بچنے کے لئے اپنے سر پر اخبار پھیلایا ہوا تھا۔دوسرے ہاتھ میں مقدس کتاب لئے،وہ اس میں سے دعائیں پڑھ رہا تھا۔

پبلسٹی کے خوف سے رابرٹ تدفین میں شریک نہیں ہوا۔بلکہ اس نے تو کیتھی کو بھی روکنے کی کوشش کی تھی۔لیکن کیتھی کے لئے یہ شرکت ضروری تھی۔وہ مرنے والی سے محبت کرتی تھی۔آخری سفر کے لئے وہ اسے الوداع کیسے نہ کرتی۔

قبرستان کے باہر کچھ رپورٹرز جمع تھے۔قبرستان کے گیٹ پر دو امریکی فوجی موجود تھے،جنہوں نے انہیں اندر جانے سے روک دیا تھا۔انہیں رابرٹ نے عین وقت پر ایمبیسی سے بھیجا تھا۔

رپورٹرز میں حنیف بھی تھا۔وہ دور کے درختوں کے پاس کھڑا اپنے جادوئی لینس کے ذریعے تقریب کو دیکھ رہا تھا۔وہ لینس اتنا طاقت ور تھا کہ دور درخت پر ایک دوسرے سے لڑنے والی دو مکھیوں کے ہر ایکشن کو عکس بند کر سکتا تھا۔وہ کیمرے کی مدد سے ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔مرنے والی کے روتے ہوئے لواحقین،کیتھی تھورن جو کہ شاک کی حالت میں تھی اور بچہ جو بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اس وقت وہ بچہ ہی حنیف کی توجہ کا مرکز تھا۔اور لینس کے ذریعے اسے تکتے ہوئے وہ شٹر دبانے کے لئے کسی مناسب لمحے کا منتظر تھا۔

پھر وہ لمحہ آ ہی گیا!

بچے کے چہرے کے تاثرات بدلے۔اس نے پلکیں پٹ پٹائیں۔ایک پل کو وہ خوف زدہ لگا۔مگر اگلے ہی پل پرسکون ہوگیا۔یہ سب اس وقت ہوا،جب اس کی آنکھیں قبرستان کے دور افتادہ حصے میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں۔

تصویر کھینچتے ہی حنیف نے کیمرے کا رخ اس طرف کیا،جدھر بچہ دیکھ رہا تھا۔لیکن وہاں اسے قبر کے کتبوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔مگر وہ دیکھتا رہا۔بالآخر اسے تحرک دکھائی دیا۔ایک سیاہ دھبہ سا حرکت کرتا دکھائی دیا تھا۔

حنیف فوکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔بالآخر وہ اسے دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔وہ ایک بڑا اور سیاہ کتا تھا۔وہ ساکت بیٹھا آگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔حنیف کو افسوس ہوا کہ وہ بلیک اینڈ وائٹ فلم استعمال کر رہا ہے۔کیونکہ کتے کی زرد آنکھیں اجاگر ہوتیں تو وہ تصویر بہت ڈراؤنی ہوتی۔بہرحال اپرچر کو کھول کر کسی حد تک تاثر تو وہ اب بھی اجاگر کر سکتا تھا۔

اس کام سے نمٹا تو وہ مطمئن تھا۔وقت ضائع بہرحال نہیں ہوا تھا۔لیکن نجانے کیوں وہ کچھ بے چین تھا۔پہاڑی چوٹی سے اس نے دیکھا۔تابوت اب قبر میں اتارا جا رہا تھا۔اتنی دور سے بچہ اور کتا بہت چھوٹے نظر آ رہے تھے۔لیکن ان کے درمیان جو خاموش رابطہ تھا،وہ بالکل واضح تھا۔

............x............

اگلے روز پھر بارش ہوئی......اور مسز بے لاک کا نزول بھی!

مسز بے لاک آئرش تھی۔اس نے حویلی کا گیٹ کھولتے ہی اعلان کیا۔’’میں نئی آیا ہوں‘‘۔

گارڈ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔مگر وہ اسے جھڑک جھٹک کر اندر چلی گئی۔اس کا جارحانہ انداز توہین آمیز بھی تھا اور پرکشش بھی۔

’’میں جانتی ہوں کہ یہ وقت آپ لوگوں کے لئے دشوار ہے‘‘۔اس نے اپنا کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔وہ رابرٹ اور کیتھی سے مخاطب تھی۔’’آپ میری یہ بات یاد رکھیں۔جو کوئی بھی مرگلی آیا رکھتا ہے،وہ اپنے لیے مصیبت کو دعوت دے رہا ہوتا ہے‘‘۔

رابرٹ اور کیتھی کو اس کی خود اعتمادی نے گنگ کر دیا۔

’’آیا کو بھاری بھرکم ہونا چاہئے......میری طرح‘‘۔مسز بے لاک نے ہنستے ہوئے کہا۔’’یہ ہلکی پھلکی آیائیں تو بس ہفتے دو ہفتے کے لئے ہوتی ہیں‘‘۔

رابرٹ اور کیتھی بھی سحر زدہ سے بیٹھے تھے۔مسز بے لاک کے لئے بھاری بھرکم بھی بہت ہلکا لفظ معلوم ہوتا تھا۔

کوٹ اتار کر لٹکانے کے بعد مسز بے لاک نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا۔’’اب جلدی سے بتائیں،بچہ کہاں ہے؟‘‘

’’میں تمہیں لے چلتی ہوں‘‘۔کیتھی نے زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’میں چاہتی ہوں کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات میں کوئی مخل نہ ہو تاکہ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں‘‘۔

کیتھی کو حیرت ہوئی۔عجیب بدتمیز اور منہ پھٹ عورت ہے۔’’بچہ بہت شرمیلا ہے۔نئے لوگوں سے آسانی سے نہیں گھلتا ملتا‘‘۔

’’میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا‘‘۔

’’میں پھر کہوں گی......‘‘

’’آپ مجھے موقع تو دیں‘‘۔مس بے لاک نے کہا اور اپنا سوٹ کیس لے کر زینے کی طرف بڑھ گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔پھر رابرٹ اور کیتھی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔رابرٹ نے تائید میں سر ہلایا۔لیکن اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی۔’’بہرحال......یہ عورت مجھے اچھی لگی‘‘۔اس نے کہا۔

’’مجھے بھی‘‘۔

’’یہ تمہیں ملی کہاں؟‘‘

’’مجھے......؟یہ مجھے ملی ہے؟‘‘کیتھی نے حیرت سے کہا۔

’’تو اور کیا؟‘‘

’’میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ تمہاری دریافت ہے‘‘۔

ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد رابرٹ نے پکارا۔’’مسز بے لاک‘‘۔

اتنی دیر میں مسز بے لاک دوسری منزل کی لینڈنگ پر پہنچ چکی تھی۔اس نے وہاں سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔’’یس مسٹر تھورن؟‘‘

’’معاف کرنا۔تم نے ہمیں کنفیوز کر دیا ہے‘‘۔

’’وجہ؟‘‘

’’تم یہاں آئیں کیسے؟‘‘

’’ٹیکسی سے اور ٹیکسی میں نے واپس بھیج دی ہے‘‘۔

’’میرا یہ مطلب نہیں تھا۔تمہیں یہاں بھیجا کس نے ہے؟‘‘

’’ایجنسی والوں نے‘‘۔

’’آپ کی ایجنسی والوں نے اخبار میں خبر پڑھی کہ آپ کے بچے کی آیا مر گئی ہے۔چناں چہ انہوں نے دوسری آیا بھیج دی‘‘۔

رابرٹ کو یہ بات کچھ غیر فطری لگی۔لیکن لندن میں بے روزگاری کی گھمبیر صورت حال کے پیش نظر بات سمجھ میں آتی تھی۔’’بہت ہی زبردست کارکردگی ہے‘‘۔وہ بڑبڑایا۔

’’میں ایجنسی فون کر کے تصدیق کروں؟‘‘کیتھی نے پوچھا۔

’’جی ہاں ضرور۔اور اس دوران آپ چاہیں تو میں باہر بارش میں انتظار کر سکتی ہوں‘‘۔

’’نہیں۔اس کی ضرورت نہیں‘‘۔

’’میں آپ کو کوئی غیر ملکی ایجنٹ لگتی ہوں؟‘‘مسز بے لاک نے پوچھا۔

’’نہیں۔میں ایسا نہیں سمجھتا‘‘۔رابرٹ نے لطف لینے والے انداز میں کہا۔

’’اتنے یقین سے نہ کہیں‘‘۔مسز بے لاک کا انداز بھی مزاحیہ ہوگیا۔’’کون جانے،میرے سوٹ کیس میں ٹیپ ریکارڈر چھپے ہوں۔اپنے گارڈ سے کہیں کہ تلاشی تو لے لے‘‘۔

رابرٹ اور کیتھی ہنسنے لگے۔مسز بے لاک بھی ہنس رہی تھی۔

’’تم جاؤ۔چیکنگ ہم بعد میں کرالیں گے‘‘۔رابرٹ نے کہا۔

رابرٹ اور کیتھی ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔کیتھی نے ایجنسی فون کر کے مسز بے لاک کے بارے میں معلوم کیا۔وہاں سے بتایا گیا کہ مسز بے لاک ایک بے حد تجربہ کار آیا ہے۔اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے والے بڑے اور اہم لوگ ہیں۔الجھن صرف اتنی تھی کہ ایجنسی کے ریکارڈ کے مطابق مسز بے لاک ان دنوں روم میں ملازمت کر رہی تھی۔بہرحال یہ ممکن ہے کہ صورت حال ابھی حال ہی میں تبدیل ہوئی ہو۔ایجنسی والوں نے کہا کہ اسے یقیناً منیجر نے بھیجا ہوگا۔وہ دو ہفتے کی چھٹی پر ہے۔اس کے آنے کے بعد اس سے تصدیق کرا دی جائے گی۔

کیتھی نے ریسیور رکھنے کے بعد رابرٹ کی طرف دیکھا۔رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔بہرحال وہ دونوں ہی خوش تھے کہ ایک بڑا مسئلہ بیٹھے بٹھائے حل ہوگیا۔یہ اور اچھی بات تھی کہ اپنے عجیب طرز عمل کے ساتھ مسز بے لاک زندگی سے بھرپور عورت تھی۔اور ان کے گھر کو ایسی ہی عورت کی ضرورت تھی۔

اوپر مسز بے لاک کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اوجھل ہو چکی تھی۔وہ اب دھندلائی ہوئی آنکھوں سے سوتے ہوئے بچے کو بغور دیکھ رہی تھی۔اس کی تھوڑی کھڑکی کے چھجے پر ٹکی تھی۔وہ شاید بارش دیکھتے دیکھتے سو گیا تھا۔

مسز بے لاک مسحور ہو کر وارفتہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کی سانسوں کی آواز سے بچے کی آنکھ کھلی۔دونوں کی آنکھیں ملیں۔بچے کے جسم میں اینٹھن سی دکھائی دی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ تن کر بیٹھ گیا۔

''ڈرو نہیں ننھے بچے......'' مسز بے لاک نے محبت بھری سرگوشی میں کہا۔ ''میں یہاں تمہاری حفاظت کے لئے آئی ہوں''۔

باہر بجلی کا ایک زبردست کڑاکا ہوا۔ پھر بارش شروع ہوگئی، جو دو ہفتے تک جاری رہی۔

............x............

معمول سے زیادہ بارش کے نتیجے میں انگلستان کے مضافاتی علاقے نباتاتی زندگی سے دھڑک اٹھے۔ جولائی آتے آتے پری فورڈ سبزے سے لہلہا اٹھا۔ لان کے عقب میں واقع جنگل بہت زیادہ گھنا ہوگیا۔ ایسے میں حیوانی زندگی خوب پنپتی ہے۔ ہورٹن کو ڈر تھا کہ اب خرگوش اپنی پناہ گاہوں سے نکلیں گے اور لان پر حملہ آور ہوں گے۔ چناں چہ اس نے ان کے لئے جگہ جگہ جال بچھا دیے۔ رات کی تاریکی میں ان کی چیخوں سے سناٹا مجروح ہونے لگا۔

پھر کیتھی کے منع کرنے پر ہورٹن نے جال بچھانا چھوڑ دیا۔ مگر وجہ صرف کیتھی کا منع کرنا نہیں تھی۔ اصل میں وہ زد میں آئے ہوئے خرگوشوں کو لانے کیلئے جنگل میں داخل ہونے سے ڈرنے لگا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ جھاڑیوں کے عقب سے اسے دیکھا جا رہا ہے۔

اس نے یہ بات اپنی بیوی کو بتائی تو وہ ہنس دی۔ ''ارے......وہ ہنری پنجم کا بھوت ہوگا''۔ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا

لیکن ہورٹن بہت سنجیدہ تھا۔ ''کچھ بھی ہو۔ اب میں جنگل میں کبھی نہیں گھسوں گا''۔ اس نے کہا۔

یہی وجہ تھی کہ جب نئی آیا مسز بے لاک نے ڈیمین کو جنگل میں لے جانا شروع کیا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اور مسز بے لاک ڈیمین کے ساتھ کئی گھنٹے جنگل میں گزارتی تھی۔ وہاں دلچسپی کی ایسی کون سی چیز ہے، یہ سوچ کر ہورٹن متوحش ہوتا رہتا تھا۔

پھر ایک دن کپڑے دھونے میں اپنی بیوی کا ہاتھ بٹاتے ہوئے ہورٹن کو ننھے ڈیمین کے کپڑوں میں الجھے ہوئے کئی لمبے بال ملے، جو یقیناً کسی جانور کے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیمین کسی جانور سے کھیلتا رہا ہے۔

ہورٹن کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ لیکن پری فورڈ میں ایسے واقعات تو ابھی اور ہونے تھے۔

ایک بات یہ تھی کہ کیتھی اب اپنے بچے کو بہت کم وقت دے رہی تھی۔ چناں چہ بچے کے معاملات پر نئی آیا پوری طرح چھا گئی تھی۔ تاہم اس سے انکار ممکن نہیں تھا کہ مسز بے لاک ایک بے حد اہل گورنس ہے۔ اور اس نے بچے کا دل جیت لیا تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ ڈیمین مسز بے لاک سے بہت محبت کرتا ہے۔ لیکن یہ بات بہرحال پریشان کن بھی تھی اور غیر فطری بھی کہ وہ آیا کی قربت کو اپنی ماں کی قربت پر ترجیح دیتا تھا۔ یہ بات تمام ملازمین نے محسوس کر لی تھی......اور وہ اس پر بات چیت بھی کرتے تھے۔ انہیں اپنی مالکن پر ترس آتا تھا، جس کا جائز حق ایک ملازمہ کو مل گیا تھا۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ مسز بے لاک کی چھٹی کرا دیتے۔ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ آیا کا اثر و نفوذ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔

یہ بات کیتھی نے بھی محسوس کی تھی۔ مگر وہ بے بس تھی۔ ایک بار حسد کا شکار ہو کر اس نے اپنے بچے کے لئے کسی اور کی محبت میں مداخلت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں بے چاری چیسا زندگی سے محروم ہوگئی تھی۔ اب وہ یہ حماقت دوسری بار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اب ڈیمین سے اس کی کوئی اور محبت نہیں چھیننا چاہتی تھی۔

مسز بے لاک کو آئے ہوئے دو ہفتے ہوئے ہوں گے کہ اس نے اپنی اقامت تبدیل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ بیس منٹ میں رہتی تھی۔ لیکن اب وہ اوپر، ڈیمین کے کمرے کے عین سامنے والے کمرے میں منتقل ہونا چاہتی تھی۔ اس نے کیتھی سے پوچھا تو کیتھی نے اجازت دے دی۔

کیتھی خود ایک قدامت پسند گھرانے میں پلی بڑھی تھی۔ وہاں بچے کی پرورش، اس کی نگہداشت اور تربیت صرف اور صرف ماں کی ذمے داری تھی......لیکن کیتھی جانتی تھی کہ یہاں ماحول مختلف ہے۔ اسے شوہر کا نہ صرف گھر میں، بلکہ ضرورت پڑنے پر گھر سے باہر بھی ساتھ دینا ہے۔ چناں چہ اس نے اپنے بچے کے معاملے میں خود کو اور پیچھے ہٹا لیا۔

اس نئی آزادی اور اس کے نتیجے میں ملنے والی فرصت کو وہ بڑے سلیقے سے استعمال کر رہی تھی۔ اس طرح کہ اس کا شوہر اس سے بہت خوش تھا۔ صبح کے وقت وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیتی۔ شام سیاسی ٹی پارٹیوں کے نام تھی۔ اب وہ خوب صورت، نازک طبع اور تنہائی پسند عورت نہیں تھی۔ اب وہ توانائی سے لبریز پراعتماد بیوی تھی، جو اپنے شوہر کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ رابرٹ تھورن بہت خوش تھا۔ وہ یہی کچھ تو چاہتا تھا۔ لیکن کبھی اسے ایسا لگتا کہ یہ تبدیلی بے سبب نہیں۔ اور اس کا سبب کوئی اچھا نہیں۔ بلکہ پریشان کن ہے۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا یہ خیال خطرناک حد تک درست ہے۔

رابرٹ تھورن بے حد مصروف زندگی گزار رہا تھا۔ اسے تیل کے بحران سے نمٹنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔ اس سلسلے میں اسے سعودی عرب کے شیوخ سے سرکاری نوعیت کی ملاقاتیں کرنی تھیں۔ صدر امریکا کو اس سے بڑی امیدیں تھیں۔ سعودی عرب کے بعد اسے ایران کا دورہ کرنا تھا۔ اور ان دوروں میں اسے تنہا جانا تھا۔ کیونکہ سفارتی دورے میں بیوی کی موجودگی عربوں کے نزدیک کمزوری کی دلیل ہوتی۔

اس نے یہ بات کیتھی کو بتائی تو اسے حیرت ہوئی۔ ''میری سمجھ میں تو نہیں آئی یہ بات''۔

''یہ ان کی معاشرت کے لحاظ سے ہے۔ ان کا طرز فکر ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اب میں ان کے ملک جا رہا ہوں۔ تو مجھے اس کا خیال رکھنا ہوگا''۔

''انہیں تمہارا خیال نہیں رکھنا چاہئے؟'' کیتھی نے تیز لہجے میں کہا۔

''ایسی بات نہیں۔ وہ خیال کرتے......''

''تو میں کوئی ثقافتی شے ہوں''۔

''کیتھی......''

کیتھی نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں نے ان شیوخ کو دیکھا ہے۔ ان کے حرم بھی دیکھے ہیں۔ وہ کہیں بھی جائیں، کسی نہ کسی کو پسند کر لیتے ہیں۔ ان کے حرم میں ایک اور عورت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو کیا وہ تم سے بھی یہی چاہیں گے''۔

''نہیں بھئی''۔ رابرٹ نے اسے ٹالنا چاہا۔ رات بہت ہو چکی تھی اور وہ جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔

''تم مجھے بہلا رہے ہو''۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ دورہ بہت اہم ہے''۔

''اور اس اہمیت کے پیش نظر اگر وہ تم سے عیاشی کو کہیں گے تو تم انکار نہیں کرو گے؟''

رابرٹ کا تحمل جواب دینے لگا۔ ''ہماری غرض اتنی بڑی ہے کہ وہ کچھ بھی کہیں، میں مان لوں گا۔ میں انکار نہیں کر سکتا''۔

کیتھی چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ ''اور اس تصویر میں، میں کہاں ہوں؟''

''اپنے مقام پر! یہاں! تم جو کچھ کر رہی ہو، وہ بھی اتنا ہی اہم ہے''۔

''پھر وہی بہلانے کی کوشش......''

''میں تمہیں بہلا نہیں رہا، سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں......''

''یہی نا کہ تم ان کی ہر بات مان لو گے۔ نہ مانے تو یہ بے چاری دنیا تباہ ہو جائے گی۔ تم مجبور ہو''۔

''ایک حد تک یہ سچ ہے۔ اپنے قومی مفادات کی خاطر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

کیتھی اسے گھورتی رہی۔ اس کی نگاہوں میں اتنی سختی، اتنی نفرت تھی کہ رابرٹ دہل گیا۔ ’’میرے خیال میں تم ان کا کھلونا ہو اور میں تمہارا کھلونا ہوں۔ چلو......بس اب سو جاؤ‘‘۔

رابرٹ نے دانستہ باتھ روم میں زیادہ دیر لگائی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ باہر آئے گا تو کیتھی سو چکی ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ جاگ رہی تھی اور اس کی منتظر تھی۔ اس کے انداز میں محبت تھی......درگزر تھا۔ ’’سوری رابرٹ‘‘ اس نے کہا ’’میں تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں۔ بس تم سے دور رہنے کا خیال مجھے ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے‘‘۔

’’تم جانتی ہو۔ میرا بھی یہی حال ہے‘‘۔ رابرٹ نے کہا۔

مگر رابرٹ کو چند لمحے بعد اندازہ ہوگیا کہ کیتھی کی محبت میں محبت کم اور جارحیت بہت......بہت زیادہ ہے۔ اسے ہر ہر پل توہین کا احساس ہوتا رہا۔

کیتھی تو سوگئی۔ مگر رابرٹ کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس جا بیٹھا۔ وہ پورے چاند کی رات تھی۔ اس کھڑکی سے جنگل دکھائی دیتا تھا۔ رابرٹ جنگل کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ پورا منظر ساکت تھا......جیسے جنگل سو رہا ہو۔

لیکن اس سکوت، اس عدم تحرک کے باوجود اسے ایسا لگا، جیسے جنگل اسے گھور رہا ہو۔ قریب ہی دوربین رکھی تھی۔ جو پرندوں کے دیکھنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔ رابرٹ نے دوربین اٹھائی اور آنکھوں سے لگالی۔

شروع میں تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پھر اسے دو دہکتے ہوئے کوئلے سے نظر آئے۔ جن پر چاندنی منعکس ہورہی تھی۔ وہ زرد آنکھیں حویلی ہی کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ اس کے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ اس نے دوربین ہٹادی۔

پھر وہ باہر نکلا اور زینے کی طرف چل دیا۔ لان عبور کرکے وہ گیٹ کی طرف بڑھا، جو جنگل کی جانب کھلتا تھا۔ وہ گیٹ سے نکل کر آگے بڑھا۔ وہ ننگے پاؤں ہی نکل آیا تھا۔ وہاں گہرا سناٹا تھا۔ جھینگر تک کی آواز نہیں تھی۔ اور کوئی کشش اسے جنگل کی طرف کھینچ رہی تھی۔

جنگل کی سرحد پر رک کر اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی۔ ایک پل کو دہکتے ہوئے کوئلوں جیسی وہ زرد آنکھیں اسے نظر آئیں۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ غائب ہوگئیں۔

وہ پلٹا، اسی لمحے اس کا پاؤں کسی نرم اور گیلی چیز سے مس ہوا۔ وہ گھبرا کر ہٹا اور ایک طرف جھکا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ چاندنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک مردہ خرگوش تھا......سر کٹا خرگوش۔ اس کا جسم ابھی گرم تھا۔ جہاں اس کا سر رہا ہوگا، وہاں کی زمین خون سے رنگین ہورہی تھی۔

اگلے صبح رابرٹ جلدی جاگا اور اس نے ہورٹن سے استفسار کیا۔ ’’کیا تم اب بھی خرگوش کے لئے جال بچھا رہے ہو‘‘۔

’’جی نہیں‘‘۔ ہورٹن نے جواب دیا۔

رابرٹ اسے اپنے ساتھ وہاں لے گیا۔ جہاں رات اس نے سربریدہ خرگوش دیکھا تھا۔ اب وہاں خرگوش کا محض ڈھانچا تھا۔ اس کا گوشت کھایا جاچکا تھا۔ ڈھانچے پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ہورٹن نے ہاتھ ہلا کر مکھیوں کو اڑایا اور جھک کر ڈھانچے کا جائزہ لیا۔

’’کیا خیال ہے تمہارا؟‘‘ رابرٹ نے اس سے پوچھا۔ ’’کیا اس جنگل میں کوئی درندہ آگیا ہے؟‘‘

’’کچھ کہہ نہیں سکتا جناب۔ لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں ہے‘‘۔ ہورٹن نے کہا۔ پھر اس نے مردہ خرگوش کی طرف اشارہ کیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بدمزگی تھی ''درندے بھوک کے لئے شکار کرتے ہیں اور وہ سر چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ آپ نے رات کو دیکھا، خرگوش کا دھڑ سلامت تھا اور سر غائب تھا۔ اس خرگوش کو جس نے بھی مارا ہے۔ اپنے نفس، اپنے باطن کی لذت کے لئے مارا ہے۔ تفریح کے لیے''۔

''اس کی لاش کہیں دور پھینک دو۔ اور گھر میں کسی سے تذکرہ نہ کرنا'' واپسی کے دوران رابرٹ نے ہورٹن سے کہا۔

گیٹ پار کر کے وہ مختلف سمتوں میں چل دیئے۔ اچانک ہورٹن رکا اور پلٹا۔ ''سر، یہ جنگل مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اور مجھے یہ بھی نامناسب لگتا ہے کہ مسز بےلاک آپ کے بیٹے کو اس جنگل میں لے کر جائے''۔

''تو تم اسے منع کر دینا۔ تفریح کیلئے یہ اتنا برا لان کم تو نہیں''۔ رابرٹ نے کہا۔

اس شام ہورٹن نے مسز بےلاک کو ٹوک دیا۔ تب اس رات رابرٹ تھورن کو پہلی بار ایسا لگا کہ اس کے گھر میں کوئی کمی ہے۔ اس رات مسز بےلاک اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

وہ بہت غصے میں تھی۔ ''میں اسے پسند نہیں کرتی کہ مجھے کسی دوسرے ملازم کی زبانی کوئی حکم ملے۔ اور یہ بات نہیں کہ میں نافرمان ہوں۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ میرے لئے جو بھی حکم ہو، مجھے براہ راست دیا جائے''۔ اس کا انداز جارحانہ تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے''۔ رابرٹ تھورن نے بے پروائی سے کہا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مسز بےلاک کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھی تھیں۔

''ایک بڑے گھر اور ایک عام گھر میں یہی تو فرق ہوتا ہے مسٹر تھورن۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہاں انچارج کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ گھر مرکزیت سے محروم ہے مسٹر تھورن''۔ یہ کہہ کر وہ پلٹی اور کمرے سے چلی گئی۔

رابرٹ اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہاں تک گھر کا تعلق تھا تو کیتھی یہاں انچارج تھی۔ لیکن وہ خود زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا تھا۔ تو کیا مسز بےلاک اسے یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہے کہ جیسا نظر آ رہا ہے، حقیقت میں ویسا نہیں ہے۔ یہاں کے معاملات کیتھی کے قابو میں نہیں ہیں۔ یا کیتھی یہاں کے معاملات سے بےتعلق ہو گئی ہے۔

............x............

اپنے ڈربے نما فلیٹ میں حنیف جاگ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ڈارک روم میں تھورن فیملی کی تصویریں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اس نے ابھی آیا چیسا کی تدفین والی تصویروں کے پرنٹ نکالے تھے۔ قبروں کے کتبوں کے درمیان کتے کا کلوز اپ تھا۔ پھر تھورن کے بیٹے کا کلوز اپ تھا۔ سالگرہ کی تقریب کی تصویریں الگ تھیں۔ کیتھی آیا کو دیکھ رہی ہے۔ آیا چیسا الگ تھلگ...... اکیلی کھڑی ہے جوکر کے کاسٹیوم میں۔

یہ آخری تصویر حنیف کے لئے بےحد پرکشش تھی۔ کیونکہ اس تصویر میں آیا کے سر سے ذرا اوپر ایک عجیب سا دھبہ تھا۔ شاید وہ کوئی تیکنیکی خامی تھی۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ بعد کے المیے کی علامت تھی...... نشانی اس موت کی۔ شاید وہ رنگوں کی پروسیسنگ میں کسی گڑبڑ کی وجہ سے تھی، جس کے نتیجے میں آیا چیسا کے سر اور گردن کے گرد موہوم سی دھند کا ایک ہالہ سا بن گیا تھا۔ عام طور پر ایسی نقص والی تصاویر کو وہ ردی قرار دے کر پھینک دیتا تھا۔ یا تلف کر دیتا تھا۔ لیکن یہ تصویر اس نے محفوظ کر لی تھی۔ کیونکہ اس کے کھینچے جانے کے بعد جو المیہ رونما ہوا تھا، اس نے اس دھبے کو، اس ہالے کو علامتی رنگ دے دیا تھا۔ جیسے وہ دھبہ دھبہ نہ ہو، نحوست کا...... تباہی کا سایہ ہو۔

اور آخری تصویر آیا چیسا کی رسی سے جھولتی ہوئی لاش کی تھی۔ واقعات کے تسلسل کو انجام تک پہنچانے والی ہولناک حقیقت! سچ تو یہ ہے کہ تھورن فیملی سے متعلق وہ تصاویر کسی ڈراؤنی فلم کی اسٹلز لگتی تھیں۔ اور حنیف اس پر خوش تھا۔ اس نے ایک مثالی گھرانے کو اپنا سبجیکٹ بنایا تھا اور ان میں چھپا ہوا غیر معمولی پن اجاگر کیا تھا۔ ایسا غیر معمولی پن جو ان لوگوں میں کسی اور کو کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ اور اب اس نے ان پر ریسرچ بھی شروع کر دی تھی۔ امریکا میں اپنے ایک رابطے کو اس نے تھورن فیملی کا بیک گراؤنڈ معلوم کرنے اور ایسی معلومات فراہم کرنے پر مامور کیا تھا، جو اخبار نویسوں تک سے پوشیدہ ہوں۔

اب وہ معلومات اسے حاصل ہو گئی تھیں!

اسے پتا چل گیا تھا کہ کیتھی کا تعلق ایک جلاوطن روسی فیملی سے تھا، جس نے امریکا میں سیاسی پناہ حاصل کی تھی۔ اس کے باپ نے ایک آفس بلڈنگ کی چھت سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی تھی۔ اس کی موت کے ایک ماہ بعد کیتھی پیدا ہوئی۔ اور ایک سال بعد اس کی ماں دوسری شادی کر کے نیو ہمپشائر چلی آئی۔ اس کے دوسرے شوہر نے کیتھی کو اپنا نام دیا۔

گزشتہ چند برسوں میں کیتھی نے جتنے بھی انٹرویو دیئے تھے، ان میں اس نے کبھی اپنے سوتیلے باپ کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ حنیف کا اندازہ تھا کہ اس حقیقت کا شاید خود کیتھی کو بھی علم نہیں ہوگا۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لیکن اس کے نتیجے میں اسے ضرورت پڑنے پر کیتھی پر بالادستی حاصل ہو سکتی تھی۔

بہرحال اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ صحیح راستے پر چل رہا ہے۔

ابھی تک اس کے پاس خود رابرٹ تھورن کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ تاہم اسے امید تھی کہ اگلے روز آل سینٹس چرچ میں ہونے والی شادی میں اسے یہ موقع بھی مل جائے گا۔ یہ یقینی تھا کہ رابرٹ تھورن اس شادی میں شرکت کرے گا۔ وہ مقام حنیف کے نکتہ نظر سے آئیڈیل نہیں تھا۔ لیکن اب تک خوش قسمتی نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ آگے بھی یہ سلسلہ چلے گا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

شادی کی تقریب سے پہلے رابرٹ تھورن نے ایمبیسی میں اپنے معمول کے تمام کام چھوڑ دیے۔ ہفتے کے روز کام کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔اس کے بجائے وہ کیتھی کو ایک لمبی مضافاتی ڈرائیو پر لے گیا۔ وہ کیتھی کے ساتھ اپنے پچھلے تنازعے کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔اس لئے وہ کیتھی کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا کہ معاملات میں کہاں اور کس نوعیت کی خرابی ہے۔

اس کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ کیونکہ گزشتہ کئی ماہ میں وہ پہلا موقع تھا کہ کیتھی پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے رابرٹ کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور گردوپیش کی خوب صورتی میں کھوئی ہوئی تھی۔

دوپہر کو انہوں نے کنگ لیئر کا میٹنی شو دیکھا۔ ڈراما کیتھی پر بہت اثر انداز ہوا۔اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ رہے تھے۔ پھر اپنے بچے کی موت پر لیئر کا وہ دکھ بھرا مکالمہ آیا ...... کتے سانس لے رہے ہیں، چوہے سانس لے رہے ہیں، پھر ایسا کیوں ہے میرے بچے کہ تمہاری سانسوں کی ڈور ٹوٹ گئی ہے...... اور کیتھی کو اپنے اندر کوئی نازک سی چیز ٹوٹتی محسوس ہوئی...... اور وہ باقاعدہ رونے لگی۔

رابرٹ نے اسے خود سے قریب کیا اور اسے تھپکنے لگا۔

وہ باہر نکلے اور دوبارہ کار میں آ بیٹھے۔ کیتھی نے مضبوطی سے رابرٹ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ڈرامے کی جذباتیت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی قربت پیدا کر دی تھی، جس سے وہ گزشتہ کئی مہینوں میں محروم رہے تھے۔

وہ ایک چشمے کے پاس رکے۔ کیتھی کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔ دلوں کی قربت کے ان لمحوں میں وہ اپنے خوف کے متعلق باتیں کر رہی تھی...... ڈیمین کو کھو دینے کا خوف۔

''اگر ڈیمین کو کچھ ہو گیا تو میں جی نہیں سکوں گی'' اس نے کہا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا کیتھی'' رابرٹ نے اسے یقین دلایا ''زندگی اتنی بے رحم نہیں ہوتی''

وہ ایک اونچے درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ کیتھی چشمے پر نظریں جمائے سرگوشی میں بول رہی تھی۔ ''میں...... میں بہت خوفزدہ ہوں''۔

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں''۔

اب وہ ایک ٹڈے کو دیکھ رہی تھی، جو گھاس پر ادھر سے ادھر پھدکتا پھر رہا تھا۔

''تمہیں خوف کس بات کا ہے؟''

''میں ہر چیز سے خوف زدہ ہوں۔ کون سی ایسی چیز ہے، جس سے ڈر نہ لگے''۔

رابرٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ لیکن بولا کچھ نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کیتھی وضاحت کرے۔

''مجھے ہر اچھی چیز کا خوف ہے کہ وہ کھو جائے گی، مٹ جائے گی۔ مجھے ہر بری چیز کا خوف ہے۔ کیونکہ میں اس کے مقابلے میں کمزور ہوں اور ہار جاؤں گی۔ مجھے تمہاری کامیابی سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ناکامی میں بدل جائے گی اور مجھے خوف ہے کہ نہ تمہاری کامیابی میں میرا کچھ دخل ہے، نہ میں تمہیں ناکامی سے بچا سکتی ہوں۔ اور مجھے ڈر ہے کہ تم امریکہ کے صدر بن جاؤ گے۔ اور تمہاری بیوی خاتون اول کے منصب کی اہل نہیں ہوگی۔''

''اب بھی تم تقریباً وہی ذمہ داریاں نبھا رہی ہو...... اور بڑی خوب صورتی سے نبھا رہی ہو''۔

''لیکن مجھے ان ذمہ داریوں سے نفرت ہے''۔

بات بہت سادگی سے، بڑی سچائی سے کہی گئی تھی۔ اور وہ پہلا موقع تھا کہ کیتھی نے اس طرح کھل کر اظہار کیا تھا۔ اس سے ان کے درمیان اچھی فضا پیدا ہو گئی تھی۔

''تمہیں شاک نہیں لگا یہ سن کر''؟ کیتھی نے پوچھا۔

''کچھ لگا تو ہے۔ مگر زیادہ نہیں'' رابرٹ نے جواب دیا۔

''تم جانتے ہو، مجھے اپنے اور تمہارے باہمی تعلق کے ساتھ کیا کچھ پسند ہے''؟

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں چاہتی ہوں کہ ہم امریکہ واپس چلے جائیں''۔

رابرٹ گھاس پر لیٹ گیا اور درخت کے پتوں کو تکنے لگا۔

''میں وہاں جانا چاہتی ہوں'' جو ہمارا اصل گھر ہے۔ جہاں مجھے تحفظ کا احساس ہو''۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ کیتھی نے رابرٹ کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔

''اور مجھے سب سے زیادہ تحفظ کا احساس تمہاری قربت میں ہوتا ہے''۔ چند لمحے بعد کیتھی نے کہا۔

''ہاں۔ میں سمجھتا ہوں''

کیتھی نے آنکھیں موندلیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ''یہ نیوجرسی ہے۔ ہے نا؟'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''اور ہمارا چھوٹا سا فارم...... پہاڑی کے اوپر۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہم یہیں رہیں گے نا؟''

''یہ بہت اونچی پہاڑی ہے کیتھی''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میں جانتی ہوں۔ جانتی ہوں کہ ہم کبھی اسے عبور نہیں کر سکیں گے۔''

اسی وقت ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ درخت کے پتے جیسے کھلکھلا کر ہنس دیے۔ چھن کر آتی ہوئی دھوپ ان کے چہروں پر تھرکنے لگی۔

''ممکن ہے، ڈیمین اسے عبور کر لے'' رابرٹ نے کہا۔ ''کون جانے، اس میں ایک شاندار کاشت کار چھپا ہو''۔

''اس کا کوئی امکان نہیں۔ وہ خالص تمہارا بیٹا ہے...... سر سے پاؤں تک''۔

رابرٹ نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ درخت کے پتوں کو تکتا رہا۔

''ایک بات بتاؤں...... عجیب سی بات۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

رابرٹ کہنی کے بل اٹھا اور اس نے کیتھی کے چہرے کو بہت غور سے دیکھا۔ وہاں اداسی ہی اداسی تھی۔ ''یہ بات کیوں کہی تم نے؟''

اس نے کندھے جھٹک دیے، جیسے کہہ رہی ہو کہ اس بات کی وضاحت کرنا اس کیلئے بہت مشکل ہے۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''وہ بے حد خود کفیل بچہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں اسے کسی کی ضرورت نہیں''۔

''کیا واقعی ایسا لگتا ہے؟''

''جیسے ایک بچے کو اپنی ماں سے وابستگی ہوتی ہے، اسے مجھ سے ذرا بھی نہیں ہے۔ ایک بات بتاؤ رابرٹ، تم اپنی ماں سے بہت قریب نہیں تھے کیا؟''

''میں تو تھا''۔

''اور اپنی بیوی سے؟''

ان کی آنکھیں ملیں۔ رابرٹ نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ سہلایا۔ ''تم جانتی ہو کہ میرے لئے تم کتنی اہم ہو۔ تمہارے بغیر میں کچھ بھی نہیں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’میں چاہتی ہوں، سب کچھ ایسا ہی رہے جیسا اس وقت ہے۔ میں چاہتی ہوں، وقت یہیں ٹھہر جائے‘‘ کیتھی نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

’’جانتی ہو کیتھی، جب میں پہلی بار تم سے ملا تو میں نے سوچا، دنیا میں تم سے خوبصورت کوئی ہو ہی نہیں سکتا‘‘۔

وہ مسکرائی...... جیسے وہ لمحہ اسے بھی یاد آ گیا ہو۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’اور کیتھی، یقین کرو۔ میں آج بھی یہی سمجھتا ہوں‘‘۔ رابرٹ نے رومان انگیز لہجے میں سرگوشی کی۔

’’میں تم سے محبت کرتی ہوں رابرٹ تھورن‘‘۔

’’میں بھی۔ اور تم یہ بات جانتی ہو‘‘۔

کیتھی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ’’میں نہیں چاہتی کہ اب تم مجھ سے کبھی کوئی بات کرو۔ بس میں تمہاری یہ بات ہمیشہ کیلئے اپنی سماعت میں محفوظ رکھنا چاہتی ہوں‘‘۔

پھر جب ان کی آنکھیں کھلیں تو اندھیرا ماحول پر چھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

............x............

اس رات وہ پری فورڈ واپس آئے تو سب سو چکے تھے۔ انہوں نے آتش دان دہکایا اور نرم چرمی کاؤچ پر بیٹھ گئے۔

’’کیا وائٹ ہاؤس میں بھی ہم یہ سب کر سکیں گے؟‘‘ کیتھی نے پوچھا۔

’’یہ سوال بہت قبل از وقت ہے‘‘۔ رابرٹ نے جواب دیا۔

’’پھر بھی مجھے جواب دو‘‘۔

’’کوئی وجہ نہیں کہ ہم وائٹ ہاؤس میں بھی ایسے نہ رہ سکیں‘‘۔

اس بار بھی ان کی قربت میں کیتھی کی جارحیت غالب تھی۔

............x............

اگلی صبح روشن تھی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ نو بجے تک رابرٹ شادی کی تقریب کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ زینے کے پاس آ کر اس نے کیتھی کو پکارا۔

’’ابھی تو میں تیار نہیں ہوئی ہوں‘‘۔ اوپر سے کیتھی کا جواب آیا۔

’’ہم لیٹ ہو جائیں گے‘‘۔

’’مجھے بھی یہی لگتا ہے‘‘۔

’’تم جانتی ہو۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ ہمارے انتظار میں تقریب ہی لیٹ کر لیں۔ اور یہ شرمندگی کی بات ہوگی۔ کوشش تو کرو کہ ہم وقت پر پہنچ جائیں‘‘۔

’’میں کوشش کر رہی ہوں‘‘۔

’’ڈیمین تیار ہو گیا ہے؟‘‘

’’شاید ہو گیا ہو‘‘۔

’’میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا‘‘۔

’’اچھا...... مسز ہورٹن سے کہو کہ ہمارے لیے کچھ ٹوسٹ بنا دیں‘‘۔

’’مجھے بھوک نہیں ہے‘‘۔

’’لیکن مجھے تو ہے‘‘۔

’’اچھا...... تم جلدی کرو‘‘۔

باہر ہورٹن نے گاڑی لا کر پورچ میں کھڑی کر دی تھی۔ رابرٹ نے اسے اشارے سے بتایا کہ چند منٹ اور لگیں گے۔ پھر وہ مسز ہورٹن کو ٹوسٹ تیار کرنے کی ہدایت دینے کچن میں چلا گیا۔

کیتھی اپنے کمرے سے نکل کر ڈیمین کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ پکار رہی تھی۔ ’’چلو ڈیمین، ہم تیار ہو گئے۔ بس اب چلنا ہے‘‘۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن وہاں ڈیمین اسے نظر نہیں آیا۔ باتھ روم کی طرف سے ٹب میں پانی کی چھپ چھپ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ باتھ روم میں داخل ہوئی تو اس کا منہ بن گیا۔ ڈیمین ابھی باتھ ٹب میں ہی تھا۔ مسز بے لاک اسے نہلا رہی تھی۔

’’مسز بے لاک، میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے جلدی تیار......‘‘

’’آپ مائنڈ نہ کریں مادام۔ میرے خیال میں ڈیمین کے لیے پارک جانا زیادہ بہتر رہے گا‘‘۔ مسز بے لاک نے کہا۔

’’میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ ہمارے ساتھ چرچ جائے گا‘‘۔

’’ایسے خوب صورت دن ننھے بچوں کیلئے چرچ کوئی مناسب جگہ نہیں‘‘۔

کیتھی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ یوں مسکرا رہی تھی، جیسے اس کے نزدیک یہ قطعاً غیر اہم بات ہے۔ ’’ویل آئی ایم سوری۔ لیکن اس کا چرچ جانا بہت زیادہ اہم ہے‘‘۔ کیتھی نے سخت لہجے میں کہا۔

’’یہ بہت چھوٹا ہے۔ چرچ میں ہنگامے کے سوا کیا کرے گا‘‘۔

اس کے لہجے میں اور اس کے انداز میں کوئی بات تھی۔ جس معصومیت اور سکون سے وہ برملا اس کے حکم کو ٹال رہی تھی، اس نے کیتھی کو غصہ دلا دیا۔ خود پر قابو پانے کے لئے اسے دانت پر دانت جمانے پڑے۔ ’’تم سمجھ نہیں رہی ہو مسز بے لاک۔ میں کہہ رہی ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ چرچ جائے گا‘‘۔

مسز بے لاک کے جسم میں واضح تناؤ نظر آیا۔ کیتھی کا لہجہ اسے بہت سخت اور توہین آمیز لگا تھا۔ بچے نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی اور اپنی آیا سے چپک گیا تھا اور ماں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

’’کیا یہ پہلے کبھی چرچ گیا ہے؟‘‘ چند لمحوں کی سنگین خاموشی کے بعد بالآخر مسز بے لاک نے پوچھا۔

’’میں نہیں سمجھتی کہ اس سے کوئی فرق......‘‘

’’کیتھی‘‘۔ اسی لمحے نیچے سے رابرٹ کی پکار سنائی دی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’ایک منٹ رابرٹ‘‘۔کیتھی نے وہیں سے جواب دیا۔اب وہ مسز بے لاک کو گھور رہی تھی۔ جواباً مسز بے لاک بھی اسے گھور رہی تھی۔ ’’میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ فوراً بچے کو تیار کردو‘‘۔اس بار کیتھی کا لہجہ بہت سخت تھا۔

’’میں معذرت خواہ ہوں کہ میں اپنے دل کی بات ضرور کہوں گی۔آپ چار سال کے بچے سے یہ توقع نہیں رکھ سکتیں کہ وہ ایک کیتھولک شادی کی رسومات کو سمجھے گا اوران سے لطف اندوز ہوگا‘‘۔

کیتھی نے ایک گہری سانس لی۔’’مسز بے لاک، میں اور میرا شوہر......ہم دونوں کیتھولک ہیں‘‘۔

’’ہوتے رہیں‘‘۔

اس کھلی بدتمیزی اورنافرمانی نے کیتھی کو ہلا کر رکھ دیا۔’’تم میرے بچے کو تیار کرکے پانچ منٹ کے اندر کار میں پہنچادو یا پھر اپنے لیے کوئی اور ملازمت تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑی ہو‘‘۔

’’میرا خیال ہے،اب یہ تو مجھے کرنا ہی ہوگا‘‘۔

’’فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے‘‘۔

’’میں سوچوں گی‘‘۔

’’مجھے امید ہے کہ تم سنجیدگی سے سوچو گی‘‘۔

چند لمحے بہت سنگین خاموشی رہی۔پھر کیتھی جانے کیلئے پلٹی۔

’’میں ایک بات بتادوں‘‘۔مسز بے لاک نے کہا۔’’یہ اچھا فیصلہ نہیں ہے۔اسے چرچ لے جا کر آپ پچھتائیں گی‘‘۔

’’جو میں نے کہا ہے،وہ کرو‘‘۔کیتھی نے کہا اور کمرے سے نکل آئی۔

پانچ منٹ سے پہلے ہی تیار ڈیمین کار میں موجود تھا!

انہیں شیپرٹن سے ہو کر جانا تھا، جہاں نیا ہائی وے بن رہا تھا۔وہاں ٹریفک جام تھا۔اس کا مطلب تھا......مزید تاخیر۔تھورن فیملی کی لیموزین میں خاموشی اور زیادہ سنگین ہو گئی۔

’’کوئی بات ہے؟‘‘ رابرٹ نے کیتھی کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا۔

’’نہیں......کچھ نہیں‘‘۔

’’تم غصے میں ہو؟‘‘

’’کوشش کررہی ہوں کہ غصہ نہ کروں‘‘۔

’’بات کیا ہے؟‘‘

’’کوئی خاص بات نہیں‘‘۔

’’کم آن......بتاؤ نا‘‘۔

’’ارے وہی مسز بے لاک‘‘۔کیتھی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا

’’ہوا کیا؟‘‘

’’میرے اور اس کے درمیان تلخی ہوگئی‘‘۔

’’کس سلسلے میں؟‘‘

’’وہ ڈیمین کو پارک لے جانا چاہتی تھی‘‘۔

’’اس میں تو کوئی خرابی نہیں‘‘۔

’’چرچ کے بجائے......‘‘ کیتھی نے وضاحت کی۔’’اور اس نے اسے ہمارے ساتھ نہ بھیجنے کی سرتوڑ کوشش کی‘‘۔

’’ممکن ہے،ڈیمین سے دور ہو کر اسے تنہائی کا احساس ہوتا ہو‘‘۔

’’ایسا ہے تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں‘‘۔

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے اور کھڑکی سے باہر ہائی وے کے تعمیراتی کام کو دیکھنے لگا۔گاڑی ایک ایک انچ کرکے بڑھ رہی تھی۔وہ دانت پیسنے لگا۔’’ہورٹن......ہم کسی طرح آگے نہیں نکل سکتے؟‘‘ اس نے کہا۔

’’نہیں سر،یہ ممکن نہیں،لیکن اجازت ہو تو میں بھی مسز بے لاک کے بارے میں کچھ کہوں‘‘۔

’’کہو‘‘۔رابرٹ نے نرم لہجے میں کہا۔

’’برخوردار کے سامنے کہنا مجھے اچھا نہیں لگے گا‘‘۔

کیتھی نے ڈیمین کو دیکھا، جو اس گفتگو سے بے نیاز اپنے نئے جوتے کے تسموں سے کھیل رہا تھا۔’’کوئی بات نہیں ہورٹن،تم کہو‘‘۔اس نے ڈرائیور سے کہا۔

’’میں سمجھتا ہوں کہ اس کی قربت بچے کے لئے اچھی نہیں۔وہ گھر کے اصولوں کا خیال نہیں رکھتی‘‘۔

’’تم کن اصولوں کی بات کررہے ہو؟‘‘ رابرٹ نے کہا۔

’’سر......میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا‘‘۔

’’لیکن میں جاننا چاہتا ہوں‘‘۔

’’ہمارا اصول ہے کہ تمام ملازم کھانا ساتھ کھاتے ہیں اور برتن باری باری دھوتے ہیں‘‘۔

رابرٹ نے کن انکھیوں سے بیوی کو دیکھا۔ہورٹن کی شکایت اسے سنگین نہیں لگ رہی تھی۔

’’لیکن مسز بے لاک ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ہم سب کھانا کھا چکیں تو وہ نیچے آتی ہے اور اکیلی بیٹھ کر کھانا کھاتی ہے‘‘۔

’’اور......یہ تو بری بات ہے‘‘۔رابرٹ نے بناوٹی فکرمندی سے کہا۔

’’اور وہ برتن کبھی نہیں دھوتی۔اس کے جھوٹے برتن ہمیشہ ہم لوگ دھوتے ہیں......باری باری‘‘۔

’’ہم اس سے بات کریں گے اس سلسلے میں‘‘۔

’’پھر ایک اصول ہے کہ رات کو لائٹس آف ہونے کے بعد کسی ملازم کو اپنے کمرے سے نہیں نکلنا چاہئے‘‘۔ہورٹن نے مزید کہا۔’’لیکن میں نے بارہا آدھی رات کے بعد اسے جنگل میں جاتے دیکھا ہے اور ایسے میں وہ دبے پاؤں چلتی ہے جیسے سب سے چھپ کر جارہی ہو‘‘۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس بار رابرٹ اور کیتھی دونوں سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ''یہ تو واقعی عجیب بات ہے''۔ رابرٹ بڑبڑایا۔

''اور معاف کیجئے گا۔ اب جو میں کہوں گا، وہ کہنا نامناسب معلوم ہوتا ہے، مگر بات ہی کچھ ایسی ہے''۔ ہورٹن بولا۔ ''سب ملازم جانتے ہیں کہ وہ ٹوائلٹ پیپر استعمال نہیں کرتی۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا۔ جب سے وہ آئی ہے، اس کے باتھ روم میں ٹوائلٹ پیپر کا رول ویسے کا ویسا ہی ہے۔ اتنے عرصے میں ہم سب تین چار رول ٹوائلٹ پیپر کے تبدیل کر چکے ہیں''۔

عقبی سیٹ پر رابرٹ اور کیتھی کے درمیان پھر نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ کہانی کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں تو دو جمع دو چار والا آدمی ہوں جناب۔ میرا خیال ہے، وہ جنگل میں حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتی ہے اور میرے خیال میں یہ بدتہذیبی ہے۔ وہ خود ایسی ہے تو آپ کے بیٹے کو کیا سکھائے گی''۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ رابرٹ اور کیتھی حیران تھے۔

''ایک اور بات ہے جناب، جو مجھے بہت غلط لگتی ہے''۔

''وہ بھی بتا دو ہورٹن''۔ رابرٹ نے کہا۔

''وہ ٹیلی فون استعمال کرتی ہے......اور وہ بھی ٹرنک کالز کے لئے۔ وہ روم فون کرتی ہے''۔

اپنی پوری بات کہہ کے ہورٹن ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک جگہ موقع ملا تو اس نے گاڑی آگے نکال لی۔ رابرٹ اور کیتھی اس کی باتوں پر غور کر رہے تھے۔ بار بار وہ ایک دوسرے کو دیکھتے۔

''آج اس کا رویہ کھلم کھلا گستاخانہ تھا''۔ بالآخر کیتھی نے کہا۔

''تم اسے نکالنا چاہتی ہو؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تم اپنی بتاؤ''۔

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''میرے خیال میں ڈیمین اس سے بہت مانوس ہو چکا ہے''۔

''میں جانتی ہوں''۔

''اور اس بات کی ایک اہمیت ہے''۔

''ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔ کیتھی نے سرد آہ بھر کے کہا۔

''لیکن تم چاہو تو اسے جواب دے دو''۔

کیتھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ''ممکن ہے، وہ خود ہی چلی جائے''۔

ڈیمین ان دونوں کے درمیان بیٹھا کار کے فرش کو تک رہا تھا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

گاڑی بہت آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

آل سینٹس چرچ ایک بہت بڑا چرچ تھا......سترہویں صدی کے طرز تعمیر کا نمونہ، جس میں اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی کی جھلکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ کیونکہ اس میں مسلسل اضافے ہوتے رہے تھے، سامنے والا بہت بڑا اور بھاری دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ دن ہو یا رات، اندر ہمیشہ روشنی رہتی تھی۔

شادی کی یہ تقریب بڑی تقریب تھی، چرچ کی سڑک کے اطراف میں عوام الناس کا ہجوم تھا، بعض لوگوں کے ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے، جن پر کمیونسٹ پارٹی کے حق میں نعرے لکھے تھے۔ ان میں ہر طبقے کے لوگ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس تقریب میں بڑے لوگ آئیں گے۔ وہ ان کے دیدار کے لئے بھی آئے تھے، اس کے نتیجے میں ٹریفک اوورسست ہو گیا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی ایک قطار تھی، جو رک رک کر چل رہی تھی۔ جو گاڑی گیٹ کے سامنے پہنچتی، وہ رکتی، لوگ اترتے اور گاڑی آگے بڑھ جاتی اور دوسری گاڑی آگے آ جاتی۔

وہ لوگ دیر سے نکلے تھے۔ اس لیے ان کی گاڑی بہت پیچھے تھی۔ اس وقت وہ ایک بلاک پیچھے تھے۔ یہاں سیکورٹی والے زیادہ نہیں تھے۔ لہٰذا کار کے گرد لوگ جمع ہو گئے تھے اور وہ بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کار کے اندر جھانک رہے تھے۔ کار چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہی تھی۔ تماشائیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

ڈیمین اس دوران اونگھتا رہا تھا، اب اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جھانکتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر وہ چونکا اور گھبرا گیا۔ کیتھی نے اسے خود سے قریب کر لیا اور سامنے دیکھنے لگی۔

باہر لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور ساتھ ہی دھکم پیل شروع ہو گئی۔ ایک شخص نے جو حلیے سے لفنگا لگ رہا تھا، کھڑکی کے شیشے کو تھپتھپانا شروع کر دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کار میں گھسنا چاہ رہا تھا۔

کیتھی سہم گئی اور بدن چرانے لگی۔ وہ شخص اسے دیکھ کر وحشیانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

''خدا کی پناہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' کیتھی نے گھبرا کر کہا۔

''اس پورے بلاک میں ٹریفک جام ہے''۔ ہورٹن بولا۔

''تم کسی طرح گاڑی نکال نہیں سکتے''۔

''گاڑی سے گاڑی جڑی ہوئی ہے میڈم''۔

باہر سے شیشے کو تھپتھپانے کی آواز اور بلند ہو گئی تھی۔ کیتھی نے گھبرا کر آنکھیں موند لیں۔ جیسے اس طرح سماعت کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

''ارے ادھر دیکھیں......کمیونسٹ''۔ ہورٹن بولا۔

''ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے کسی طرح؟'' کیتھی کے لہجے میں التجا تھی۔

ادھر ڈیمین کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ ماں کو خوف زدہ دیکھ کر وہ بری طرح ڈر گیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے بیٹے......سب ٹھیک ہے''۔ رابرٹ نے بچے کو چمکارا۔ ''یہ لوگ ہمیں تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ یہ بس دیکھنا چاہتے ہیں کہ اندر کون کون ہے''۔

لیکن بچے کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں اور اس کی نظریں لوگوں پر نہیں تھیں۔ بلکہ وہ اوپر......کافی اوپر کچھ دیکھ رہا تھا......اور جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس نے اسے دہشت زدہ کر دیا تھا۔

رابرٹ تھورن نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ اسے چرچ کے میناروں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

''ڈیمین ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر میں ہم چرچ کے اندر ہوں گے''۔

لیکن ڈیمین کی آنکھوں میں دہشت کا تاثر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا جسم تن گیا......اور جیسے جیسے چرچ کا ٹاور قریب آتا محسوس ہو رہا تھا، اس کے جسم کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

''ڈیمین......بیٹے......'' رابرٹ نے پکارا۔ پھر اس نے اشارے سے کیتھی کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ ڈیمین کا چہرہ جیسے پتھرا گیا تھا۔

اب لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور چرچ بالکل سامنے آ گیا تھا۔

''ڈیمین، اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے، ہم چرچ پہنچ گئے ہیں''۔ کیتھی نے بچے کا رخسار تھپتھپایا۔

لیکن بچے کی آنکھیں چرچ پر جمی تھیں اور ہر لحظہ پھیلتی جا رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''پتا نہیں''۔ کیتھی نے کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''کیابات ہے ڈیمین؟'' رابرٹ نے بچے کو چمکارا۔

کیتھی نے ڈیمین کی طرف ہاتھ بڑھایا، جسے ڈیمین نے دبوچ لیا۔ وہ ماں کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت تھی، ''یہ تو بری طرح دہشت زدہ ہے''۔ کیتھی نے کہا۔ پھر وہ ڈیمین کی طرف مڑی۔ ''کیوں ڈر رہے ہو؟ یہ تو چرچ ہے بیٹے''۔

یہ سن کر تو ڈیمین ہانپنے لگا۔ اس کے ہونٹ سپید پڑ گئے تھے، آنکھوں میں کھلی دہشت تھی۔

''مائی گاڈ''۔ کیتھی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے''۔ رابرٹ بھی گھبرا گیا۔

''اس کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے ہو رہے ہیں''۔

لیموزین اچانک چرچ کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ دروازہ کھولا گیا اور چرچ کے باوردی خدمت گار نے ڈیمین کو اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس لمحے ڈیمین کی دہشت انتہا کو پہنچ گئی۔ اس نے کیتھی کا لباس مٹھی میں دبوچا اور اس سے چپک گیا۔ اب وہ دہشت بھری آواز میں رو رہا تھا۔

''ڈیمین...... کیا کر رہے ہو؟'' کیتھی چلائی۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' اس نے ڈیمین کو الگ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ڈیمین اور شدت سے اس سے لپٹ گیا۔

''رابرٹ...... کچھ کرو''۔ کیتھی نے رابرٹ سے کہا۔

''ڈیمین''۔ رابرٹ چلایا۔

''ارے...... یہ تو میرے کپڑے پھاڑ رہا ہے''۔

رابرٹ نے بچے کو تھام کر زبردستی الگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بچہ ماں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا، اب وہ ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ کیتھی کے بال اس کی مٹھی میں آ گئے اور کیتھی کے چہرے پر خراشیں پڑ گئیں۔

''خدایا...... مدد!'' کیتھی گھبرا کر چلائی۔

''ڈیمین...... چھوڑ و ممی کو...... چھوڑ دو''۔ رابرٹ اسے کیتھی سے الگ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔

پھر اچانک ڈیمین دہشت سے چلانے لگا...... گلا پھاڑ کر۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اب سب اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہورٹن بھی بچے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بچہ تو وحشی جانور بن گیا تھا۔ وہ ماں کا منہ نوچ رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے ہاتھ میں ماں کے بالوں کا ایک گچھا تھا۔

''اسے ہٹاؤ...... کوئی ہٹاؤ اسے''۔ کیتھی بھی دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ اسی لمحے ڈیمین کی انگلی اس کی آنکھ میں گھسی۔ کیتھی نے گھبرا کر بلا ارادہ اسے مارنا شروع کر دیا۔ رابرٹ نے جیسے تیسے اسے کیتھی سے الگ کیا اور اسے سینے سے بھینچ لیا۔

''گاڑی چلاؤ...... آگے بڑھاؤ''۔ رابرٹ نے چیخ کر ہورٹن سے کہا۔ یہ کہہ کر وہ بچے کو دبوچے ہوئے لپک کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بچہ اب بھی ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ رابرٹ نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ ہورٹن نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اب گاڑی بہت تیزی سے چرچ سے دور ہو رہی تھی۔

''مائی گاڈ...... مائی گاڈ''۔ کیتھی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بری طرح سسک رہی تھی۔

گاڑی جیسے جیسے چرچ سے دور ہو رہی تھی، بچے کا جسم ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس کا سر ایک طرف ڈھے گیا۔ وہ اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ اب اس میں ہلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں تر تھا۔ رابرٹ اب بھی اس کے ہاتھوں کو قابو میں کیے بیٹھا تھا۔ کیتھی جیسے شاک میں تھی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھیں، ایک آنکھ اس حد تک متورم تھی کہ تقریباً بند ہو گئی تھی۔

پری فورڈ پہنچتے ہی رابرٹ نے ڈیمین کو اس کے کمرے میں پہنچایا۔ پھر وہ اس کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ بچہ اب شاید اپنے کیے پر خوف زدہ تھا۔ وہ باپ سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ کیتھی بھی وہیں بیٹھی تھی۔

مسز بے لاک کمرے میں داخل ہوئیں۔ ''آپ جائیں۔ میں اسے سنبھال لوں گی''۔ اس نے رابرٹ سے کہا۔

اس کی آواز سن کر ڈیمین نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی کیفیت بدل گئی۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گیا۔

''یہ وہاں دہشت زدہ ہو گیا تھا''۔ کیتھی نے آیا کو بتایا۔

''یہ چرچ جانا پسند نہیں کرتا''۔ مسز بے لاک نے کہا۔ ''یہ پارک جانا چاہتا تھا''۔

''یہ بالکل...... بالکل جانور بن گیا تھا''۔ رابرٹ بولا۔

''اسے غصہ تھا''۔ مسز بے لاک نے کہا اور بڑھ کر ڈیمین کو گود میں اٹھا لیا۔ ڈیمین اس سے لپٹ گیا، جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے لپٹتا ہے۔ رابرٹ اور کیتھی نے خاموشی سے وہ منظر دیکھا...... اور پھر ایک ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

.....................☆.....................

''میں کہہ رہا ہوں، کوئی گڑبڑ ہے...... بڑی گڑبڑ''۔ ہورٹن نے اپنی بیوی سے کہا۔

رات کا وقت تھا اور وہ دونوں کچن میں تھے۔ ہورٹن چرچ جانے اور آنے کا احوال سنا رہا تھا اور اس کی بیوی بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔

''یہ مسز بے لاک مجھے ٹھیک نہیں لگتی''۔ ہورٹن نے کہا۔ ''اور اس بچے کے ساتھ بھی کوئی ٹیڑھا معاملہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ مکان ہی اچھا نہیں ہے''۔

''تم کچھ زیادہ ہی وہم کر رہے ہو''۔ اس کی بیوی بولی۔

''تم میری بات کیسے سمجھ سکتی ہو۔ تم نے وہ سب کچھ دیکھا جو نہیں''۔

''ارے بچے ضد بھی کرتے ہیں...... مچلتے بھی ہیں''۔

''مگر وہ حیوان کی ضد تھی...... ایک بپھرے ہوئے حیوان کی''۔

''بچہ توانائی سے بھرپور ہے۔ بس اتنی سی بات ہے''۔

''ایسا کب سے ہے؟ سوچ کر بتاؤ''۔

اس کی بیوی نے سر جھٹکا، جیسے اس بات کو اہمیت دینے کیلئے تیار نہ ہو۔ اس نے فریج کھول کر سبزیاں نکالیں اور انہیں کاٹنے لگی۔

''تم نے کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے''۔ ہورٹن نے کہا۔ ''وہ کسی جانور کی آنکھیں لگتی ہیں...... گھورتی ہوئی منتظر اور چوکنی آنکھیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ جو کچھ اسے معلوم ہے، وہ ہم نہیں جانتے۔ وہ جہاں جا چکا ہے، ہم نے وہ جگہ کبھی دیکھی ہی نہیں۔ وہ بہت جاننے والی، باخبر آنکھیں ہیں''۔

''تم ہانکنے پر آؤ تو ہانکتے ہی چلے جاتے ہو''۔

''اچھا...... خود دیکھ لینا۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں ایسا کچھ ہو رہا ہے، جو بہت برا ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’دنیا میں ہر جگہ ہی کچھ نہ کچھ برا ہو رہا ہے‘‘۔ اس کی بیوی نے بے پروائی سے کہا۔

’’بہرحال مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے‘‘۔ ہورٹن کے لہجے میں سنگینی تھی۔

عین اس وقت رابرٹ اور کیتھی اوپری منزل کے برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ڈیمین سو چکا تھا۔ وہ دونوں اندھیرے میں بیٹھے کلاسیکی موسیقی کے ریکارڈ سن رہے تھے۔ وہ دونوں خاموش تھے۔ کیتھی کا چہرہ متورم تھا اور وہ بار بار آئی واش کا ٹکور کر رہی تھی۔ اس کی آنکھ کی سوجن ذرا کم ہو گئی تھی۔

اس واقعے کے متعلق انہوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ بس انہیں ایک دوسرے کی قربت کا احساس تھا۔ وہ دونوں جس خوف سے دوچار تھے، والدین اس طرح کے خوف میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں، جب انہیں پہلی بار اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کے بچے کے ساتھ کوئی سنگین مسئلہ ہے۔ جب تو وہ خاموش رہتے ہیں، وہ خوف ایک وہم سا لگتا ہے اور اس پر بات کریں تو وہی خوف حقیقی بن جاتا ہے...... زندہ حقیقت!

سو وہ دونوں بھی خاموش تھے...... اس موضوع پر بات کرنے سے گریزاں!

’’تمہارے خیال میں ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں؟‘‘ بالآخر رابرٹ نے خاموشی ختم کی۔

کیتھی نے جواب نہیں دیا۔ بس نفی میں سر ہلا دیا۔

’’سوچ لو‘‘۔

’’ارے نہیں، معمولی سی خراشیں ہیں‘‘۔

’’میں تمہارے لیے نہیں، ڈیمین کے لیے پوچھ رہا ہوں‘‘۔

کیتھی کندھے جھٹک کر رہ گئی۔ ’’ہم ڈاکٹر کو بتائیں گے کیا؟‘‘

’’ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ بس اس کا معائنہ کرا لیں گے‘‘۔ رابرٹ نے کہا۔

’’معائنہ تو پچھلے مہینے ہی ہوا ہے، وہ پوری طرح صحت مند ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی ایک دن بھی بیمار نہیں پڑا‘‘۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ’’واقعی...... یہ تو ہے، عجیب سی بات ہے، ہے نا؟‘‘

’’تمہیں عجیب لگتا ہے‘‘۔

’’ہاں، مجھے تو عجیب لگتا ہے‘‘۔

رابرٹ کا لہجہ عجیب سا تھا۔ کیتھی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ’’کیا مطلب؟‘‘

’’نہ خسرہ، نہ چیچک۔ بلکہ اسے تو کھانسی نزلہ بھی کبھی نہیں ہوا، سچ تو یہ ہے کہ اسے کبھی چھینک تک نہیں آئی‘‘۔

’’تو؟‘‘ کیتھی کا لہجہ مدافعانہ تھا۔

’’میں کہہ...... میرا مطلب ہے، یہ غیر معمولی بات ہے‘‘۔

’’مجھے تو ایسا نہیں لگتا‘‘۔

’’مجھے لگتا ہے‘‘۔

’’ہمارا بچہ بچوں کی انتہائی صحت مند قسم سے تعلق رکھتا ہے‘‘۔

رابرٹ چونکا اور ساکت ہو گیا۔ سینے میں جیسے سخت سی گرہ پڑ گئی ہو۔ راز اب بھی اس کے سینے میں محفوظ تھا۔ وہ کبھی یہ بات نہیں بھولا تھا کہ ڈیمین اس کی اولاد نہیں ہے۔ لیکن اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا، اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اسے دھوکہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فریب دہی ہرگز نہیں ہے اور اس کے نتیجے میں ان کی زندگی میں کتنی بہت سی خوشیاں آئی تھیں۔ مگر آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ سازگار وقت میں راز کو راز رکھنا مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن اب...... اس کے اندر وہ راز مچل رہا تھا...... زبان پر آنے کے لیے، کھلنے کے لیے۔

’’دیکھو...... اگر تمہارے یا میرے ساتھ کبھی کوئی نفسیاتی مسئلہ رہا ہوتا، کوئی ذہنی اختلال رہا ہوتا تو میں آج کے واقعے کے بعد ضرور فکر مند ہوتی۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے‘‘۔

رابرٹ نے غور سے اسے دیکھا...... اور پھر نظریں چرانے لگا۔

’’میں سوچتی رہی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ہمارا بچہ صحت مند ہے۔ اس کی ددھیال اور ننھیال دونوں میں صحت مندی قابل رشک رہی ہے‘‘۔

رابرٹ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا، نظر اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

’’بس وہ ڈر گیا تھا اور ڈرنا بچوں کے لئے بالکل فطری ہے‘‘۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پیشانی ملنے لگا۔ وہ کیتھی کو حقیقت بتانے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ راز پر سے پردہ ہٹانا چاہتا تھا، لیکن اسے احساس تھا کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔ کیتھی سب کچھ جاننے کے بعد اس سے نفرت ہی کرے گی۔ ممکن ہے، اسے بچے سے بھی نفرت ہو جائے۔ نہیں...... اب بتایا نہیں جا سکتا۔ اس نے سوچا۔

’’میں مسز بے لاک کے بارے میں سوچتی رہی ہوں‘‘۔ اچانک کیتھی نے کہا۔

’’کیا؟‘‘

’’یہی کہ اسے نکالنا ٹھیک نہیں ہوگا‘‘۔

’’آج تو اس کا رویہ بہت اچھا تھا‘‘۔

’’ممکن ہے، ڈیمین نے وہ باتیں سن لی ہوں جو ہورٹن اور ہم مسز بے لاک کے بارے میں کر رہے تھے‘‘۔ کیتھی نے پرخیال لہجے میں کہا۔ ’’اور جو کچھ ہوا، وہ اسی کا ردعمل ہو‘‘۔

’’تم ٹھیک کہہ رہی ہو‘‘۔ رابرٹ نے تائید کی۔

بات واقعی سمجھ میں آنے والی تھی۔ اس خیال نے کہ مسز بے لاک کو نکالا جا سکتا ہے، ڈیمین کو عدم تحفظ میں مبتلا کیا ہوگا...... اور اس کے نتیجے میں وہ خوف زدہ ہو گیا ہوگا۔ بظاہر تو وہ نہیں سن رہا تھا، مگر عجب نہیں کہ وہ سر جھکائے سب کچھ غور سے سن رہا ہو اور مسز بے لاک سے بچھڑنے کے خیال نے اسے دہشت زدہ کر دیا ہو۔

’’تم ٹھیک کہہ رہی ہو‘‘۔ رابرٹ نے دہرایا۔ اس کے لہجے میں امید تھی۔

’’میں سوچتی ہوں کہ اسے اور ذمے داریاں سونپ دوں‘‘۔ کیتھی نے کہا۔ ’’اس طرح کچھ وقت وہ گھر سے دور بھی رہے گی‘‘۔

’’کیسی ذمے داریاں؟‘‘

’’شام کو سودا سلف لانے کے لیے اسے بھیجوں...... اور خود وہ وقت ڈیمین کے ساتھ گزاروں‘‘۔

’’اب سودا کون لاتا ہے؟‘‘

’’مسز ہورٹن‘‘۔

’’یہ بات...... یہ تبدیلی مسز ہورٹن کو بری تو نہیں لگے گی؟‘‘

’’پتا نہیں۔ لیکن میں ڈیمین کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتی ہوں‘‘۔

’’میرے خیال میں یہ سوچ عقل مندانہ ہے‘‘۔

کیتھی نے منہ پھیر لیا۔ چند لمحے رابرٹ کو ایسا لگا کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے، مگر پھر اس نے دیکھا کہ کیتھی رو رہی ہے۔ اسے روتا دیکھ کر اس کا دل کٹنے لگا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا اس کے لئے!

''تم نے ٹھیک سمجھا کیتھی''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''ڈیمین نے ہماری گفتگو سن لی تھی۔ یہی حقیقت ہے، سیدھی سی بات ہے''۔

''کاش یہی بات ہو''۔ کیتھی کی آواز لرز رہی تھی۔

''میں بتا رہا ہوں، یہی بات ہے''۔

کیتھی نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے آنسو رک گئے تھے، پھر وہ اٹھی اور اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''میرے خیال میں ایک سخت دن گزارنے کے بعد جلدی سو جانے میں ہی عافیت ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں''۔

''میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا''۔ رابرٹ نے کہا۔

کیتھی رابرٹ کو اپنی سوچوں میں گھرا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

رابرٹ اب جنگل کی سمت دیکھ رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے تصور میں روم کا وہ اسپتال تھا، جہاں ڈیمین اسے ملا تھا۔ اس نے وہاں کھڑکی کے پاس خود کو کھڑے دیکھا۔ وہ فادر سے بچہ لینے کے سلسلے میں رضامندی ظاہر کر رہا تھا۔ آخر اس نے فادر سے بچے کی ماں کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا؟ کہاں سے آئی تھی وہ؟ اور بچے کا باپ کون تھا؟ اور باپ وہاں موجود کیوں نہیں تھا؟ وہ پچھلے چار برس میں بھی یہ سب سوچتا رہا تھا...... اور اس نے کچھ مفروضوں کی تھپکی سے خود کو بہلا لیا تھا۔ ممکن ہے، بچے کی ماں کوئی دہقان لڑکی ہو اور چرچ سے اس کا تعلق ہو اور اسی وجہ سے وہ کیتھولک چرچ کے اسپتال میں زچگی کے لیے آئی ہو۔ ورنہ وہ اسپتال بہت مہنگا تھا اور ممکن ہے کہ وہ خود بھی یتیم ہو...... نہ ماں باپ، نہ رشتے دار اور عجب نہیں کہ وہ بن بیاہی ماں ہو۔ اس سے بچے کے باپ کا وہاں موجود نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے اور جاننے کو کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں! اور فرق بھی کچھ نہیں پڑتا تھا۔ بچہ خوب صورت اور صحت مند تھا اور ہر اعتبار سے مکمل اور نارمل۔

رابرٹ نہ تو خود پر شک کرنے والا آدمی تھا نہ ہی اسے خود کو الزام دینے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی اس کا ذہن دلیلیں تلاش کر رہا تھا کہ اس نے جو کچھ کیا، درست تھا۔ اس وقت وہ الجھا ہوا بھی تھا اور مایوس بھی۔ اس وقت وہ باطنی طور پر کمزور ہو رہا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی...... میں نے غلط فیصلہ کیا؟ کیا مجھے سب کچھ معلوم کرنا چاہئے تھا؟

اب ان سوالوں کے جواب ملنا ممکن نہیں تھا۔ صرف چند افراد کو اس معاملے کا علم تھا اور اب ان میں سے کون کہاں تھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان جاننے والوں میں سسٹر ٹریسا تھی، فادر اسپلیٹو تھا اور فادر ٹیسون تھا۔ صرف تین افراد! اور اب نجانے وہ کہاں ہوں گے؟

.................☆.................

اس طویل رات کی تاریکی میں وہ بے حد خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھے، وہ دل و جان سے کام کر رہے تھے، اس احساس کے تحت کہ انہیں اس کام کے لیے منتخب کر کے درحقیقت ایک بڑا اعزاز دیا گیا ہے۔ کرۂ ارض کی پوری تاریخ میں اس سے پہلے صرف دو بار یہ کوشش کی گئی تھی اور ناکام ہو گئی تھی۔ ان تینوں کو احساس تھا کہ اس بار ناکامی نہیں ہونی چاہئے۔

اب سب کچھ بس ان تینوں کے ہاتھ میں تھا۔ سب کچھ مقررہ وقت پر ہوا تھا اور کسی کو پتا نہیں چلا تھا۔ ولادت کے بعد سسٹر ٹریسا نے نومولود کے ماتھے، بازو اور جسم سے بال صاف کیے اور اس کے جسم پر خوشبودار پاؤڈر لگا کر بدبو کو دبانے کی کوشش کی۔ تاکہ جب وہ رابرٹ تھورن کے سامنے پیش کیا جائے تو قابل قبول لگے۔ بچے کے سر پر بہت گھنے بال تھے اور وہ بہت موٹے اور کھڑے بال تھے۔ سسٹر ٹریسا نے ہیئر ڈرائر سے انہیں سیٹ کیا، ساتھ ہی اس نے بالوں کے درمیان کھوپڑی پر اس کے برتھ مارک کو چیک کیا۔ وہ موجود تھا، لیکن آسانی سے نظر آنے والا نہیں تھا۔

یہ طے تھا کہ رابرٹ تھورن ٹریسا اور فادر ٹیسون سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ ولادت کے وقت فادر ٹیسون نیچے تہہ خانے میں مصروف تھا، جہاں دونوں لاشوں کو تابوت میں رکھ کر بھجوانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ پہلی لاش رابرٹ تھورن کے بچے کیتھی، پہلی آواز نکالنے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا گیا تھا۔ دوسری لاش جانور کی تھی، جسے ایک انسانی بچے کی ماں بننا پڑا تھا...... وہ اس بچے کی ماں تھی، جو زندہ تھا اور جسے رابرٹ تھورن کو سونپا جانا تھا۔

باہر ایک ٹرک کھڑا تھا، جو ان لاشوں کو سرویٹری لے کر جاتا، جہاں سینٹ انجلو کے قبرستان میں گورکن ان کے لیے قبریں کھودنے کے بعد لاشوں کی آمد کے منتظر تھے۔

یہ منصوبہ شیطان کے پیروکاروں نے بنایا تھا اور اسپلیٹو اس کا انچارج تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے اپنے دو معاونین کا انتخاب کیا تھا۔ سسٹر ٹریسا سے تو وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ یعنی آخری لمحوں میں ٹیسون نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔ پستہ قد اور منحنی عالم منصوبے کے ساتھ جوشیلے پن کی حد تک مخلص تھا۔ لیکن اس کے یقین کی بنیاد صرف خوف پر تھی۔ آخری دن وہ ایسے ڈانواں ڈول ہوا کہ اسپلیٹو پریشان ہو گیا۔ ٹیسون خود کو پرعزم ظاہر کر رہا تھا۔ لیکن اصل میں وہ بس خود کو اس کام کا اہل ثابت کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ وہ یقین سے محروم تھا، جو کچھ وہ کر رہے تھے، وہ اس کی اہمیت بھول بیٹھا تھا۔ وہ صرف اپنی ذمے داری کے حوالے سے ملنے والی اپنی اہمیت پر غور کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اسپلیٹو اس حد تک بددل ہوا کہ اس نے اسے ٹیم سے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ناکام ہو جاتا تو ناکامی کا ذمے دار تینوں کو ٹھہرایا جاتا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ منصوبہ ناکام ہو جاتا تو ایک ہزار سال بعد ہی وہ اگلی کوشش کر سکتے تھے۔ ایک ہزار سال!

لیکن آخر میں ٹیسون نے خود کو اہل ثابت کر دیا۔ بلکہ اس نے ایک غیر متوقع بحران پر بڑی مستعدی سے قابو پایا۔ بچہ ابھی مرا نہیں تھا۔ کریٹ میں سے اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اس وقت کریٹ کو ٹرک میں رکھا جا رہا تھا۔ ٹیسون کریٹ اٹھا کر دوبارہ اسے اسپتال کے تہہ خانے میں لے گیا۔ وہاں اس نے اس امر کو یقینی بنا دیا کہ اب بچے کی آواز کبھی بلند نہیں ہو گی۔ اس کارکردگی نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن بہرحال اہمیت اس بات کی تھی کہ اس نے کام کر دیا۔

اس رات اسپتال میں سب کچھ نارمل تھا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوا کہ ان کے درمیان کچھ ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ اتنی رازداری اور درستی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ رابرٹ تھورن سمیت کسی کو اندازہ تک نہیں ہوا۔

.................☆.................

جنگل کی طرف دیکھتے ہوئے رابرٹ کو احساس ہوا کہ اب اس جنگل سے اسے خوف کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔ پہلے تو اسے لگتا تھا کہ وہاں موجود کوئی چیز اسے بہت بری نظروں سے گھور رہی ہے۔ لیکن اس وقت جنگل پرسکون لگ رہا تھا۔ وہاں پہلے جیسا سناٹا بھی نہیں تھا۔ جھینگر بول رہے تھے اور مینڈک ٹرا رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جنگل میں زندگی معمول پر آ گئی ہے۔

ادھر دیکھتے دیکھتے اچانک رابرٹ کی نظر ڈیمین کے کمرے کی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ وہاں نائٹ بلب روشن تھا۔ رابرٹ نے سوتے ہوئے پرسکون بچے کا تصور کیا۔ ایک خوف زدہ کر دینے والے دن کا یہ اختتام بہت مناسب ہوتا کہ وہ اپنے بچے کو سکون سے سوتے ہوئے دیکھ لے۔

اس نے سوئچ آف کر کے اندھیرا کیا اور باہر راہداری میں نکل آیا۔

باہر اندھیرا تھا اور ہوا کی سنسناہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ اندازے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ چند لمحے اس نے ٹٹول کر لائٹ کا سوئچ تلاش کرنے کی کوشش کی، وہ نہیں ملا تو وہ اندھیرے میں ہی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ لینڈنگ پر پہنچ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ مکان میں ایسا اندھیرا تو کبھی نہیں ہوتا۔

وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ پھر اس کا ہاتھ سوئچ پر پڑا۔ اس نے سوئچ دبایا۔ لیکن روشنی نہیں ہوئی۔ وہ اس اندھیرے میں ہی آگے بڑھ گیا، ایک موڑ مڑنے کے بعد وہ بڑے ہال میں پہنچ گیا۔

سامنے اسے ڈیمین کا کمرا نظر آیا۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی لکیر سی باہر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اچانک اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ کیونکہ اسے ایسا لگا کہ اس نے کوئی آواز سنی ہے، وہ ہلکی سی غراہٹ سے مشابہ آواز تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے پہچان پاتا، وہ معدوم ہو گئی۔ اب پھر خاموشی تھی۔

اس نے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا۔ اسی لمحے وہ آواز پھر سنائی دی۔ اس بار آواز زیادہ بلند تھی۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ پھر اس کی نظریں اٹھیں...... اور اسے وہ آنکھیں نظر آئیں، اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی اور اس نے خود کو دیوار سے چپکا لیا۔

غراہٹ کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ پھر اندھیرے میں اچانک ایک جسیم کتا نمودار ہوا اور بچے کے دروازے کے آگے تن کر کھڑا ہو گیا۔

رابرٹ تھورن جیسے پتھر کا بت بن گیا۔ کتے کی غراہٹ بھی بڑھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں سیاہ چمک اور نمایاں ہو گئی تھی۔ ''ہش...... ہش......'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں کتے کو ہشکارا۔

کتے نے اپنا پیٹ فرش سے لگایا، جیسے خود کو حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہو۔

اسی وقت مسز بےلاک اپنے کمرے سے نکل آئی۔ ''چپ ہو جاؤ''۔ اس نے کتے سے کہا۔ ''جانتے نہیں، یہ گھر کے مالک ہیں''۔

کتا ایک پل میں نارمل ہو گیا اور دم ہلانے لگا۔ ڈراما اچانک ختم ہو گیا، مسز بےلاک نے سوئچ دبایا اور اگلے ہی ثانیے ہال جگمگانے لگا۔ رابرٹ اب بھی سانس روکے ہوئے، کتے کو گھورے جا رہا تھا۔ ''یہ...... یہ کیا ہے؟'' وہ ہکلایا۔

''میں سمجھی نہیں سر''۔

''یہ کتا''۔

''میرے خیال میں شیپرڈ نسل کا ہے''۔ مسز بےلاک نے معصومیت سے کہا۔ ''خوب صورت ہے نا؟ ہمیں جنگل میں ملا تھا''

کتا اب مسز بےلاک کے قدموں میں لوٹ رہا تھا۔

''تمہیں اس کی اجازت کس نے دی؟''

''میرا خیال تھا کہ ہمیں چوکیداری کیلئے کتے کی ضرورت ہے اور ننھا ڈیمین اس سے بہت محبت کرتا ہے''۔

ساز/قسط نمبر (4)

رابرٹ اب ابھی شاک کی حالت میں تھا۔ وہ بدستور دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔

مسز بےلاک اس کی حالت سے لطف لے رہی تھی۔ ''لگتا ہے، اس نے خوف زدہ کر دیا آپ کو''۔

''ہاں''۔

''اب آپ اس کی افادیت خود دیکھ لیں۔ یہ چوکی داری کتنی اچھی کرے گا''۔ مسز بےلاک نے کہا۔ ''یقین کریں، بے حد شاندار محافظ کتا ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں یہ بچے کی حفاظت کرے گا۔ آپ یقیناً شکر گزار ہوں گے''۔

''میری غیر موجودگی میں''۔

''ابھی آپ کو ایران کے ٹرپ پر جانا ہے نا''۔

''تمہیں اس ٹرپ کے بارے میں کیسے پتا چلا''؟

مسز بےلاک نے کندھے جھٹک دیے۔ ''مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ اتنا بڑا راز ہے''۔

''یہاں تو میں نے کسی سے یہ بات نہیں کی''۔

''مجھے مسز ہورٹن نے بتایا تھا''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ پھر کتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کتا کوئی مسئلہ نہیں۔ گوشت کے چند پارچے اس کیلئے بہت ہیں......''

''میں اس کتے کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا''۔ رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا۔

مسز بےلاک نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''کیا بات ہے، آپ کو کتے اچھے نہیں لگتے''؟

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''جب ضرورت محسوس کروں گا تو کتے کا انتخاب میں خود کرونگا''

''ڈیمین اس سے بہت مانوس ہو چکا ہے جناب۔ اور میرے خیال میں اسے کتے کی ضرورت ہے''۔

''اس کا فیصلہ میں کروں گا''۔

''بچوں کے لئے جانوروں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے سر''۔ مسز بے لاک اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے کوئی پیغام پہنچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو مسز بے لاک''؟ رابرٹ نے کہا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہے تو کھل کر کہو''۔

''مجھے نہیں کہنا چاہئے جناب۔ آج کل آپ ویسے ہی ذہنی دباؤ کا شکار......''

''میں سننا چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ''۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کا بچہ تنہائی کا شکار ہے''۔

رابرٹ کا جسم تن گیا۔ وہ جملہ اسے بہت سخت لگا تھا۔ ''وہ کیسے''؟

''وہ ماں کی توجہ کو ترستا ہے سر''۔

رابرٹ کے لئے وہ دھماکہ تھا۔ وہ سن ہو کر رہ گیا۔

''اب آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔ اس لئے میں کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کو تکلیف بھی پہنچی اور آپ پریشان بھی ہوئے''

''تمہارا مطلب ہے کہ کیتھی کو ڈیمین سے دلچسپی نہیں ہے!'' رابرٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ایسا لگتا ہے کہ وہ بچے کو پسند نہیں کرتیں اور بچہ ان کی پسندیدگی کو محسوس بھی کرتا ہے''۔

رابرٹ گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں کہ اس بے چارے کے پاس میرے سوا کچھ بھی نہیں ہے''۔ مسز بے لاک نے مزید کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم غلطی پر ہو مسز بے لاک''۔ بالآخر رابرٹ بولا۔

''اب اس کے پاس میرے علاوہ یہ کتا بھی ہے۔ وہ اس کتے سے بہت پیار کرتا ہے، سر پلیز......اسے اس سے محروم نہ کریں''۔

رابرٹ تھورن نے چند لمحے اس بے حد جسیم کتے کو غور سے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ''مجھے یہ کتا پسند نہیں''۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ ''کل اس کتے کو پاؤنڈ لے جانا''۔

''پاؤنڈ''؟ مسز بے لاک کی سانسیں رکنے لگیں۔

''ہاں......ہیومن سوسائٹی''۔

''مگر وہاں تو کتوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے''۔

''اس سے بچنا چاہو تو اس کتے کو نکال دو''۔ رابرٹ کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ''کل بہر حال یہ مجھے یہاں نظر نہیں آنا چاہئے''۔

مسز بے لاک کے چہرے پر سختی چھا گئی۔ رابرٹ تھورن پلٹا اور واپس چل دیا۔ عورت اور کتا دونوں اسے جاتے دیکھتے رہے۔ دونوں کی آنکھوں میں رابرٹ کیلئے نفرت کے الاؤ دہک رہے تھے۔

.....................☆.....................

رابرٹ تھورن اس رات سو نہیں سکا۔ وہ بیڈ روم کی بالکنی میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔ اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔ کئی بار اس نے سوتی ہوئی کیتھی کے رونے اور سسکنے کی آواز سنی۔ وہ ڈپریشن کا پرانا بھوت تھا جو اس کا پیچھا کرنے کیلئے لوٹ آیا تھا یا وہ خواب میں دن بھر کے واقعات دہرا رہی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا رابرٹ کے لئے ممکن نہیں تھا، کاش آدمی دوسروں کے خواب دیکھ سکتا۔

حقیقت سے فرار حاصل کرنے کے لئے وہ قیاس اور تصور کے پانیوں میں اتر گیا۔

وہ اس امکان پر سوچ رہا تھا کہ کیا آدمی کے خوابوں سے دوسروں کو آگہی ہو سکتی ہے۔ دماغ کی سرگرمیاں ایک برقی رو کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ تو کیا انہیں ٹی وی اسکرین پر نہیں دیکھا جا سکتا؟ بلکہ خواب کو ویڈیو ٹیپ پر منتقل کیا جائے، تاکہ تمام جزئیات سمیت اسے جب چاہیں دیکھ لیں۔ خود اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوا تھا کہ اس نے کوئی پریشان کن خواب دیکھا۔ صبح اٹھا تو اسے بس یہ احساس تھا کہ وہ خواب ناخوش گوار تھا۔ لیکن خواب کی تمام جزئیات محو ہو چکی تھیں۔ البتہ خواب کی چھوڑی ہوئی پریشانی موجود تھی۔ اگر خواب ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کیے جا سکتے تو......؟

یہ خیال بہت پرلطف، مگر بے حد خطرناک تھا، ایسا ہوتا تو دنیا کے بڑے اور اہم لوگوں کے خواب محفوظ کر لئے جاتے اور آنے والی نسلیں انہیں ٹی وی اسکرین پر دیکھتیں۔ نپولین کے......ہٹلر کے......لی ہاروے اوسوالڈ کے خواب! اگر اوسوالڈ کے خوابوں کا ریکارڈ موجود ہوتا تو کون جانے کہ صدر کینیڈی ابھی زندہ ہوتے۔

بہر حال یہ ناممکن ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ مستقبل میں ایسا ہونے لگے!

انہی سوچوں میں اس نے رات گزار دی اور صبح ہو گئی۔

صبح کیتھی بیدار ہوئی تو اس کی آنکھ کی سوجن اتنی بڑھ چکی تھی کہ آنکھ پوری طرح بند ہو گئی تھی، رابرٹ نے اسے سمجھایا کہ اب ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ان کے درمیان بات نہیں ہوئی۔ کیتھی گم صم تھی اور رابرٹ اپنی مصروفیات کے بارے میں سوچ رہا تھا، اسے ایران کے ٹرپ کے سلسلے میں تمام انتظامات مکمل کرانے تھے، لیکن اب اچانک وہ سوچ رہا تھا کہ اسے نہیں جانا چاہئے۔ وہ کیتھی اور ڈیمین، دونوں کی طرف سے فکر مند تھا۔ یہی نہیں، وہ خود اپنی طرف سے بھی پریشان تھا، لیکن اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

فضا میں کچھ بے یقینی سی تھی......اور زندگی کچے کمزور دھاگے سے لٹکی ہوئی کوئی بھاری چیز معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اسے کبھی موت کا خیال نہیں آیا تھا۔ موت اس کے لئے بہت دور از کار شے تھی۔ لیکن اس وقت وہ اسے اپنی شہ رگ کے پاس محسوس کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق ہے۔ کیسے؟ کس طرف سے؟ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اپنی لیموزین میں بیٹھ کر سفارت خانے جاتے ہوئے اس نے اپنی بیمہ پالیسی، کاروباری اور مالی معاملات کے بارے میں ہدایاتی نوٹس لکھے کہ اگر وہ مر جائے تو ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔ وہ بے اختیار، بلا ارادہ لکھ رہا تھا۔ اسے یہ احساس بھی نہیں تھا کہ آج سے پہلے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ بلکہ ایسا کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں۔

نوٹس مکمل کرنے کے بعد اسے اس بات کا احساس ہوا تو وہ دہل گیا، اس کا جسم تن گیا، جیسے کسی خطرے کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو رہا ہو۔ سفارت خانہ قریب آ رہا تھا اور اسے یہ احساس تھا کہ کسی بھی لمحے کچھ ہونے والا ہے۔

لیموزین رکی۔ رابرٹ نیچے اترنے لگا، اسی لمحے اس نے ان دونوں افراد کو تیزی سے اپنی طرف لپکتے ہوئے دیکھا۔ ایک کے ہاتھ میں کیمرا تھا، جس سے وہ تصویریں کھینچے جا رہا تھا، جبکہ دوسرا سوالات کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

رابرٹ سفارت خانے کی طرف بڑھا، مگر وہ دونوں پھرتی سے اس کے راستے میں آ گئے۔ ''آپ نے آج کا رپورٹر پڑھا ہے مسٹر تھورن''؟

''نہیں......میں نے دیکھا بھی نہیں''۔

''اس میں آپ کے بچے کی آیا کے بارے میں آرٹیکل چھپا ہے۔ وہ آیا جس نے خودکشی......''

''میں نے کہا نا کہ میں نے نہیں دیکھا''۔ رابرٹ نے دہرایا۔

''اس میں لکھا ہے کہ مس چیسا نے خودکشی کرنے سے پہلے ایک رقعہ تحریر کیا تھا''۔

''احمقانہ بات ہے......کھوکھلی قیاس آرائی......''

''آپ ذرا اس طرف دیکھیں پلیز......'' وہ حنیف تھا۔ کیمرے سے کلک کی آواز سنائی دی۔

''پلیز......ہٹو۔ مجھے جانے دو''۔ رابرٹ نے حنیف سے کہا جو اس کے اور سفارتخانے کے دروازے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ وہ منشیات استعمال کرنے کی عادی تھی''؟ دوسرے صحافی نے پوچھا۔

''نہیں......یہ غلط ہے''۔

''کورونر کی رپورٹ کہتی ہے کہ مرتے وقت اس کے خون میں''

''وہ تو الرجی کی دوا تھی''۔ رابرٹ نے دانت بھینچ کر کہا۔ ''وہ الرجی کی مریض تھی......''

''لیکن دوا اس نے ضرورت سے زیادہ استعمال کی تھی......بلکہ کافی زیادہ''۔

''آپ پلیز......اسی طرح کھڑے رہیں''۔ حنیف نے استدعا کی

''تم میرے راستے سے ہٹتے ہو یا نہیں''۔ رابرٹ غرایا۔ اس کا تحمل جواب دے رہا تھا۔

''میں تو اپنا کام کر رہا ہوں جناب۔ اپنا فرض پورا کر رہا ہوں''۔

رابرٹ ایک طرف ہٹ کر جگہ بننے کے بعد آگے بڑھنے لگا، مگر وہ پھر سامنے آ گئے۔

''بتائیں نا مسٹر تھورن، وہ منشیات لیتی تھی''؟ صحافی نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں''۔

''مگر وہ آرٹیکل......''

''اس آرٹیکل میں کیا لکھا ہے، مجھے اس کی پروا نہیں''۔

''زبردست! شان دار! یہ ہوئی نا بات۔ ایک لمحے یونہی کھڑے رہئے''۔ حنیف نے چہک کر کہا۔

کیمرا رابرٹ کے چہرے سے بہت قریب تھا۔ رابرٹ نے جھٹکے سے اسے ہٹایا، کیمرا حنیف کے ہاتھ سے نکلا اور فٹ پاتھ پر گرا۔ رابرٹ خود بھی کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ بات اتنی بڑھ جائے گی، اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔ پھر اس نے جھنجلا کر کہا۔ ''تم لوگوں میں لحاظ بالکل نہیں ہے، کسی کی عزت نہیں کر سکتے تم''۔

حنیف گھٹنوں کے بل بیٹھا ٹوٹے ہوئے کیمرے کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے سر اٹھا کر رابرٹ کو دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے''۔ رابرٹ کی آواز لرز رہی تھی۔ ''مجھے بل بھیج دینا، یہ نقصان میں ادا کروں گا''۔

''کوئی بات نہیں مسٹر ایمبسیڈر ایسا کریں کہ......''

لیکن رابرٹ آگے بڑھا اور سفارت خانے کی طرف چل دیا۔

سفارت خانے کے گیٹ سے ایک فوجی لپکا ہوا آیا، اس نے یہ منظر تاخیر سے دیکھا تھا اور اب شاید نتائج دیکھنے کی غرض سے چلا آیا تھا۔

''تمہارے صاحب نے میرا کیمرہ توڑ دیا''۔ حنیف نے کہا۔

فوجی نے چند لمحے جائزہ لیا، پھر دروازے کی طرف پلٹ گیا، حنیف اور صحافی مخالف سمت میں چل دیئے۔

رابرٹ تھورن کے کمرے میں جیسے زلزلہ آیا ہوا تھا، ایران کا ٹرپ خطرے میں تھا۔ کیونکہ رابرٹ تھورن نے بغیر کسی وضاحت کے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ''بس میں نہیں جا سکتا''۔

اس دورے کی منصوبہ بندی اسکے اسٹاف کی دو ہفتے کی مسلسل محنت کا نتیجہ تھی، اس کے دونوں معاون وحشت زدہ تھے کہ ان کی محنت پر پانی پھر گیا ہے۔

''آپ یہ دورہ منسوخ نہیں کر سکتے''۔ ان میں سے ایک نے احتجاج کیا۔ ''سب کچھ طے ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ فون کریں اور کہیں......''

''دورہ منسوخ نہیں، ملتوی کیا جا رہا ہے''۔

''انہیں توہین کا احساس ہوگا''۔ دوسرا معاون بولا۔

''ہونے دو''۔

''لیکن سر، کوئی وجہ تو ہو''۔

''میں اس وقت سفر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، یہ اچھا وقت نہیں ہے''۔

''آپ کو احساس ہے کہ داؤ پر کیا کچھ لگا ہوا ہے''۔

''ڈپلومیسی''۔

''جی نہیں۔ معاملہ اس سے بڑھ کر ہے''۔

''ان کے پاس...... ہے اور انکے پاس طاقت ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اب یہ حقیقت تبدیل تو نہیں ہو سکتی''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’اسی لئے تو یہ ضروری......‘‘

رابرٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ’’میں کسی اور کو بھیج دوں گا‘‘۔

’’جناب صدر کی خواہش تھی کہ آپ جائیں‘‘۔

’’میں ان سے بات کرلوں گا۔ میں انہیں سمجھا دوں گا‘‘۔

’’سر آپ جانتے ہیں کہ اس دورے کی منصوبہ بندی کب سے کی جارہی تھی‘‘۔

’’تم اسے دوبارہ پلان بھی کرسکتے ہو‘‘۔ رابرٹ نے چیخ کر کہا۔

اس کے اس غیر معمولی ردعمل کے نتیجے میں خاموشی چھا گئی، پھر اچانک انٹرکام کا بزر بولا۔ رابرٹ نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ ’’یس‘‘؟

’’روم سے کوئی فادر ٹیسون آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں آپ سے کوئی ذاتی کام ہے......ارجنٹ نوعیت کا‘‘۔ سیکریٹری نے بتایا۔

’’میں نے تو کبھی یہ نام نہیں سنا‘‘۔ رابرٹ نے بلا جھجک کہا۔

’’وہ کہتے ہیں کہ انہیں صرف دو منٹ دے دیئے جائیں، معاملہ کسی اسپتال سے متعلق ہے‘‘۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد سیکریٹری نے کہا، شاید اس دوران اس نے ملاقاتی سے وضاحت طلب کی تھی۔

’’ممکن ہے، عطیے کا خواہاں ہو‘‘۔ رابرٹ کے معاونین میں سے ایک نے کہا۔

’’ٹھیک ہے، اندر بھیج دو انہیں‘‘۔ رابرٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

’’مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے نرم دل ہیں‘‘۔ دوسرا معاون بولا۔

’’ارے بھئی...... پبلک ریلیشنز کی بات ہے‘‘۔ پہلے نے خیال آرائی کی۔

’’ایران کے بارے میں حتمی فیصلہ نہ کریں سر‘‘۔ دوسرے نے کہا۔ ’’اس وقت آپ پریشان ہیں، بعد میں سکون سے سوچیے گا اس پر‘‘۔

’’فیصلہ تو ہوچکا ہے۔ رابرٹ کے لہجے میں تھکن تھی‘‘۔ یا تو کوئی اور جائے گا، یا یہ دورہ ملتوی ہوگا‘‘۔

’’ملتوی......؟ کب تک‘‘؟

’’جب تک میں مناسب نہ سمجھوں، اس وقت تک کے لئے التوا ضروری ہوگا‘‘۔

آفس کا دروازہ کھلا، راہ داری میں ایک چھوٹے قد کا دبلا پتلا شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے جسم کا تناؤ اور انداز کی عجلت اتنی دور سے بھی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ اپنی اندر دھنسی ہوئی آنکھوں سے وہ رابرٹ کو التجائیہ نظروں سے تک رہا تھا۔

رابرٹ کے معاونین الجھ گئے، وہ رکے رہیں یا کمرے سے نکل جائیں۔ وہ فیصلہ نہیں کرپا رہے تھے۔

پادری کی تیز نظروں نے رابرٹ کو پریشان کردیا تھا۔

’’میں آپ سے اکیلے میں بات کرسکتا ہوں‘‘؟ پادری نے اطالوی لہجے میں کہا۔

’’آپ اسپتال سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں نا‘‘؟

’’جی ہاں‘‘۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد رابرٹ نے دونوں معاونین کو جانے کا اشارہ کیا، اس دوران پادری اندر آچکا تھا۔ معاونین کے جاتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند کردیا۔ وہ پلٹا تو اس کے چہرے پر دکھ اور اذیت کا تاثر تھا۔

’’جی فرمایئے‘‘۔ رابرٹ نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

’’ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے‘‘۔ پادری بولا۔

’’کک......کیا مطلب‘‘؟

’’آپ میری بات دھیان سے سنیں‘‘۔ پادری نے بلے بغیر کہا۔ وہ بند دروازے سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔

’’آپ کچھ کہیں تو‘‘۔

’’تمہیں کرائسٹ کو اپنا نجات دہندہ مان لینا چاہئے۔ اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ تم یسوع مسیح کے ہیرو کار بن جاؤ‘‘۔

چند لمحے خاموشی رہی، رابرٹ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔

’’پلیز موسیو......‘‘ فادر کے لہجے میں التجا تھی۔

’’معاف کیجئے گا۔ آپ کسی ذاتی نوعیت کے معاملے پر مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ یہی بتایا تھا نا آپ نے‘‘؟

’’تم باقاعدگی سے عبادت کرو۔ مسیح کو اپنے اندر اتارلو۔ اپنے وجود میں شامل کرلو، صرف اسی طرح تم شیطان کے بیٹے کو شکست دے سکتے ہو‘‘۔

کمرے کی فضا کشیدگی سے سنسنا رہی تھی۔ رابرٹ نے انٹرکام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

’’وہ ایک قتل کرچکا ہے اور پھر قتل کرے گا۔ وہ اس وقت تک قتل کرتا رہے گا، جب تک اسے ہر وہ چیز حاصل نہ ہوجائے تو تمہاری ملکیت ہے‘‘۔

’’آپ باہر جائیں اور انتظار کریں‘‘۔ رابرٹ نے فادر سے کہا۔

پادری اب آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی آواز التجا کی شدت سے لرز رہی تھی۔ ’’صرف مسیح کے ذریعہ تم اس سے لڑ سکتے ہو۔ تم کرائسٹ کو پوری طرح اپنالو‘‘۔

رابرٹ نے انٹرکام کا بٹن دبا دیا۔

’’میں نے دروازہ لاک کردیا ہے مسٹر تھورن‘‘۔ پادری نے کہا۔

’’یس سر‘‘۔ انٹرکام پر سیکریٹری کی آواز ابھری۔

’’سیکورٹی گارڈ کو طلب کرلو‘‘۔ رابرٹ نے انٹرکام پر کہا۔

’’کیا کہہ رہے ہیں سر‘‘؟ سیکریٹری نروس ہوگئی۔

’’میں التجا کررہا ہوں موسیو، میری بات سمجھیں اور مان لیں‘‘۔ پادری کے لہجے میں التجا کی تڑپ تھی۔

’’سر......‘‘؟ انٹرکام پر سیکریٹری نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا

’’جس رات آپ کا بیٹا پیدا ہوا، میں وہاں اسپتال میں موجود تھا مسٹر تھورن‘‘۔ پادری نے کہا۔

رابرٹ کو ایسا جھٹکا لگا کہ وہ سانس لینا ہی بھول گیا۔

’’میں......میں دائی کا رول کررہا تھا۔ میں اس ولادت کا عینی شاہد ہوں‘‘۔ پادری نے اٹک اٹک کر مزید کہا۔

انٹرکام پر سیکریٹری آواز پھر ابھری۔ اس بار اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔ ’’مسٹر تھورن......آپ کیا کہہ رہے تھے، معاف کیجئے، میں نے سنا نہیں‘‘۔

’’کچھ نہیں۔ میں میری اگلی ہدایت کی منتظر رہو‘‘۔ رابرٹ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

’’میں تم سے التجا کرتا ہوں......‘‘ پادری کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

’’تم چاہتے کیا ہو‘‘؟

’’میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں مسٹر تھورن، تاکہ مجھے بخشش مل جائے۔ میں بخش دیا جاؤں‘‘۔

’’تم میرے بیٹے کے بارے میں کیا جانتے ہو‘‘؟ رابرٹ نے پوچھا۔

’’سب کچھ...... ہر بات‘‘۔

’’کچھ بتاؤ بھی تو‘‘۔

پادری کا جسم اب لرز رہا تھا۔ اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔ ’’میں نے اس کی ماں کو دیکھا تھا‘‘۔ وہ بولا۔

’’یعنی میری بیوی کو‘‘؟

’’نہیں۔ اس کی ماں کو۔ اس کی ماں کو جواب تمہارا بچہ ہے‘‘۔

رابرٹ کے چہرے پر درشتی چھا گئی ’’تم مجھے بلیک میل کررہے ہو‘‘؟

’’نہیں جناب‘‘۔

’’تو پھر؟ اور کیا چاہتے ہو تم‘‘؟

’’میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں‘‘۔

’’کیا بتانا چاہتے ہو‘‘؟

’’اس کی ماں کی حقیقت‘‘۔

’’تو بتاؤ۔ ایسا کیا ہے بتانے کو‘‘۔

’’اس کی ماں ایک سادہ گیدڑ تھی۔ وہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا‘‘۔ پادری کی آواز سسکیوں سے بوجھل تھی۔

ایک دھماکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک فوجی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے رابرٹ کے معاونین اور اس کی سیکریٹری تھی۔ رابرٹ کا چہرہ دھواں ہورہا تھا اور جسم ساکت تھا، جبکہ پادری کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

’’کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے سر‘‘؟ فوجی نے رابرٹ سے پوچھا۔

’’آپ کی آواز مجھے عجیب سی لگی سر اور کمرے کا دروازہ لاک تھا۔ میں نے سوچا......‘‘ سیکریٹری کے لہجے میں معذرت تھی۔

’’میں چاہتا ہوں کہ اس شخص کو یہاں سے لے جاؤ‘‘۔ رابرٹ نے کہا۔ ’’اور یہ دوبارہ یہاں نظر آئے تو اسے جیل میں ڈلوا دو‘‘۔

کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ فوجی پادری پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ فادر ٹیسون آہستہ سے پلٹا اور خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ پلٹا اور اس نے رابرٹ کو دیکھا۔ ’’خود کو کرائسٹ کی امان میں دیدو‘‘۔ اس نے اداس لہجے میں کہا۔

پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔ فوجی اس کے پیچھے تھا۔ باقی لوگ خاموش کھڑے تھے، سب کے چہروں پر الجھن تھی۔

’’وہ کیا چاہتا تھا سر‘‘؟ رابرٹ کے ایک معاون نے پوچھا۔

’’پتا نہیں‘‘۔ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔ ’’مجھے تو لگتا ہے کہ وہ پاگل ہے‘‘۔

..................☆..................

سفارت خانے کے باہر سڑک پر حنیف ایک کار سے ٹیک لگائے، اپنے فاضل کیمرے کو چیک کررہا تھا۔ ٹوٹا ہوا کیمرا اسی کار پر رکھا تھا۔

اچانک اس کی نظر سفارت خانے کے گیٹ پر پڑی۔ دبلا پتلا پادری ایک فوجی کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتا نظر آیا، اس نے جلدی سے ان دونوں کی دو تصویریں کھینچ لیں، اس دوران فوجی کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کی طرف چلا آیا۔ وہ اسے ناخوش گوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ’’اپنے کیمرے کی بدولت آج تم خود کو خاص پریشانی میں مبتلا کرچکے ہو‘‘۔ اس نے کہا۔ ’’کیا ابھی تسلی نہیں ہوتی تمہاری‘‘۔

حنیف مسکرایا۔ ’’میری تسلی اتنی آسانی سے کہاں ہوتی ہے‘‘۔ وہ بولا......اور اس نے فوجی کے چہرے سے کیمرے کو تقریباً ملاتے ہوئے اس کے دو کلوز اپ بنا ڈالے۔

فوجی دانت پیستے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

حنیف نے فوکس تبدیل کیا اور مختصر الموجود پادری کو تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے پادری کی ایک اور تصویر کھینچ لی۔

اس رات حنیف اپنے ڈارک روم میں اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو الجھن بھری متجسس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے فاضل کیمرے کی کارکردگی چیک کرنے کی غرض سے اس نے مختلف رفتار اور ایکسپوزرز کے ساتھ 36 تصویریں بنائی تھیں۔ ان میں سے تین تصویروں میں نقص نظر آرہا تھا اور یہ وہی نقص تھا، جو چند ماہ پہلے ڈیمین تھورن کی آیا کی تصویر میں نظر آیا تھا۔ اس بار وہی نقص پادری کی تصویروں میں تھا۔ اس بار بھی وہ رنگوں کی خرابی کا نتیجہ معلوم ہورہا تھا۔ لیکن اس بار وہ نقص ایک سے زائد تصویروں میں ظاہر ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ تمام تصویریں پادری کی تھی۔ رنگوں کے امتزاج کی اس خرابی نے ایک دھبے کی شکل اختیار کرلی تھی، اور وہ دھبہ پادری کی تمام تصویروں میں اس کے سر پر چھایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ دھبہ وہاں موجود ہے اور تصویر درست کھنچی ہے۔

حنیف نے ڈویلپر سے فوٹو اٹھائے اور روشنی کے نیچے رکھ کر غور سے ان کا معائنہ کرنے لگا۔ دو تصویریں پادری اور فوجی کی تھیں، پھر فوجی کے دو کلوز اپ تھے اور اس کے بعد پادری کا لانگ شاٹ۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پادری اور فوجی کی مشترکہ تصویروں میں وہ دھبہ پادری کے سر کے گرد موجود تھا، لیکن حیرت انگیز طور پر اس کے بعد فوجی کی تصویروں میں وہ دھبہ ندارد تھا۔ لیکن پادری کی اکیلی تصویر میں وہ پھر نمودار ہو گیا تھا۔ وہ آخری تصویر کسی اور کی تھی۔ اس لئے دھبہ بھی اس میں چھوٹا نظر آ رہا تھا، یعنی وہ پادری کی تصویر کے سائز سے مطابقت رکھتا تھا۔ آیا کی تصویر کی طرح ان تصویروں میں بھی وہ ہالہ سا نظر آ رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آیا کی تصویر میں اس ہالہ نما دھبے نے آیا کے چہرے کو چھپا لیا تھا، جبکہ پادری کی تصویروں میں وہ ہالہ پادری کے سر کے اوپر تھا۔ ایک فرا ور تھا، آیا کے چہرے پر وہ دھبہ ٹھہرا ہوا تھا، جبکہ پادری کے سر کے اوپر وہ حرکت کرتا محسوس ہوتا تھا۔

حنیف اس کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ فلم کے رنگ صرف روشنی ہی کے نہیں، بلکہ غیر معمولی حدت کے معاملے میں بھی حساس ہوتے ہیں۔ یہ مضمون اس نے فوٹو گرافی کے کسی رسالے میں پڑھا تھا۔ وہ مضمون انگلینڈ کے مشہور آسیب زدہ مکانوں کی تصویروں کے بارے میں تھا، ان تصویروں میں بھوت جیسے ہیولوں کے خاکے سے ابھر آئے تھے، جس شخص نے مضمون لکھا تھا، اسے فوٹو گرافک سائنس کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ درجہ حرارت کی تبدیلی نائٹریٹ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیبارٹری کے تجربات اس امر کی تصدیق کرتے تھے کہ جیسے روشنی فلم کے رنگوں پر اثر انداز ہوتی ہے ویسے ہی درجہ حرارت کی تبدیلی کا بھی فلم کے رنگوں پر اثر پڑتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ توانائی حرارت ہے اور حرارت توانائی۔ اگر بھوتوں کا وجود ہے تو بعض مخصوص اور نامعلوم عوامل کی موجودگی میں کسی خاص صورتحال میں ان کے عکس سیلو لائیڈ پر منتقل بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مضمون میں توانائی کا انسانی جسم سے کوئی نہیں قائم کیا گیا تھا۔ حالاں کہ توانائی تو انسانی جسم میں بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، تو کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بیرونی اثر کے تحت، تشویش یا کشیدگی کی صورت میں وہ توانائی جسم کی سطح پر نمودار ہو جائے۔

سب جانتے ہی کہ تشویش توانائی کو بڑھاتی ہے۔ اسی اصول کے تحت پولی گراف ٹیسٹ کیا جاتا ہے، جس سے پتا چل جاتا ہے کہ آدمی سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ توانائی برقی رو کی شکل میں ہوتی ہے اور برقی رو حرارت ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ تشویش کے نتیجے میں جو حدت پیدا ہوتی ہے، وہ انسان کے گوشت سے گزر کر سطح پر...... یعنی جلد تک آ جاتی ہو۔ یعنی جو لوگ بہت پریشان اور متوحش ہوں، ان کی یہ حدت تصویر پر بھی اثر انداز ہوتی ہو۔

حنیف کی جسم میں سنسنی سے دوڑنے لگی۔ وہ اپنے فلم ایملشن کے چارٹس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بالآخر اسے روشنی کے معاملے میں سب سے کم حساس فلم مل گئی۔ وہ ٹرائی ایکس 600 فلم تھی...... ایک نئی فلم۔ وہ اتنی احساس فلم تھی کہ موم بتی کی روشنی میں بھی بہت تیز ایکشن کو عکس بند کر سکتی تھی۔ حرارت کے معاملے میں بھی وہی سب سے کم حساس فلم تھی۔

اگلی صبح اس نے ٹرائی ایکس 600 کے دو درجن رول خریدے، ساتھ ہی اس نے تمام ضروری فلٹرز بھی لئے، جن کی آؤٹ ڈور فوٹو گرافی کے دوران ضرورت پڑ سکتی تھی۔ فلٹر روشنی کو بھی کم کر سکتے تھے، لیکن شاید حرارت پر اثر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

اب اسے ایسے سبجیکٹس کی تلاش تھی جو بہت بڑی پریشانی سے، کسی بحران سے دوچار ہوں۔ اس کے لئے وہ اسپتال چلا گیا، اس نے ایسے کئی مریضوں کی تصویریں کھینچیں، جنہیں معلوم تھا کہ ان کے جینے کا کوئی امکان نہیں اور وہ کبھی بھی مر سکتے ہیں۔ کسی انسان کے لئے اس سے بڑے بحران کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن نتیجہ مایوس کن تھا، اس کی کسی تصویر پر کوئی دھبہ نہیں تھا، یہ ثابت ہو گیا کہ اس دھبے کا موت کی آگہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حنیف کی جستجو اور بڑھ گئی۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوا، کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی بے حد اہم بات دریافت کرنے والا ہے۔ اپنے ڈارک روم میں اس نے آیا اور پادری کے نئے فوٹو گراف بنائے۔ تجربے کے طور پر اس نے مختلف کاغذ استعمال کئے، پھر اس نے تصویروں کو انلارج کر کے اچھی طرح جائزہ لیا۔ انلارجمنٹ کے بعد یہ بات سامنے آ گئی کہ دھبہ محض دھبہ نہیں۔ وہ کوئی چیز ہے...... مادی چیز۔ انسانی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی تھی، لیکن نائٹریٹ نے اسے ایکسپوز کر دیا تھا، اس کا مطلب تھا کہ فضا میں غیر مرئی چیزیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

ایک ہفتے تک وہ صرف اس معاملے میں الجھا رہا، اسے کسی اور بات کا خیال ہی نہیں آیا۔ لیکن بالآخر وہ پھر رابرٹ تھورن کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

رابرٹ تھورن کو کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں، حنیف کے لئے وہاں پہنچنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ رابرٹ ایک مقامی یونیورسٹی کے کیمپس گیا، اس نے ایک بزنس لنچ اٹینڈ کیا۔ دو ایک فیکٹریوں کی تقریبات میں اس نے شرکت کی۔ اس کا بات کرنے کا اسٹائل بڑا دل نشیں تھا، اس کے انداز میں ایک جوشیلا پن تھا، جو اس کی سچائی کا غماز تھا۔ حنیف نے دیکھا کہ وہ جہاں بھی خطاب کرتا ہے، سامعین کے دل جیت لیتا ہے۔ یہ صلاحیت ثبوت تھی کہ وہ سیاست کے میدان میں بہت کامیاب رہے گا۔ وہ لوگوں میں تحریک پیدا کر دیتا تھا اور لوگ اس کی باتوں پر یقین کرتے تھے خاص طور پر مزدوروں اور کارکنوں کے حلقے میں وہ بہت مقبول تھا۔

''ہمارا معاشرہ بہت سے طبقوں میں منقسم ہے''۔ وہ ہر روز لیکچر میں کہتا۔ ''جوان اور بوڑھے...... امیر اور غریب۔ لیکن میرے نزدیک دو طبقے سب سے اہم ہیں۔ ایک وہ جنہیں اپنے لئے کچھ کرنے کا موقع ملا اور دوسرے وہ جنہیں کبھی کوئی موقع نہیں ملا اور لوگوں کو برابر کے مواقع نہ ملیں تو پھر جمہوریت محض ایک کھوکھلا لفظ ہے...... ایک بدصورت جھوٹ......''

اور ایسے موقعوں پر وہ لوگوں میں گھل مل جاتا۔ معذور لوگ نظر آتے تو وہ خود ان کی طرف لپکتا، لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے، وہ اسکے کہے ہوئے ہر لفظ پر پوری طرح یقین کر لیتے تھے۔

بہرحال حقیقت یہ تھی کہ لوگ اس کے جس جوش کو سراہتے تھے، وہ اس کے اندر کی مایوسی اور اس کی ٹوٹ پھوٹ کا ردعمل تھا۔ یہ عام لوگوں سے خطاب درحقیقت اس کا فرار تھا...... اپنی نجی زندگی کے پریشان کن معاملات سے فرار۔ درحقیقت وہ بہت پریشان تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا، اسے احساس ہوتا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ دو بار سامعین کے ہجوم میں اس کی نظر چوغے پر پڑی...... ویسا چوغہ جیسے پادری پہنتے ہیں۔ اسے احساس ہوا کہ پادری ٹیسون اس کا پیچھا کر رہا ہے، لیکن اس نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ کیونکہ عین ممکن تھا کہ یہ اس کا وہم ہو۔

بہرکیف وہ اس کا عادی ہو گیا۔ تقریر کرتے ہوئے اسکی متلاشی نگاہیں ہجوم میں فادر ٹیسون کو ڈھونڈتیں اور اسے یقین ہوتا کہ وہ وہاں موجود ہوگا۔ اس نے ٹیسون کے الفاظ کو رد کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ پاگل تھا۔ وہ کوئی مذہبی جنونی تھا جو خوامخواہ اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حوالہ اس کے بیٹے کا دے رہا تھا، جس کے بارے میں صرف رابرٹ تھورن ہی جانتا تھا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں، لے پاک ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود اس کے کہے ہوئے الفاظ رابرٹ کی سماعت میں گونجتے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جو کچھ فادر ٹیسون نے کہا، ناممکن ہے۔ پھر بھی اس کا ہر لفظ آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور رابرٹ کو جدوجہد کرنا پڑتی تھی کہ اس کا دماغ انہیں سچ نہ مان لے۔

کبھی رابرٹ کو یہ خیال آتا کہ ہو نہ ہو، یہ ٹیسون قاتل ہے۔ اسے قتل کرنا چاہتا ہے، کیونکہ مشہور اور بڑے لوگوں کے قتل کے معاملے میں یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے قاتلوں نے اپنے ہدف سے ذاتی ملاقات کی کوشش کی، جیسے کہ ٹیسون اس سے ملا۔ ان میں صدر کینیڈی کا قاتل لی ہاروے اوسوالڈ بھی تھا۔

لیکن جلد ہی رابرٹ نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ اگر وہ اسی طرح لوگوں کے ہجوم میں اپنی موت تلاش کرتا رہا تو وہ گھر سے نکلنے کے قابل ہی نہیں رہے گا، اس کے باوجود وہ سو رہا ہو یا جاگ رہا ہو، ٹیسون کا خیال اس کے ذہن پر ہر وقت سوار رہتا تھا۔ جلد ہی رابرٹ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر ٹیسون پاگل دیوانہ ہے تو وہ خود بھی اس سے کم نہیں رہا ہے۔ ٹیسون شکاری ہے تو وہ شکار ہے اور شکار ہر وقت اپنے شکاری کے بارے میں سوچتا رہا ہے۔ اتنا تو شاید ٹیسون بھی اس کے متعلق نہیں سوچتا ہوگا۔

پری فورڈ میں بظاہر تو سکون تھا۔ سطح پر سب کچھ ٹھیک تھا، لیکن تہ میں کوئی لاوا سا پک رہا تھا۔ اندر تشویش کی آگ دہک رہی تھی، رابرٹ اور کیتھی ایک دوسرے سے کم ہی ملتے تھے، رابرٹ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس سے دور ہو گیا تھا اور جب وہ یکجا ہوتے تو ان کی گفتگو سطحی ہوتی۔ کوئی پریشان کن موضوع چھیڑنے سے دونوں ہی گریز کر رہے تھے۔

کیتھی اپنے وعدے کے مطابق ڈیمین کو زیادہ وقت دے رہی تھی۔ لیکن اس کے نتیجے میں فاصلہ اور بڑھ رہا تھا، ڈیمین بس جیسے تیسے اس کی قربت میں وقت گزار لیتا تھا، وہ خاموش رہتا، جیسے طوعاً و کرہاً اسے برداشت کر رہا ہو، جب مسز بے لاک شاپنگ کر کے واپس آتی تو اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھتا۔

اپنی آیا کے ساتھ وہ ہنستا بھی تھا اور کھیلتا بھی تھا۔ لیکن کیتھی سے وہ کھنچا کھنچا رہتا، کیتھی اسے اس کے خول سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی۔ وہ اس کے لئے رنگ لائی، کلرنگ بکس لائی، بلاکس کے گیم لائی، چلنے والے کھلونوں کے ڈھیر لگا دیے، لیکن وہ اپنے بچے کا التفات نہیں جیت سکی۔ البتہ ایک شام ڈیمین نے ایک کتاب میں غیر معمولی دلچسپی لی، جس میں جانوروں کی تصویریں تھیں، یہ ردعمل دیکھ کر کیتھی نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے چڑیا گھر لے کر جائے گی۔

اس آؤٹنگ کیلئے اس نے اسٹیشن ویگن میں ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لیں، اس روز اسے احساس ہوا کہ وہ نارمل لوگوں سے کتنی مختلف زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا بچہ ساڑھے چار سال کا ہو چکا تھا اور اب تک اس نے چڑیا گھر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، جہاں انہیں سب کچھ بغیر کوشش کے...... خود بہ خود مل جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا بچہ بچپن کے ایڈونچرز سے محروم رہا تھا اور شاید اسی وجہ سے وہ تفریح کے شعور سے بے خبر رہ گیا تھا۔

وہ دن کیتھی کو اچھا لگ رہا تھا، کیونکہ اس کے بچے کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لہرا رہی تھی۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا، کیتھی کو لگا کہ بالآخر اس نے ایک درست فیصلہ کر لیا ہے۔

ڈیمین صرف خوش نہیں تھا، وہ باتیں بھی کر رہا تھا۔ ہپو پوٹے مس اس کے منہ سے نہیں نکل پا رہا تھا، بالآخر جب اس نے صحیح ادائیگی کر لی تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔ کیتھی کے دل میں پہلی بار پھول کھل اٹھے، بچوں کی ہنسی ماؤں کے دلوں میں کس طرح پھول کھلاتی ہے، یہ اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔

شہر کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل باتیں کرتی رہی۔ ڈیمین بہت غور سے سن رہا تھا۔ شیر، بندر اور گوریلوں کی باتیں، وہ اسے بتا رہی تھی کہ گلہری دراصل چوہوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ گھوڑے اور گدھے ایک ہی نسل سے ہیں۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے جانوروں سے متعلق ایک نظم گھڑ کر اسے سنا ڈالی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ڈیمین بہت خوش تھا، وہ بار بار اس نظم کی فرمائش کر رہا تھا......اور کیتھی سنائے جا رہی تھی۔

یوں ہنستے بولتے وہ چڑیا گھر پہنچ گئے۔

وہ موسم سرما کا ایک چمکدار اتوار تھا۔ ایسے دن میں لندن میں کوئی ان ڈور نہیں رہنا چاہتا، چڑیا گھر میں ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ گھاس پر لوگ بیٹھے...... لیٹے تھے۔ دھوپ میں جسم سینکے جا رہے تھے، تازہ ہوا پھیپھڑوں میں اتاری جا رہی تھی۔

آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ جانور بھی بہت خوش ہیں۔ ان کی غراہٹیں اور دہاڑیں دور تک سنائی دے رہی ہیں۔

کیتھی نے دو پاؤنڈ ادا کئے اور ایک پرام کرائے پر لے لیا۔ ڈیمین کو اس میں بٹھا کر وہ پرام دھکیلتی ہوئی چل دی۔

سب سے پہلے انہوں نے راج ہنسوں کو دیکھا...... خوب صورت راج ہنس! بچوں کا ایک چھوٹا سا گروپ اپنے ہاتھوں سے انہیں ڈبل روٹی کے ٹکڑے کھلا رہا تھا۔ کیتھی نے آگے بڑھ کر اپنے اور پرام کے لئے جگہ بنائی، لیکن اس وقت تک ہنس کھانے میں دلچسپی کھو بیٹھے تھے۔ وہ تیرتے ہوئے جھیل کی دوسری طرف چل دیئے، وہ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ بچے انہیں بلا رہے تھے، لیکن ہنسوں نے انہیں نظر انداز کر دیا۔

کیتھی ڈیمین کا پرام دھکیلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دیکھا، ہنس اب پھر بچوں کی طرف واپس آ رہے تھے، جیسے ان کی بھوک لوٹ آئی ہو۔

لنچ کا وقت ہو رہا تھا، ہجوم اور بڑھ گیا تھا۔ کیتھی کوئی ایسا پنجرہ تلاش کر رہی تھی، جہاں لوگوں کا ہجوم نہ ہو۔ داہنی جانب پریری کتوں کا بورڈ لگا تھا۔ کیتھی ڈیمین کو بتا رہی تھی کہ وہ صحرائی کتے ہیں، امریکا میں انہیں پالا بھی جاتا ہے۔

قریب پہنچ کر کیتھی نے دیکھا کہ وہاں بھی لوگوں کا رش ہے۔ سب لوگ اچک اچک کر ایک گڑھے میں جھانک رہے تھے۔ کیتھی نے بڑی مشکل سے جگہ بنائی اور ڈیمین کو لے کر آگے بڑھی۔ وہ کتوں کی بس ایک جھلک دیکھ سکے۔ کیونکہ اچانک ہی کتوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ ادھر ادھر اپنے غاروں میں جا چھپے۔ لوگوں میں مایوسی پھیلی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ڈیمین نے سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی اور پھر مایوسی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

’’شاید ان لوگوں کا بھی لنچ ٹائم ہو گیا ہے‘‘۔ کیتھی نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ آگے بڑھ گئے۔ کیتھی نے سینڈوچ خریدے، ڈیمین اور وہ کھانے لگے، وہ گھاس پر جا بیٹھے تھے۔

’’اب چل کر بندروں کو دیکھتے ہیں‘‘۔ کیتھی نے کہا۔ پھر ڈیمین سے پوچھا۔ ’’بندر دیکھیں گے‘‘؟

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

منکی ہاؤس بہت بڑا تھا۔ جا بجا سائن نصب تھے، بندروں کے پنجرے دکھائی دیئے تو ڈیمین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کا انداز ہیجانی تھا۔ پہلی بار وہ کسی جانور کو دیکھ رہا تھا وہ ایک ریچھ تھا، جو مشینی انداز میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ جنگلے کے اس پار بہت سے لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

لیکن کیتھی اور ڈیمین قریب پہنچے تو ریچھ کو نجانے کیسے ان کی موجودگی کا احساس ہو گیا، وہ چلتے چلتے رکا، ان کی طرف دیکھا اور دانت نکوسنے لگا۔ اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔

برابر والے پنجرے میں ایک بہت بڑی جنگلی بلی تھی۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر ساکت ہو گئی، اس کی زرد آنکھیں ان پر جمی تھیں۔

اگلے پنجرے میں ایک بڑا بندر تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ دانت نکوسنے لگا۔ وہاں سے گزرنے والے سینکڑوں افراد میں سے وہ صرف ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

اب کیتھی کو احساس ہونے لگا کہ وہ دونوں جانوروں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں مختلف پنجروں کے سامنے سے گزرتے رہے، کیتھی سب کچھ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک بات سمجھ لی، تمام جانور چوکنے پن سے صرف اور صرف ڈیمین کو دیکھ رہے تھے اور ان کے انداز میں خوف تھا۔

لگتا تھا کہ ڈیمین کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا ہے۔

’’شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ تم کوئی بہت لذیذ اور خوش ذائقہ چیز ہو‘‘۔ کیتھی نے ہنستے ہوئے ڈیمین سے کہا۔ ’’اور تم ہو بھی‘‘۔

کیتھی ڈیمین کو پنجروں سے دور ایک اور راستے پر لے گئی۔ سامنے والی بلڈنگ کی طرف سے قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کیتھی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ منکی ہاؤس ہے، وہ آنے والوں کا سب سے مقبول مقام تھا، وہاں ایک لمبی قطار تھی۔ کیتھی نے ڈیمین کو گود میں اٹھایا اور قطار میں شامل ہو گئی۔

جہاں وہ تھے، وہاں سے انہیں نظر تو کچھ نہیں آ رہا تھا لیکن بچوں کے قہقہوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ دور کے کسی پنجرے میں بندر زبردست کرتب دکھا رہے ہیں۔ وہ ڈیمین کو گود میں لئے، جگہ بنائی آگے بڑھتی رہی، یہاں تک کہ اس منظر کی جھلک انہیں بالآخر نظر آ گئی۔

اس پنجرے میں کافی تعداد میں چھوٹے بندر تھے اور زبردست موڈ میں تھے۔ وہ لٹکے ہوئے ٹائروں پر جھولتے ہوئے مختلف سمتوں میں لمبی اونچی چھلانگیں لگا رہے تھے۔ دیکھنے والوں کے لئے وہ بہت خوش کن منظر تھا، وہ طرح طرح کے کرتب دکھا رہے تھے۔

کیتھی اور زور لگانے لگی، وہ جلدی سے وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی، تاکہ ڈیمین کو وہ منظر دکھا سکے۔

بندر یا تو تماشائیوں کی طرف سے بے خبر تھے، یا انہیں ان کی موجودگی کی پروا نہیں تھی، لیکن جیسے ہی کیتھی ڈیمین کو گود میں لئے آگے بڑھی اور ان کے سامنے آئی، پنجرے کے اندر کا ماحول اور بندروں کا موڈ یک لخت تبدیل ہو گیا۔ بندروں کا کھلنڈرا پن معدوم ہو گیا۔ ایک ایک کر کے انہوں نے سر گھمائے، ان کی آنکھیں ان کے حلقوں میں تیزی سے گردش کرنے لگیں، جیسے وہ نروس ہو گئے ہوں۔ ان کی نگاہیں لوگوں کی بھیڑ میں جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

لوگوں کو بھی چپ لگ گئی، وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ بندروں نے اچھل کود کیوں چھوڑ دی ہے اور انہیں امید تھی کہ ابھی کسی بھی لمحے بندر دوبارہ کھلنڈرا پن شروع کر دیں گے۔

بندر دوبارہ ایکشن میں آئے......لیکن لوگوں کی توقع کے بالکل برعکس۔

پنجرے میں اچانک ایک باریک اور طویل چیخ ابھری۔ وہ تنبیہی چیخ تھی یا خوف کا اظہار، یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ بہرحال اگلے ہی لمحے وہ چیخ اجتماعی چیخ بن گئی۔ تمام بندر ایک آواز ہو کر چیخ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی پنجرہ جیسے تحریک سے لبالب بھر گیا، بندر اب یوں دیوانہ وار اچھل رہے تھے، جیسے پنجرے سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ان کا رخ پنجرے کی پچھلی دیوار کی طرف تھا، جو تاروں کی بنی ہوئی تھی۔ اس دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی۔

بندر اب ایسے دہشت زدہ تھے، جیسے کسی نے ان کے درمیان کسی خوں خوار درندے کو لا چھوڑا ہو۔ وہ ایک دوسرے کو نوچنے بھنبھوڑنے لگے۔ خون بہنے لگا، لوگ منہ پھاڑے حیران اور خاموش کھڑے تھے۔ لیکن ڈیمین ہنس رہا تھا، ان کی طرف اشارے کرتے ہوئے ہنس ہنس کر بے حال ہوا جا رہا تھا۔

پنجرے میں وحشت اور خوف اور بڑھ گیا، ایک بڑا بندر تاروں سے بنی ہوئی چھت پر چڑھ گیا، وہاں اس کا سر تاروں کے درمیان ایک پھندے میں پھنس گیا۔ وہ کچھ دیر نکلنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور پھندا کستا گیا، بالآخر اس کا جسم بے جان ہو کر جھولنے لگا۔

چڑیا گھر کے منتظمین دوڑے ہوئے آئے، کچھ دروازے کی طرف لپکے، پنجرہ بندروں کی حیوانی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ وہ بری طرح دہشت زدہ تھے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک پاگلوں کی طرف دوڑ رہے تھے، ان میں سے ایک نے کنکریٹ کے فرش سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیا۔ اس کی تھوتھنی اور جسم لہولہان ہو گیا، وہ سر پٹکتا رہا، یہاں تک کہ لڑکھڑا کر گرا اور ختم ہو گیا۔ اس کے ارد گرد دوسرے بندر چیخ اور اچھل رہے تھے، منظر کا ڈراؤنا پن انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

دروازہ کھلا تو بندروں نے وہاں سے بھی نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں تماشائیوں میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ کیتھی کو بھی دھکے لگے، لیکن وہ جیسے بت بن گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اس کا بچہ اس کی گود میں اب بھی ہنس رہا تھا، اشارے کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ اپنی وحشیانہ ہنسی سے جانوروں کو اور دہشت زدہ کر رہا ہو......انہیں مرنے پر اکسا رہا ہو اور کیتھی پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ جانور اس کے بچے سے ڈر رہے ہیں۔ اس تباہ کن المئے کا محرک اس کا بچہ ہی ہے اور اب اس کے دیکھتے ہی دیکھتے تباہی عروج کو پہنچ رہی تھی۔

اور اچانک کیتھی چیخنے لگی!

..................☆..................

اس رات کیتھی دیر سے گھر واپس آئی۔ ڈیمین گاڑی میں سو چکا تھا۔ چڑیا گھر سے نکلنے کے بعد کیتھی صرف ڈرائیو کر رہی تھی، ڈیمین خاموش بیٹھا تھا۔ وہ الجھا ہوا بھی تھا اور دکھی بھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس نے کیتھی کو خوش کرنے کے لئے وہ نظم دہرانے کی ناکام کوشش کی، جو اس نے چڑیا گھر جاتے ہوئے اسے سنائی تھی۔ لیکن کیتھی گنگ بیٹھی تھی۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کرتی رہی۔ اندھیرا چھانے لگا تو ڈیمین نے اشارے سے اسے بتایا کہ وہ بھوکا ہے، لیکن کیتھی خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ آخر ڈیمین سیٹ پر سٹ کر لیٹ گیا۔ وہاں کمبل موجود تھا، اس نے کمبل اوڑھا اور سو گیا۔

کیتھی بے مقصد ڈرائیو کئے جا رہی تھی۔ اصل میں وہ اس خوف کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی، جو دھیرے دھیرے اس کے دل و دماغ کو، اس کے پورے وجود کو جکڑ رہا تھا۔ وہ خوف ڈیمین کے بارے میں تھا نہ مسز بے لاک کے بارے میں۔ وہ خوف اس کے اپنے لئے تھا۔ یہ خوف کہ وہ پاگل پن کی طرف بڑھ رہی ہے۔

پری فورڈ میں رابرٹ تھورن اس کا منتظر تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ بہت خوش وخرم اور تازہ دم واپس آئے گی۔ اس نے کیتھی کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اب وہ کھانے کی چھوٹی میز پر بیٹھے تھے۔ کیتھی اعصاب زدہ لگ رہی تھی اور خاموش بیٹھی کھانا ٹونگ رہی تھی۔ رابرٹ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیتھی ...... تم ٹھیک تو ہو''؟ اس نے پوچھا۔

''ہاں، ٹھیک ہوں''۔

''تو اتنی چپ چپ کیوں ہو''؟

''کچھ بھی نہیں، بس تھک گئی ہوں''۔

''پورا دن باہر رہی ہو نا''؟

''ہاں''۔

کیتھی کے انداز میں کھنچاؤ بھی تھا۔ وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔ بلکہ شاید سوال اسے مداخلت لگ رہے تھے۔ ''اچھا لگا''؟

''ہاں''۔

''تم اتنی ڈسٹرب کیوں لگ رہی ہو''؟

''کیا ایسا ہے''؟ کیتھی کے لہجے میں بناوٹی حیرت تھی۔

''کیا بات ہے؟ کوئی گڑبڑ''؟

''گڑبڑ کیا ہو سکتی ہے''؟

''مجھے کیا معلوم۔ تم اپ سیٹ لگ رہی ہو''۔

''کچھ نہیں۔ تھک گئی ہوں، ایک اچھی نیند کی ضرورت ہے''۔

کیتھی مسکرائی، لیکن رابرٹ کو ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ جھوٹی مسکراہٹ ہے۔ وہ پریشانی سے اسے دیکھتا رہا۔ ''ڈیمین تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں''۔

''تمہیں پورا یقین ہے؟''

''ہاں''۔

رابرٹ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا اور وہ نظریں چرا رہی تھی۔ ''دیکھو...... اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو تم مجھے بتاتیں، بتاتیں نا؟ مجھ سے تو تم کچھ نہیں چھپاتیں۔ میرا مطلب ہے، ڈیمین کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات......''

''ڈیمین کے بارے میں؟ رابرٹ...... ڈیمین ہمارا بیٹا ہے۔ اس کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات ہو ہی نہیں سکتی، ہم تو خوش نصیب ہیں، خدا نے ہمیں بہت بڑا تحفہ دیا ہے ڈیمین کی صورت میں''۔ اس نے رابرٹ کو تکتے دیکھا تو مسکرائی، لیکن اس مسکراہٹ میں خوشی نہیں تھی۔

''تم سنجیدگی سے کہہ رہی ہو''۔

''سوچو نا رابرٹ۔ تھورن فیملی کا کوئی بچہ اچھا ہی ہو سکتا ہے نا۔ یہ تو خون کی بات ہے۔ اچھا خون، اچھی اولاد''۔

رابرٹ کو پھر احساس جرم ستانے لگا۔ ''لیکن مجھے لگتا ہے، کوئی گڑبڑ ہے''۔

کیتھی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پھر وہ ساکت بیٹھی چند لمحے کھانے کی پلیٹ کو گھورتی رہی۔

''کیتھی...... کیا بات ہے۔ مجھے بتاؤ نا''۔ رابرٹ اب گھبرا گیا۔

''میرا خیال ہے......'' کیتھی اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''مجھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے''۔ اس نے سر اٹھایا۔ اس کی نگاہوں میں اذیت تھی۔ ''مجھے خوف ستا رہے ہیں، ایسے خوف جو کسی نارمل انسان کو کبھی نہیں ستاتے''۔

''کیتھی...... کیسے خوف؟'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔ ''وضاحت کرو''۔

''میں بتا دوں تو تم مجھے پاگل سمجھنے لگو گے''۔

''نہیں...... یہ ناممکن ہے''۔ رابرٹ نے اسے یقین دلایا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں''۔

''تو پھر میری مدد کرو''۔ کیتھی گڑگڑانے لگی۔ ''پلیز میرے لئے کسی ڈاکٹر کا بندوبست کرو''۔

کیتھی کی آنکھ سے ایک آنسو اس کے رخسار پر پھسل آیا۔ رابرٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ ڈاکٹر کا بندوبست ہو جائے گا۔''

اب کیتھی رو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس گزرے ہوئے دن کی یاد اس کے حافظے سے کبھی نہیں مٹے گی۔ ہمیشہ اس کے اندر موجود رہے گی۔

............☆............

سائیکیٹرسٹ انگلینڈ میں اتنے عام نہیں، جتنے امریکا میں ہیں۔ اسی لئے رابرٹ تھورن کو ایک ایسے سائیکیٹرسٹ کی تلاش میں، جس پر وہ اعتماد بھی کر سکے، خاصی جستجو کرنا پڑی۔

اس کا نام چارلس گریئر تھا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ تاہم تجربہ بہت وسیع تھا اور بڑے اہم لوگوں نے اس کا نام تجویز کیا تھا۔ کافی عرصے سے وہ جارج ٹاؤن میں رہا تھا اور اس نے کئی امریکی سینیٹرز کی بیویوں کا علاج کیا تھا۔

اس وقت رابرٹ تھورن چارلس گریئر کے دفتر میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''سیاست دانوں کی بیوی کا عام طور پر مسئلہ مے نوشی کی کثرت کا ہے''۔ چارلس گریئر کہہ رہا تھا۔ ''شاید اس کی بنیادی وجہ ان کا احساس تنہائی ہوتا ہے...... یہ احساس کہ انہیں ترک کر دیا گیا ہے اور یہ خوف کہ وہ اپنی شناخت سے محروم ہو گئی ہیں''۔

''آپ اعتماد کی اہمیت تو سمجھتے ہیں''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میرے پاس دینے کے لئے اس کے سوا کچھ ہے بھی نہیں۔ یہی میری کامیابی کا راز ہے''۔ چارلس گریئر نے جواب دیا۔ ''لوگ اپنے راز مجھے سونپ دیتے ہیں، جبکہ وہ کسی اور سے بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اور انہیں بوجھ بھی اتارنا ہوتا ہے۔ مجھے کچھ بھی بتاتے ہوئے وہ نہیں ہچکچاتے۔ اس یقین کے ساتھ بتاتے ہیں کہ ان کا راز میرے پاس محفوظ رہے گا۔ میں آپ سے صرف رازداری ہی کا وعدہ کر سکتا ہوں''۔

''تو میں اپنی بیوی کو آپ کے پاس بھیج دوں؟''

''ان سے اصرار کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف انہیں میرا فون نمبر دے دیں''۔

''یہ بات نہیں کہ وہ ڈاکٹر سے گریزاں ہو۔ اصل میں اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے......''

''گڈ۔ ویری گڈ''۔

رابرٹ تھورن اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اس سے ملاقات کے بعد آپ مجھے فون کریں گے''۔

''میرا خیال ہے، نہیں''۔ ڈاکٹر نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''میرا مطلب ہے، شاید آپ کے پاس مجھے بتانے کے لئے کچھ ہو......''

''دیکھئے...... میں جو کچھ بتاؤں گا، انہی کو بتاؤں گا''۔

''اگر کوئی پریشانی کی بات ہو......''

''آپ کی بیوی میں خودکشی کا رجحان تو نہیں ہے؟''

''جی نہیں''۔

''تو پھر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے، معاملہ اتنا سنگین نہیں، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں''۔

رابرٹ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی پریشانی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔

''مسٹر تھورن''۔ ڈاکٹر نے اسے پکارا۔

''جی؟'' رابرٹ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ آج یہاں کیوں آئے؟''

''آپ سے ملنے کے لئے''۔

''کس وجہ سے؟''

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کیسے ہیں''۔

''کوئی خاص بات کرنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟''

رابرٹ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ چند لمحے سوچا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ''کیا آپ کے خیال میں مجھے کسی سائیکیٹرسٹ سے ملنا چاہئے؟''

''یہ فیصلہ تو آپ ہی کر سکتے ہیں''۔

''آپ کے خیال میں مجھے نفسیاتی امداد کی ضرورت ہے؟''

''آپ خود بتائیں''۔

''میرے خیال میں مجھے ضرورت نہیں''۔

رابرٹ پلٹا اور آفس سے نکل آیا۔

اپنے دفتر پہنچ کر رابرٹ چارلس گریئر سے اپنی گفتگو کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا واقعی اسے خود بھی کسی سائیکیٹرسٹ کی ضرورت ہے؟ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ چارلس گریئر سے بات کرے۔ وہ اسے وہ باتیں بتانا چاہتا تھا، جو اس نے کبھی کسی سے نہیں کہی تھیں۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں تھا۔ جو جھوٹ اس نے تخلیق کیا تھا، اسے اس کے ساتھ جینا تھا۔ وہ جھوٹ اس کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بن گیا تھا۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ کسی کو بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

دن سست رفتاری سے گزرتا رہا۔ رابرٹ اپنے لئے ایک اہم تقریر تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگلی شام اسے کچھ ممتاز کاروباری لوگوں کے سامنے وہ تقریر کرنی تھی۔ رابرٹ کا خیال تھا کچھ عرب نمائندے بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس تقریر کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی تقریر مصالحانہ ہو تا کہ عربوں کی ناراضی کچھ کم ہو۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان مسلسل تنازعے کے نتیجے میں امریکا اور عربوں کے درمیان اختلافات کی خلیج دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ رابرٹ جانتا تھا کہ عرب اور اسرائیل کے درمیان دشمنی کی نوعیت تاریخی ہے۔ وہ ایسی دشمنی تھی، جس کی بنیاد مذہبی تھی۔ اسی لئے رابرٹ ان دنوں بائبل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ تا کہ اس دشمنی کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔ پھر یہ بھی تھا کہ سامعین بائبل کے حوالوں سے متاثر بھی ہوتے تھے۔

اس نے لنچ کا آرڈر دیا اور اپنا کمرا بند کر کے مطالعہ کرنے بیٹھ گیا۔ اس نے ضروری کتابیں جمع کر لی تھیں۔

بچپن کے بعد وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بائبل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کی روشنی میں مشرق وسطیٰ کی صورت حال کو سمجھتے ہوئے وہ مسحور سا ہو گیا۔ اس نے پڑھا کہ پہلی بار خدا نے ابراہیمؑ سے وعدہ کیا تھا کہ سرزمین مقدس ان کی اولاد کو ملے گی اور وہ مقدس سرزمین دریائے نیل سے لے کر لبنان اور دریائے فرات تک تھی۔ رابرٹ نے اٹلس کا جائزہ لیا اور سوچا کہ اسرائیل تو اس موعود مملکت کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے، یعنی اصل سرزمین سے تو اسرائیل اب بھی محروم ہے۔ تو کیا ایسا ہے کہ اسرائیل کی توسیع پسندی کا محرک خدا کا وہی وعدہ ہے۔

اور رابرٹ نے ہنستے ہوئے سوچا...... خدا نے وعدہ کیا ہے تو خدا پورا بھی کرے گا۔

''اگر تم نے اور تمہاری آنے والی نسلوں نے وہ وعدہ پورا کیا، جو مجھ سے کیا ہے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، تم نے وعدہ نبھایا تو میں تمہاری نسل میں خدا ترس لوگ پیدا کروں گا...... اور تمہیں ایک عظیم مملکت عطا کروں گا''۔

یہ خدا کے الفاظ تھے!

رابرٹ تھورن کی سمجھ میں یہ بات آتی تھی۔ وہ وعدہ مشروط تھا۔ یہودیوں نے خدا سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا، اس لئے وہ بے گھر اور ذلیل وخوار پھر رہے ہیں اور پھر یہ تاریخی روایت بھی ہے کہ یہودیوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ہی یہودیوں کو بتا دیا گیا تھا کہ......

''اب تم تتر بتر ہو جاؤ گے اور جن اقوام میں بھٹکتے پھرو گے، ان کے درمیان تم بہت حقیر تعداد میں ہو گے، تم غلامی کی زندگی گزارو گے...... اس وقت تک جب تک تمہارے پیش رو خدا کے غضب کو دعوت نہیں دیتے''۔

یہ صاف اور واضح پیش گوئی تھی جو درست ثابت ہوئی تھی۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہودیوں کا قتل عام ہوتا رہا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ کیا ان کے پیش رؤں نے خدا کے غضب کو دعوت دی ہے؟ کیا یہودیوں کا اچھا وقت آ گیا ہے؟

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ تھورن نے تاریخی حوالوں کا جائزہ لیا۔ یہودیوں کی ذلت اور خواری کا آغاز حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہوا، جب وہ اسرائیل سے نکالے گئے۔ پھر بھاگتے ہوئے یہودیوں کا قتل عام صلیبیوں نے کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ 1000ء میں بارہ ہزار یہودی قتل ہوئے، وہ تمام یہودی جنہوں نے انگلینڈ میں پناہ لی تھی، یا تو نکال دیئے گئے یا پھانسی چڑھا دیئے گئے۔ پھر 1298ء میں فرانس، بواریا اور آسٹریا میں ایک لاکھ یہودی قتل کئے گئے۔ ستمبر 1306ء میں ایک لاکھ یہودی موت کے خوف سے فرار ہوئے۔ 1348ء میں یہودیوں پر الزام لگا کہ دنیا پر سیاہ طاعون کی آفت وہی لائے ہیں۔ چنانچہ ایک لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ اگست 1492ء میں جب کولمبس ایک نئی دنیا دریافت کر رہا تھا، ہسپانویوں نے پانچ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور پانچ لاکھ کو اپنی سرحدوں سے باہر دھکیل دیا۔ پھر ہٹلر کا تباہ کن دور آیا، جس میں 60 لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ایک کروڑ دس لاکھ یہودی بے گھری اور عسرت کا شکار ہوئے اور دنیا میں بکھر گئے۔ اس وقت یہی ان کی تعداد تھی۔ وہ صرف ایک کروڑ دس لاکھ بچے تھے۔

شاید یہ مسلسل بے گھری اور خطرات کا ہی نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے بے پناہ عزم کے ساتھ اپنے لئے ایک علیحدہ اور آزاد وطن کی جدوجہد کی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر جنگ کو اپنی آخری جنگ...... اپنی بقا کی جنگ سمجھ کر لڑتے تھے اور ایسے لوگوں سے کون جیت سکتا ہے؟

کتاب مقدس میں خدا کا جو وعدہ تھا، رابرٹ تھورن نے اس کی تشریح کا جائزہ لیا۔ تشریح بتاتی تھی کہ خدا کے دعوے کی تین اہم مشقیں تھیں۔ ایک تو وطن کے تحفے کا وعدہ تھا۔ دوسرا یہ تھا کہ آل ابراہیم علیہ اسلام ایک عظیم قوم بنے گی اور تیسرا اور سب سے بڑا وعدہ نجات دہندہ کی واپسی کا تھا۔

اس کے مطابق یہودیوں کی اسرائیل واپسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ ظہور سے جڑی ہوئی تھی۔ اگر یہ تشریح درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا وقت نزدیک ہے۔ اس دوسرے ظہور کے متعلق تفصیلات نہیں تھیں کہ یہ کب اور کیسے ہوگا۔ تمام پیش گوئیاں علامتی اور دیومالائی دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اس وقت مسیح علیہ السلام روئے زمین پر موجود ہوں۔ کیا پتا، ان کی ولادت ہوگئی ہو اور وہ اس وقت دنیا میں، لوگوں کے درمیان چل پھر رہے ہوں۔

رابرٹ تھورن بنیادی طور پر سوچنے والا آدمی تھا۔ وہ اس سلسلے میں امکانات تلاش کرتا اور ان پر غور کرتا رہا، اب اگر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں تو وہ چوغہ تو نہیں پہنتے ہوں گے اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی نہیں ہوگا۔ وہ عام لباس پہنتے ہوں گے...... سوٹ...... ٹائی؟ لیکن اگر وہ پیدا ہو چکے ہیں تو خاموش کیوں ہیں؟ دنیا کی اس ابتر حالت پر کچھ بولتے کیوں نہیں؟

رابرٹ ان تمام خیالات کو اپنے گھر لے گیا...... ساتھ ہی وہ تمام کتابیں بھی، جن سے وہ مدد لے رہا تھا۔

کیتھی سونے کے لئے چلی گئی اور مکان تاریکی اور خاموشی میں ڈوب گیا۔ رابرٹ نے اپنی اسٹڈی میں وہ کتابیں کھولیں اور مزید غور و فکر کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے خیال نے اس کے تصور کو مہمیز کر دیا تھا۔

کتاب پیش گوئی میں لکھا تھا کہ مسیح علیہ السلام زمین پر واپس آئیں گے تو ان کا سامنا دجال سے ہوگا۔ دجال جو شیطان کا بیٹا ہے۔ تب نیکی اور بدی، خیر اور شر کے درمیان آخری معرکہ ہوگا۔ تب آخری تباہی ہوگی...... دنیا کا خاتمہ...... قیامت!

اچانک اس مکمل سکوت میں رابرٹ تھورن کو ایک آواز سنائی دی۔ وہ مکان کے اوپری حصے سے آئی تھی...... کسی کے سسکنے کی آواز! دو تین سسکیوں کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

رابرٹ اٹھا اور اوپر گیا۔ چند لمحے وہ کیتھی کو تکتا رہا۔ وہ سو رہی تھی، لیکن وہ پرسکون نیند نہیں تھی۔ وہ بے چین تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا وہ اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پرسکون ہوگئی۔ رابرٹ کمرے سے نکل آیا۔

تاریک ہال میں ٹٹول ٹٹول کر زینے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ مسز بے لاک کے کمرے کے سامنے سے گزرا۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی چاندنی میں مسز بے لاک سوتی نظر آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ گوشت کا کوئی پہاڑ سانس لے رہا ہے۔

رابرٹ تھورن آگے بڑھتے بڑھتے ٹھٹھک کر رک گیا۔ مسز بے لاک کے چہرے کو دیکھ کر اسے شاک لگا تھا۔ اس کا چہرہ خوفناک حد تک سفید ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی، جو خون کا تاثر اجاگر کر رہی تھی۔ کچھ اس لئے کہ لپ اسٹک بے ڈھنگے پن سے لگائی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خون پیتے پیتے سو گئی ہے۔

رابرٹ کی رگوں میں خون جمنے لگا۔ وہ کسی اعتبار سے کوئی عام منظر نہیں تھا اور بات ناقابل فہم بھی تھی۔ اپنے کمرے کی خلوت میں مسز بے لاک نے ادا فروش عورتوں کا سا حلیہ بنایا تھا۔

رابرٹ دروازہ بند کر کے نیچے چلا آیا۔ اب وہ پھر کتابوں کو دیکھ رہا تھا، لیکن وہ ارتکاز سے محروم ہو چکا تھا۔ کھلے صفحات پر اس کی نظریں ٹھہر نہیں رہی تھیں...... ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔

پھر اس کی نظریں کتاب دانیال کے کھلے صفحے پر جم گئیں۔ وہ پڑھنے لگا......

''...... اور تب اس قابل نفرت ہستی کو عروج حاصل ہوگا، جسے خدا کی تائید حاصل نہیں ہوگی۔ وہ جھوٹے اور جعلی طریقوں سے وجود میں آئے گا اور فریب کے زور پر مملکت حاصل کرے گا۔ فوجیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی اور ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ اس کا ہر عمل منافقانہ اور دھوکے اور فریب پر مبنی ہوگا۔ بہت تھوڑے لوگوں کے ساتھ وہ بہت زیادہ قوت حاصل کر لے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے پناہ دولت حاصل کر لے گا۔ وہ وہ کچھ کرے گا، جو اس کے باپ دادا، پردادا نے بھی کبھی نہیں کیا ہوگا۔ وہ بڑی طاقتوں کے خلاف منصوبے بنائے گا اور فتح یاب ہوگا۔ وہ خود کو ہر دیوتا سے برتر ثابت کرے گا اور وہ خداؤں کے خدا کے خلاف لرزہ خیز باتیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک پنپے گا، پھلے پھولے گا، جب تک اس کی زیادتیوں اور عیاریوں کے خلاف برہمی اور نفرت انتہا کو نہیں پہنچے گی۔ کیونکہ جو کچھ طے کیا جا چکا ہے، وہ تو ہو کر رہنا ہے۔

رابرٹ نے اپنی دراز کھولی اور ٹٹول کر سگریٹ نکالی۔ سگریٹ سلگا کر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اصل میں جو کچھ اس نے اوپر مسز بے لاک کے کمرے میں دیکھا تھا، اس نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اس طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے اس کی ریسرچ پر توجہ مرکوز نہیں کرنے دے رہی تھی۔

کتاب کہتی تھی کہ یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے تو وہی عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا وقت ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ دجال سے ہوگا۔ دونوں الگ الگ پلیں بڑھیں گے اور مقام حاصل کریں گے، یہاں تک کہ ان کے مقابلے کا وقت آجائے گا۔

رابرٹ پھر مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا!

...... اس دن سے ڈرو۔ وہ بہت بے رحم، بہت ہولناک دن ہوگا۔ اس کی گرمی اور طوالت سے انسان پناہ مانگیں گے۔ اس دن زمین سمیٹ دی جائے گی...... اور انسان عدم ہو جائے گا...... نایاب!

اور خدا ان لوگوں پر اپنے قہر کا سخت ترین وار کرے گا، جنہوں نے مقبوضہ بیت المقدس کے خلاف جنگ چھیڑی۔ ان کے جسموں سے گوشت گل کر بہہ جائے گا۔ ان کی آنکھیں اپنے حلقوں میں سڑ جائیں گی اور ان کی زبانیں ان کے مونہوں میں ٹھٹھر جائیں گی......

شیطان درندے کو بھیجے گا...... پوری قہرناکی اور قہرسامانی کے ساتھ، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ تو جو بھی ایمان والا سمجھنا چاہے، وہ سمجھ لے کہ درندے کا انسانی نمبر 666 ہے......

رابرٹ نے کتابیں بند کیں اور لیمپ بجھا دیا۔ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا...... یہ کیسی کتابیں ہیں...... کس نے لکھی ہیں...... اور کیوں لکھی گئی ہیں؟ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیوں وہ ان پر یقین رکھتا ہے، مگر دوسری طرف انہیں مسترد بھی کرتا ہے۔ ان کتابوں پر یقین کرنے سے کوشش اور جدوجہد بے سود اور لاحاصل ثابت ہوتی ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ انسان محض کھلونا ہے...... خدا کا یا شیطان کا؟ کیا ہم محض کٹھ پتلیاں ہیں، جن کی ڈور آسمان سے ہلائی جا رہی ہے، کیا جنت اور دوزخ کا وجود ہے؟ اسے احساس تھا کہ یہ سوال بچکانہ ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس پر غور کرنے پر مجبور تھا۔

ابھی حال ہی میں اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے اندر ایسی قوتیں ہیں، جن پر اس کا قابو نہیں ہے اور وہ قوتیں بامقصد اور مرکوز ہیں۔ اس احساس نے اسے کمزوری کا، اپنے فانی ہونے کا اور بے بسی کا شدید احساس دلایا تھا۔ ایک وہی نہیں، تمام انسان بے بس ہیں۔ کسی انسان نے پیدا ہونے کی خواہش کی نہ مرنے کی۔ وہ تو مجبور ہے، نہ اپنے ارادے سے پیدا ہوتا ہے، نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے لیکن زندگی گزارنے کے اس عمل میں وہ کتنی اذیتیں اٹھاتا ہے۔

وہ کاؤچ پر لیٹ کر سو گیا۔ اس کے خواب خوف سے چھلکتے ہوئے خواب تھے۔ اس نے خود کو عورتوں کے لباس میں دیکھا جبکہ اسے احساس تھا کہ وہ مرد ہے اور وہ ایک پرہجوم سڑک پر تھا۔ ایک پولیس مین کو اس نے روکا۔ وہ پولیس والے کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ راستا بھول گیا ہے اور خوف زدہ ہے۔ لیکن پولیس والا ٹریفک کنٹرول کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ گاڑیاں رابرٹ کے اتنے قریب سے گزر رہی تھیں کہ اسے تقریباً چھو رہی تھیں۔ ادھر ہوا بہت تیز چل رہی تھی...... اتنی تیز کہ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ پھنس گیا ہے۔ اس نے مدد کے لئے پکارا، لیکن ہوا کے شور میں کوئی اس کی آواز نہیں سن سکا۔ جبکہ پولیس والا اس کے وجود کو ماننے سے ہی انکاری تھا۔

اچانک ایک سیاہ کار ڈگمگاتی ڈولتی اس کی طرف لپکی۔ اس نے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن ہوا کے جھکڑوں نے اسے واپس دھکیل دیا۔ کار قریب آئی تو اس نے ڈرائیور کا چہرہ دیکھا۔ اس کا چہرہ نقوش سے...... خد و خال سے محروم تھا۔ لیکن وہ ہنس رہا تھا، جہاں دہانہ ہونا چاہئے تھا، وہاں سے گوشت چر گیا تھا اور خون نکل رہا تھا۔

کار اب بہت قریب آچکی تھی!

ٹکر ہونے ہی والی تھی کہ رابرٹ کی آنکھ کھل گئی۔ اس سے سانس نہیں لی جا رہی تھی اور وہ پسینے میں شرابور تھا۔ دھیرے دھیرے وہ خواب کی گرفت سے آزاد ہو گیا، اب وہ ساکت و صامت لیٹا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور سر گھما کر دیکھا۔ صبح ہونے والی تھی، مکان میں گہری خاموشی تھی۔ رابرٹ کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ بڑی مشکل سے اس نے اندر ابھرنے والی اس خواہش پر قابو پایا۔

..................☆..................

کاروباری لوگوں سے رابرٹ تھورن کا خطاب مے فیئر ہوٹل میں ہونا تھا۔ سات بجے تک ہوٹل کا کنونشن روم کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ رابرٹ نے اپنے معاونین سے کہہ دیا تھا کہ اس خطاب کی پریس کوریج ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے شام کے اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرا دی تھی۔ چنانچہ وہاں متوقع شرکا کے علاوہ پریس رپورٹرز بھی موجود تھے، ان کے علاوہ عام سڑک چھاپ لوگ بھی موجود تھے، جنہیں پیچھے کھڑے ہونے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی نے رابرٹ تھورن میں خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پچھلی کئی بار سے ان کے نمائندے رابرٹ کی تقریر سننے تو نہیں، مداخلت کرنے اور اسے گڑبڑانے کی نیت سے آتے تھے۔ رابرٹ کو امید تھی کہ وہ آج رات بھی موجود ہوں گے۔

لیکٹرن کی طرف بڑھتے ہوئے رابرٹ کو فوٹو گرافرز کا ایک چھوٹا سا گروپ نظر آیا۔ ان میں وہ بھی تھا، جس کا کیمرا اس نے سفارت خانے کے سامنے توڑ دیا تھا۔ اب وہ ایک نیا کیمرا لئے کھڑا تھا، اسے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ فوٹو گرافر مسکرایا۔ جواباً رابرٹ بھی مسکرایا۔ دراصل اسے فوٹو گرافر سے اس کشادہ دلی کی توقع نہیں تھی۔

رابرٹ ہال میں خاموشی ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے تقریر شروع کی۔ اس نے عالمی معیشت کا نقشہ کھینچا اور ایک کامن مارکیٹ کی اہمیت اجاگر کی۔ ''ایک شخص کو کچھ خریدنا ہے اور دوسرے کو وہی کچھ بیچنا ہے تو امن کی اہمیت خود بہ خود سامنے آتی ہے''۔ وہ کہہ رہا تھا ''اور اگر کسی کو کچھ خریدنا ہے اور وہ ضرورت کی چیز ہے اور دوسرا جس کے پاس وہ چیز ہے، وہ اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا، تو یہ جنگ کی طرف اٹھنے والا پہلا قدم ہے۔ ہم انسانوں کو بنیادی اہمیت کی یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اصل میں ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ زمین اور قدرتی وسائل میں برابر کے ساجھے دار، کیونکہ قدرت نے جو کچھ دیا ہے، وہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ خدا نے ہوا کو انسانوں کی اجارہ داری سے محفوظ کر کے ہمیں یہ اہم نکتہ سمجھا دیا ہے۔ ہم نہ سمجھیں، یہ الگ بات ہے''۔

وہ بڑی موثر تقریر کر رہا تھا۔ تمام لوگ سحر زدہ ہو کر سن رہے تھے، ہال میں خاموشی تھی۔

اب وہ معیشت اور سیاسی ابتری کا باہمی تعلق بیان کر رہا تھا۔ وہ حاضرین میں موجود عربوں کو خاص طور پر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''غربت کا احتجاج تو ہماری سمجھ میں آتا ہے، لیکن ہمیں ذہن میں رکھنا چاہئے کہ تعیشات کی کثرت کے نتیجے میں جو شکایات پیدا ہوتی ہیں، وہ تہذیبوں کو تہس نہس کرتی رہی ہیں۔ انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے......''

وہ پر جوش لہجے میں بول رہا تھا۔ حنیف اس کے چہرے کو کلوز اپ میں فوکس کر کے تصویریں بنا رہا تھا۔

''یہ ایک اداس کن مگر کڑوا سچ ہے''۔ رابرٹ کہہ رہا تھا۔ ''زمانہ قدیم کے مصر میں جو لوگ بڑا مقام و مرتبہ اور منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے......''

''زمانہ قدیم کی کیا بات ہے، تمہاری اپنی بھی یہی پوزیشن ہے''۔ مجمع میں سے کسی نے بلند آواز میں کہا۔

رابرٹ کہتے کہتے رکا اور اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا، لیکن یہ پتا نہ چل سکا کہ بولنے والا کون تھا اور آواز بھی دوبارہ نہیں سنائی دی۔ ''فراعنہ کے دور میں مصر میں جو لوگ صاحب اقتدار و ثروت گھرانوں میں......''

''ہاں ہاں...... آج کی بات چھوڑو، ہمیں اس دور کے بارے میں بتاؤ''۔ وہ آواز پھر ابھری۔ اس کے ساتھ ہی مجمع میں عصیلی سی ہلچل مچی۔ رابرٹ نے پھر نگاہ پر زور دیا اور اسے نظر آ گیا۔ وہ ایک طالب علم تھا، اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ وہ نیلی جینز پہنے تھا اور کمیونسٹ معلوم ہوتا تھا۔ ''مسٹر تھورن، تم غربت کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہو''۔ لڑکے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''زندگی میں ایک دن بھی تمہیں پیٹ بھرنے کے لئے محنت نہیں کرنی پڑی''۔

لوگوں نے غصے سے اسے دیکھا۔ کچھ اس پر چلائے بھی۔ لیکن رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔ ''یہ نوجوان کچھ کہنا چاہتا ہے، ہمیں اس کی بات بھی سننی چاہئے''۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

لڑکا آگے بڑھ آیا۔ رابرٹ اسے تھکا دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خوب بولے، اس طرح اس کا امیج بھی بنے گا۔

''آپ ساجھے داری کی بات کرتے ہیں تو اپنی دولت دوسروں کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے''۔ لڑکے نے چیخ کر کہا۔ ''اپنی دولت کا حساب بھی ہے آپ کے پاس۔ کتنے ہزار ملین ڈالر ہیں آپ کے پاس اور دنیا میں ہر روز کتنے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو ریزگاری آپ بڑی بے پروائی سے جیب میں ڈال کر پھرتے ہیں، اس سے کتنے بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا مل سکتا ہے۔ جو تنخواہ آپ اپنے شوفر کو ہفتہ وار دیتے ہیں، اس میں انڈیا کی ایک بڑی فیملی کا پورا مہینہ گزر سکتا ہے۔ آپ کے چالیس ایکڑ کے لان میں جو گھاس ہے، وہ بنگلہ دیش کی آدھی آبادی کو ایک وقت کی خوراک دے سکتی ہے۔ جو رقم آپ اپنے بچے کی برتھ ڈے پارٹی پر خرچ کرتے ہیں، اس رقم میں ایتھوپیا کی پوری آبادی ایک دن پیٹ بھر سکتی ہے۔ آپ دوسروں سے کہتے ہیں کہ اپنی دولت شیئر کرو۔ ذرا خود بھی تو شیئر کر کے دکھائیں۔ کوئی مثال تو قائم کریں۔ چار سو ڈالر کا سوٹ پہن کر غربت کے بارے میں تقریر تو کوئی بھی کر سکتا ہے، اثر کہاں سے آئے گا؟''

لڑکے نے سامعین پر بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

''تمہاری بات مکمل ہو گئی؟'' رابرٹ نے پیچھے کھڑے لڑکے سے پوچھا۔

''نہیں، ابھی تو مجھے بہت کچھ کہنا ہے''۔ لڑکے نے کہا۔ ''یہ تو تھی ذاتی بات۔ اب ذرا قومی اور بین الاقوامی سطح پر بات کر لیں۔ آپ ابھی زمین اور وسائل کو شیئر کرنے کی بات کر رہے تھے اور آپ نے کہا کہ ایک شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور وہ اسے خریدنے کا خواہش مند ہو، جبکہ دوسرا شخص جس کے پاس اس کی مطلوبہ چیز ہو اور وہ بیچنا نہ چاہے تو جنگ کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ ہے آپ کا فلسفہ۔ میرے نزدیک یہ جانوروں کی سوچ ہے، انسان مادی ضرورت کے لئے جنگ کرے تو انسانیت کے مرتبے سے گر جاتا ہے اور یہ حیوانیت ہے......''

''میں یہ...... میرا مطلب......'' رابرٹ نے کہنا چاہا۔

''مجھے بات پوری کرنے دیں، میں یہاں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے عزائم کیا ہیں۔ وسائل اور دولت کی امریکا میں کمی نہیں، ذرا یہ بتائیں کہ آپ انہیں کہاں استعمال کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خرچ آپ ہتھیاروں پر کر رہے ہیں نا! کیا یہ سچ نہیں کہ آپ نے ایٹمی اسلحے کے انبار لگا رکھے ہیں؟ کس لئے؟ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں، دو شہروں پر ایٹم بم گرا کے آپ اس کا عملی جواب دے چکے ہیں، اب آپ وسائل شیئر کرنے کی بات کرتے ہیں تو عربوں کو اپنا تیل آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہئے، یہی کہہ رہے ہیں نا آپ؟ تو آپ اپنا کچھ ان کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے؟ آپ ایٹمی ٹیکنالوجی پوری دنیا کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ آپ تو پوری دنیا کو اس سے روکتے ہیں۔ آپ نہیں چاہتے کہ کوئی اور ایٹمی طاقت ہو۔ آپ نہیں چاہتے کہ کسی کے پاس آپ کے مقابلے کا اسلحہ ہو، کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ دنیا بھر کے حکمراں بننا چاہتے ہیں۔ آپ دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانا چاہتے ہیں۔ اب ذرا اپنی باتوں میں ربط قائم کیجئے۔ اگر عرب اپنا تیل آپ کو نہیں دیں گے تو آپ ان سے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اصل میں یہی کہہ رہے تھے نا آپ؟ تو حقیقت بس یہ ہے کہ آج آپ عربوں سے ڈپلومیسی سے کام لے رہے ہیں۔ مگر دس سال...... بیس سال بعد آپ اپنے اسلحے کے زور پر پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کریں گے۔ یہی ہونا ہے، یہی آپ کا ارادہ ہے۔ آپ نے جاپان پر ایک نہیں، دو ایٹم بم گرائے۔ صرف یہ چیک کرنے کے لئے کہ جو بم آپ نے بنائے ہیں، وہ واقعی تباہ کن ہیں۔ پھر آپ نے اور بھیانک بم بنائے اور بناتے چلے گئے۔ شخصی آزادی، بنیادی انسانی حقوق اور جمہوریت کے فروغ کے نام پر آپ نے ویت نام، کوریا اور ایران میں اپنے اسلحے کو آزمایا اور آنے والے وقت میں آپ عرب اور ایران میں وہاں کے عوام کے بنیادی حقوق کے نام پر لڑیں گے اور ان کے وسائل پر قابض ہو جائیں گے۔ آپ کے منہ سے انسانیت کی بات اچھی نہیں لگتی۔ آپ کا عمل انسان دشمنی کا ہے، انسان دوستی کا نہیں''۔

تالیوں کا حجم اس بار اور زیادہ تھا۔ رابرٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب قیاس آرائیاں ہیں اور کچھ نہیں''۔

''ایک بات بتائیں۔ آپ کتنے دولت مند ہیں؟ راک فیلر جتنے؟''

''نہیں...... ایسا بھی نہیں''۔

''جب راک فیلر کو نائب صدر مقرر کیا گیا تو اخبارات میں ان کی آمدنی کی تفصیل چھپی۔ لکھا گیا کہ ان کی آمدنی تین سو ملین ڈالر سے کچھ ہی زیادہ ہے اور وہ ''کچھ ہی زیادہ'' کتنا تھا...... پتا ہے آپ کو؟ 33 ملین ڈالر! وہ گننے کے قابل رقم نہیں تھی۔ وہ راک فیلر کی ریزگاری تھی۔ جبکہ اس وقت دنیا کی آدھی آبادی بھوک اور عسرت کا شکار تھی۔ مجھے یہ تو بتا دیں کہ اتنی دولت کس کام کی۔ کیوں لوگ اتنی دولت کماتے ہیں اور سنبھال کر رکھتے ہیں؟''

''میں راک فیلر نہیں ہوں''۔

''سب کہنے کی باتیں ہیں۔ راک فیلر بھی یہی کہتا تھا''

''اچھا...... اب تم مجھے جواب دینے کا موقع دو گے؟''

''ایک بچہ! ایک بھوکا بچہ! صرف ایک بھوکے بچے کے لئے کچھ کر دو۔ ہم تمہیں درست مان لیں گے۔ کم از کم ایک بار اپنے منہ سے نہیں، بڑھتے ہوئے ہاتھ سے بات ثابت کر کے دکھاؤ۔ عمل کر کے دکھاؤ۔ بڑھاؤ ہاتھ......''

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''میرا خیال ہے، میں یہ پہلے ہی کر چکا ہوں''۔ رابرٹ تھورن نے کہا۔

''تو وہ بچہ کہاں ہے اس وقت؟ کہاں ہے وہ بچہ، جسے تم نے بچایا تھا۔ ہمیں بتاؤ نا مسٹر تھورن''۔

''میرا خیال ہے، ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں، جن کی ذمے داری ایک بھوکے بچے سے کہیں زیادہ ہے''۔

''مسٹر تھورن، جب تک آپ پہلے بھوکے بچے کو نہیں بچاتے، دنیا کو بچانے کی بات نہیں کر سکتے''۔

اب لوگ اس نوجوان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس کے ہر جملے پر تالیاں بج رہی تھیں۔

رابرٹ خود کو گھرا ہوا محسوس کرنے لگا۔ ''تم اندھیرے میں کھڑے مجھ پر وار پہ وار کئے جا رہے ہو......'' اس نے کہا۔

''تو لائٹس آن کرا دو...... تب میں تم پر اور زیادہ وار کروں گا اور وہ بھی زیادہ بلند آواز میں''۔ لڑکے نے چیلنج کیا۔

لوگ ہنسنے لگے۔ رابرٹ کے اشارے پر لائٹس آن کر دی گئیں۔ رپورٹرز اور فوٹو گرافرز اٹھنے لگے۔ وہ سب پلٹ کر پیچھے کھڑے لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔ حنیف کو پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ دور کا لینس کیوں نہیں لایا۔ اب وہ فوکس کر رہا تھا تو لڑکے کے ساتھ کئی ایک افراد فریم میں آ رہے تھے۔

اسٹیج پر رابرٹ پرسکون تھا۔ لیکن روشنی ہوتے ہی اس کا انداز یک لخت بدل گیا۔ اب اس کی نگاہیں لڑکے پر نہیں، کہیں اور تھیں...... اور جس پر تھیں، وہ لڑکے کے پیچھے قدرے نیم تاریکی میں تھا۔ وہ مختصر الوجود پادری ٹیسون تھا۔ اپنے ہاتھوں میں ہیٹ دبوچے، اسے بھینچتا ہوا وہ بہت نروس دکھائی دے رہا تھا۔ رابرٹ کو اس کا چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ پادری ہی ہے اور اس خیال نے اسے جیسے پتھرا دیا۔

''کیا بات ہے مسٹر تھورن؟'' لڑکے نے چیلنج کیا۔ ''تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا؟''

رابرٹ تھورن اچانک ہی جیسے اپنی توانائی سے محروم ہو چکا تھا، وہ گنگ کھڑا تھا اور ایک نامعلوم خوف اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا اور وہ پادری کو گھورے جا رہا تھا۔

اسٹیج سے نیچے حنیف نے رابرٹ کی ٹھٹھری ہوئی نگاہ کو دیکھا اور اپنا کیمرا لئے ہوئے پلٹ گیا۔ رابرٹ اسی طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے کئی تصویریں کھینچ لیں۔

''کم آن مسٹر تھورن''۔ لڑکے نے پھر چیلنج کیا۔ ''اب تو میں تمہیں نظر آ رہا ہوں نا۔ کچھ تو کہو، تمہیں کیا کہنا ہے''۔

''میرا خیال ہے، تمہاری...... بعض باتیں...... معقول ہیں''۔ رابرٹ نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''ہم سب کو دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے کام کرنا چاہئے۔ میں اس سلسلے میں کافی کچھ کرتا رہا ہوں، لیکن مزید کرنے کی کوشش کروں گا''۔

اس کی بات نے نہ صرف لڑکے کو، بلکہ تمام سامعین کو حیران کر دیا، وہ ان کے لئے قطعی غیر متوقع جواب تھا۔

کسی نے چیخ کر لائٹس آف کرنے کو کہا۔ اندھیرا ہو گیا۔ رابرٹ پھر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ ذرا دیر بعد اس کی آنکھیں اندھیرے سے ہم آہنگ ہوئیں تو پادری کا چوغہ اسے صاف نظر آیا۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ پادری مسلسل اس کا پیچھا کر رہا ہے!

..................☆..................

حنیف اس رات دیر سے گھر واپس پہنچا۔ اس نے فلمیں ڈویلپر میں رکھ دیں۔ امریکی سفیر رابرٹ کی شخصیت میں بڑی عجیب سی کشش تھی۔ آج اس کشش میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

حنیف کی چھٹی حس بہت توانا تھی۔ یہ کہنا بہت ہو گا کہ وہ سونگھ لیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے خوف کی بو سونگھ لی تھی۔ اپنے کیمرے کے ویو فائنڈر سے رابرٹ تھورن کو دیکھتے ہوئے اسے واضح طور پر اس کے خوف کا اندازہ ہو گیا تھا اور اس کے نزدیک وہ بے نام خوف بھی نہیں تھا، کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ رابرٹ تھورن نے کچھ دیکھا تھا...... آڈیٹوریم کی تاریکی میں اس نے کسی کو دیکھا تھا...... اور اس کے بعد ہی وہ خوف زدہ ہوا تھا اور روشنی کم سہی، اور کیمرے کا اینگل وائیڈ سہی، لیکن حنیف نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں کیمرے کو لے جا کر تصویریں بہرحال لی تھیں۔ اسے امید تھی کہ فلمیں ڈویلپ ہوں گی تو اسے یقیناً کوئی کام کی چیز ملے گی۔

اسے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ واپس آتے ہوئے اس نے کھانے کا کچھ سامان خریدا تھا۔ اس میں سے چکن تکہ نکال کر وہ ڈبل روٹی کے ساتھ کھانے لگا، کھانے کے دوران اس کا ذہن خالی رہا۔

کھانے کے بعد وہ ڈارک روم میں چلا گیا، وہاں اس نے محلول میں سے پروف شیٹس نکال کر کلپ کے سارے لٹکا دیں۔ جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا، اسے دیکھ کر وہ فتح مندی کے احساس سے سرشار ہو گیا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔

اس نے تیز روشنی کی اور شیٹس کو اسٹینڈ میں نصب محدب عدسے کے سامنے رکھ کر تصویروں کا جائزہ لیا، خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی اور خوشی کا سبب وہ تصویریں تھیں جو اس نے ہال کے عقبی حصے کی لی تھیں۔ تاریکی میں اگرچہ کوئی چہرہ، کوئی جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہ رنگین دھبہ...... وہ دھند کا سا ہالہ بے حد نمایاں اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مگر اسی لمحے حنیف کی نظر ایک اور چیز پر پڑی۔ ''لعنت ہو''۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

تصویر میں ایک موٹا آدمی تھا، جو سگار پی رہا تھا۔ جسے وہ رنگین دھبہ یا ہالہ سمجھ رہا تھا، وہ اس کے سگار کے دھوئیں کا شاخسانہ بھی ہو سکتا تھا۔

اس نے عقبی حصے کی تصویروں کے تین نیگیٹو منتخب کئے اور انہیں انلارجر میں لگا دیا۔ پرنٹ نکلنے میں پندرہ منٹ لگتے، وہ پندرہ منٹ اسے بہت بھاری لگ رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو جادو کے زور پر ایک سیکنڈ میں وہ تصویریں بڑی کر دیتا۔

پندرہ منٹ بعد وہ انلارج ہوئی تصویروں کو غور سے دیکھ رہا تھا، اس کا دل سینے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

وہ دھواں نہیں تھا۔ اس کا رنگ اور اس کی ماہیت دھوئیں سے بالکل مختلف تھی اور سگار پینے والے اور اس ہالے نما دھبے کا درمیانی فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر اسے سگار کا دھواں مان لیا جاتا تو اتنا بڑا بادل سا تخلیق کرنے کے لئے موٹے آدمی کو بہت سارا دھواں اگلنا پڑتا اور اگر وہ اتنا دھواں اگلتا تو اس کے آس پاس کے لوگ ڈسٹرب ہوئے بغیر نہ رہتے۔ لیکن اردگرد کے لوگ بڑی بے نیازی سے سامنے کی طرف توجہ مرکوز کئے دیکھ رہے تھے اور بھوت جیسا وہ دھبہ آڈیٹوریم کے انتہائی عقبی حصے میں لٹکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

حنیف نے اس تصویر کو اسٹینڈ میں نصب محدب عدسے کے سامنے رکھ کر دیکھا۔ چند لمحے وہ بڑی باریک بینی سے اس ہالے نما دھبے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر وہ بری طرح چونکا۔ اس دھبے کے ذرا نیچے اسے پادری کے چوغے کا بالائی حصہ صاف نظر آیا، اس کے منہ سے ہلکی سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ یہ تو وہی دبلا پتلا چھوٹے قد کا پادری معلوم ہوتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ رابرٹ تھورن اور اس کے درمیان کوئی تعلق ہے۔

''او مائی گاڈ''۔ حنیف نے پیشانی کو ملتے ہوئے کہا۔

سنسنی کے احساس نے پہلے اس کی بھوک اڑائی تھی۔ مگر اب بھوک جگا دی۔ وہ مرغی کے دوسرے پیس پر ٹوٹ پڑا۔

''اب میں اس احمق کو پکڑ سکوں گا۔ اب وہ بچ کے کہاں جائے گا''۔ وہ سنسنی آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ سو گیا۔

اگلی صبح اس نے پادری کی وہ تصویر بڑی کی جو اس نے سفارت خانے کی سیڑھیوں پر اس وقت لی تھی، جب وہ امریکی فوجی کے ساتھ سفارت خانے سے باہر آ رہا تھا۔ وہ تصویر لے کر وہ اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔

وہ متعدد گرجاؤں میں گیا۔ پھر لندن پیرش کے مقامی آفس میں گیا، لیکن کسی نے پادری کو نہیں پہچانا۔ سب نے یہی کہا کہ اگر وہ یہاں کسی گرجا میں پادری ہوتا تو وہ اسے پہچان لیتے، وہ شہر سے باہر کسی چرچ میں ہو گا۔

حنیف کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا کام کچھ اتنا آسان نہیں، جتنا اس نے سوچا تھا۔

ایک دور از کار خیال کے تحت وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ بھی گیا اور ان کا مجرموں کا تصویری ریکارڈ چیک کیا لیکن وہ بھی بے سود ثابت ہوا

اب ایک ہی امکان رہ گیا تھا۔ اس نے پادری کو سفارت خانے سے باہر آتے دیکھا تھا، اس کا مطلب تھا کہ سفارت خانے میں کوئی نہ کوئی اسے پہچانتا ہو گا۔

سفارت خانے میں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔ بغیر اپائنٹ مینٹ کے اور کاغذات چیک کئے سیکورٹی والے کسی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ حنیف بھی استقبالیہ ڈیسک سے آگے نہیں جا پایا۔

''میں مسٹر رابرٹ تھورن سے ملنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا۔ ''انہوں نے میرے نئے کیمرے کے بل کی ادائیگی کا وعدہ کیا تھا''

استقبالیہ کاؤنٹر والوں نے سفیر سے رابطہ کیا۔ بات کچھ آگے بڑھی، حنیف سے کہا گیا کہ وہ لابی میں موجود فون کے پاس چلا جائے سفیر صاحب کے دفتر سے اس کی فون پر بات ہو جائے گی۔

حنیف کو صرف چند لمحے انتظار کرنا پڑا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا، دوسری طرف رابرٹ تھورن کی سیکریٹری تھی۔

''آپ مجھے بل کی رقم بتا دیں''۔ سیکریٹری کہہ رہی تھی۔ ''آپ کو چیک بذریعہ ڈاک بھیج دیا جائے گا''۔

''مسٹر تھورن سے بالمشافہ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ حنیف نے کہا۔ ''میں انہیں یہ بھی تو دکھاؤں گا کہ ان کی ادا کی ہوئی رقم کا انہیں کچھ فائدہ بھی ہوا ہے یا نہیں''۔

''یہ تو ممکن نہیں۔ سفیر صاحب اس وقت ایک اہم میٹنگ میں ہیں''۔

اب حنیف نے آخری داؤ کھیلا۔ ''بات یہ ہے کہ میرا ایک ذاتی مسئلہ ہے، جس میں وہ میری مدد کر سکتے ہیں''۔ اس نے کہا۔ ''مجھے ایک پادری کی تلاش ہے، وہ میرا رشتہ دار ہے، وہ یہاں کسی کام سے آئے تھے، میں سوچتا ہوں، ممکن ہے کوئی مجھے ان کے بارے میں بتا سکے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

دوسری طرف سورج اوراس کے دوست عقب کی صورت حال دیکھ کر بھونچکارہ گئے تھے صاف نظر آرہا تھا کہ ان کے ساتھیوں کی بڑی تعداد چپکے سے میدان چھوڑ گئی ہے۔

سیکریٹری چند لمحے ہچکچائی۔ بات اسے کچھ عجیب لگی تھی۔

''وہ بہت چھوٹے قد کے ہیں''۔ حنیف نے کہا۔

''کیا وہ اطالوی ہیں؟''

''وہ اٹلی میں کافی عرصہ رہے ہیں''۔ حنیف نے تکا لگایا۔

''ان کا نام ٹیسون تو نہیں''۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ دراصل یوں سمجھیں کہ میں مدتوں کے بچھڑے ایک رشتے دار کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میرے ماموں بہت پہلے میری ماں سے بچھڑ گئے اورانہوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے نام بھی بدل لیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ میری والدہ بستر مرگ پر ہیں اور ایک بار اپنے بھائی سے ملنا چاہتی ہیں۔ ان کا نام مجھے نہیں معلوم۔ بس یہ بتا سکتا ہوں کہ میری والدہ کی طرح ان کا قد بھی چھوٹا ہے اور وہ بہت دبلے پتلے ہیں۔ پادری ہیں اور کافی عرصہ اٹلی میں گزار چکے ہیں۔ ابھی ایک ہفتہ یا دس دن پہلے میرے ایک دوست نے انہیں سفارت خانے سے نکلتے دیکھا تھا آپ کے ہاں آنے والوں کا ریکارڈ تو ہوتا ہوگا''۔

''ہاں، ٹیسون نامی ایک پادری یہاں آئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ روم سے آئے ہیں''۔

''آپ کو پتا ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟''

''نہیں''۔

''کیا وہ سفیر صاحب سے ملنے آئے تھے؟''

''میرا......خیال ہے، ہاں''۔ سیکریٹری کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

''تو ممکن ہے، سفیر صاحب کو ان کا ایڈریس معلوم ہو''۔

''پتا نہیں۔ میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں''۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان سے پوچھ لیں''۔

''کوشش کر سکتی ہوں......''

''کب تک معلوم کریں گی؟''

''وقت لگے گا۔ ابھی فی الحال تو ممکن نہیں''۔

''میری ماں بہت بیمار ہے، وہ ہاسپٹل میں ہے۔ میرے خیال میں وقت کم ہی رہ گیا ہے''۔ حنیف نے لہجے میں دکھ سموتے ہوئے کہا۔

رابطہ منقطع ہوگیا۔ حنیف وہیں بیٹھا رہا۔

اوپر رابرٹ تھورن کے کمرے میں انٹرکام کا بزر چیخا۔ رابرٹ نے ریسیور اٹھایا۔ ''یس؟''

''سر......دو ہفتے پہلے آپ سے ایک پادری نے ملاقات کی تھی۔ ان سے کیسے رابطہ کیا جا سکتا ہے''۔

رابرٹ کام میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ لیکن پادری کے حوالے سے اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ ''کون پوچھ رہا ہے؟''

''وہ فوٹو گرافر جس کا کیمرا آپ کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ پادری اس کا ماموں ہے''۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر رابرٹ تھورن نے پوچھا۔ ''وہ موجود ہے''۔

''جی سر''۔

''اسے اوپر بھیج دو''۔

نیچے لابی میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔ حنیف نے ریسیور اٹھایا۔ ''مسٹر تھورن آپ سے ملنا چاہتے ہیں''۔ سیکریٹری کی آواز سنائی دی

چند لمحے بعد حنیف رابرٹ تھورن کے پرشکوہ آفس میں بیٹھا تھا۔ رابرٹ کے انداز میں تپاک تھا۔

''معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو ڈسٹرب کیا''۔

''ایسی کوئی بات نہیں''۔

وہ پہلا موقع تھا کہ حنیف اپنے کسی ہدف کے روبرو بیٹھا تھا۔ چنانچہ وہ نروس بھی تھا، کیمرے سے اچانک تصویر کھینچ لینا کچھ مشکل نہیں۔ صرف کسی کمزور لمحے کا انتظار چوکنا رہ کر کرنا ہوتا ہے۔ مگر سامنے بیٹھ کر بات کرنا اور بات ہے۔

''میں آپ سے اس کیمرے کے متعلق معذرت بھی کرنا چاہ رہا تھا''۔ رابرٹ نے کہا۔

''بہرحال وہ کیمرا پرانا تھا''۔

''میں نئے کیمرے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں''۔

''اس کی ضرورت نہیں......''

''میرے لئے یہ ضروری ہے''۔

''جیسی آپ کی مرضی''۔ حنیف نے کندھے جھٹک دیئے۔

''آپ مجھے کسی اعلیٰ ترین کیمرے کا نام اور میک بتائیں۔ میں کسی کو بھیج کر ابھی منگوادوں گا''۔

''آپ کی بڑی مہربانی......''

''بتائیں تو''۔

''جرمن میک کیمرا ہے......پینٹا فلیکس 300''۔

''اب میری سیکریٹری کو بتا دیجئے گا کہ کیمرا آپ کو کہاں پہنچایا جائے''۔

حنیف نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کو تول رہے ہوں، سمجھ رہے ہوں، حنیف جانتا تھا کہ وہ اپنے مدمقابل پر ایک گھٹیا آدمی کا تاثر چھوڑتا ہے اور وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا عادی تھا۔

''میں آپ کو دیکھتا رہا ہوں......بارہا......مختلف مقامات پر''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے''۔

''آپ بہت منہ پھٹ ہیں''۔

''جی شکریہ''۔ حنیف نے کہا۔ ''گزشتہ رات وہ لڑکا آپ کے لئے خاصا مسئلہ بن گیا تھا''۔

''ہاں۔ میں جانتا ہوں، اس کی باتیں بے وزن نہیں تھیں''۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ وقت گزاری کر رہے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی پہل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اس کے موقف کو تسلیم کیا۔ اب اخبارات مجھے کمیونسٹ قرار دینے لگیں گے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ بولا۔

''وہ کمیونسٹ نہیں، مسلمان تھا''۔

''اوہ......'' رابرٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر وہ بولا ''اور مسلمان تو تم بھی ہو؟''

''جی ہاں''۔

''اور کسی بچھڑے ہوئے عیسائی رشتے دار کو تلاش کر رہے ہو؟''

''جی ہاں''۔

'اور وہ ٹیسون نام کا پادری ہے؟''

''پادری تو وہ ہے۔ لیکن میں نام کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ وہ میرا ماموں ہے اور برسوں پہلے میری ماں سے بچھڑا تھا''۔

رابرٹ نے غور سے حنیف کو دیکھا، اس کی نگاہوں میں مایوسی تھی۔ ''تو تم ذاتی طور پر اس سے ناواقف ہو؟''

''جی ہاں۔ لیکن انہیں تلاش کر رہا ہوں''۔

رابرٹ اپنی کرسی پر ڈھے سا گیا۔ اس کی مایوسی واضح تھی۔

''مجھے یہ بتائیں کہ آپ سے وہ کس سلسلے میں ملے تھے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''وہ ایک ہاسپٹل کے حوالے سے مجھ سے ملے تھے۔ عطیہ مانگ رہے تھے''۔ رابرٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

''کون سا ہاسپٹل؟''

''روم میں کوئی ہاسپٹل ہے۔ میں زیادہ نہیں جانتا''۔

''انہوں نے آپ کو اپنا ایڈریس دیا؟''

''نہیں۔ دراصل جس وقت وہ آئے، میں کچھ پریشان تھا۔ میں نے ان سے چیک بھجوانے کا وعدہ کر لیا، مگر اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ چیک کہاں بھجوانا ہے''۔

حنیف نے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''تب تو ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں''۔

''ٹھیک کہہ رہے آپ''۔

''یعنی وہ آئے اور چلے گئے۔ بس؟''

''جی ہاں''۔

''اور اس کے بعد آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟''

رابرٹ کا جبڑا تن گیا۔ حنیف اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ رابرٹ تھورن کچھ چھپا رہا ہے۔ ''نہیں......کبھی نہیں''۔ بالآخر چند لمحوں کے توقف کے بعد رابرٹ تھورن نے کہا۔

''میں نے سوچا......ممکن ہے، وہ آپ کے تقریری پروگراموں میں شرکت کرتے رہے ہوں''۔

ان کی آنکھیں پھر ملیں اور دیر تک الجھی رہیں۔ رابرٹ کو احساس ہو رہا تھا کہ فوٹو گرافر اس کے ساتھ چوہے بلی والا کھیل کھیل رہا ہے۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''حنیف......حنیف ارشد''۔

رابرٹ پھر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نگاہیں ہٹالیں۔ اب وہ کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے اس شخص کو تلاش کرنے میں بہت دلچسپی ہے۔ وہ پادری...... میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ بہت عجلت برتی۔ اب مجھے غلطی کا احساس ہو گیا ہے، میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں''۔

''عجلت کی وضاحت نہیں کریں گے آپ؟''

''میں نے اسے زیادہ وقت نہیں دیا۔ اس کی بات نہیں سنی۔ میرا برتاؤ اچھا نہیں تھا''۔

''میرے خیال میں وہ اس کا عادی ہوگا۔ عطیات مانگنے والے تو یہ سب کچھ......''

''اسے جلد از جلد تلاش کرنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کی بہت اہمیت ہے میرے لئے''۔

رابرٹ کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ بات اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ حنیف کو یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا اہم معاملہ اس پر کھلنے والا ہے۔ اب بس اسے اپنے پتے ٹھیک طرح سے کھیلنے تھے۔ ''مجھے کچھ پتا چلا تو میں آپ کو بتا دوں گا''۔ اس نے کہا۔

''میں بہت شکر گزار ہوں گا''۔

''ایسی کوئی بات نہیں''۔

رابرٹ نے سر ہلایا۔ حنیف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے رابرٹ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''جناب سفیر، آپ بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔ ایسے میں میں دنیا کی عافیت کی دعا ہی کر سکتا ہوں''۔

''ارے نہیں''۔ رابرٹ مسکرا دیا۔

''میں آپ کے پرستاروں میں سے ہوں۔ اس لئے آپ کے پیچھے لگا رہتا ہوں''۔

''شکریہ''۔

حنیف دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر رابرٹ نے اسے پکار لیا۔ ''مسٹر حنیف......''

''سر''؟ حنیف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ نے اس پادری کو خود کبھی نہیں دیکھا''۔

''نہیں''۔

''دراصل آپ نے کہا کہ وہ میرے تقریری پروگراموں میں آتا ہوگا۔ اس پر میں نے سوچا کہ شاید......''

''نہیں سر''۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔

چند لمحے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر حنیف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مگر پھر وہ پلٹا۔ ''مجھے آپ کی تصویریں لینے کا موقع مل سکتا ہے...... میرا مطلب ہے، نجی زندگی کی تصویریں! گھر پر......فیملی کے ساتھ''؟

''ابھی تو مناسب وقت نہیں ہے''۔ رابرٹ تھورن نے کہا۔

''چند ہفتے بعد سہی''۔

''میں تمہیں کال کر دوں گا''۔

''میں انتظار کروں گا''۔

''میں کال ضرور کروں گا''۔

حنیف چلا گیا۔ رابرٹ بند دروازے کو تکتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی بات...... اہم بات جانتا ہے، جو اس نے ظاہر نہیں کی۔ بات قابل غور یہ تھی کہ پادری کے بارے میں وہ کیا جان سکتا ہے اور اگر کچھ نہیں جانتا تو وہ پادری کا حوالہ لے کر اس سے ملنے کے لئے کیوں آیا۔ اسی کے پاس کیوں آیا، جبکہ اس سے ملنا آسان بھی نہیں تھا۔

زندگی اتفاقات سے عبارت ہوتی ہے۔ بظاہر یہ بھی ایک اتفاق معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن رابرٹ تھورن کی چھٹی حس کچھ اور کہہ رہی تھی۔

☆

ایڈگر ڈوٹیسون کے لئے زندگی چرچ میں بھی ویسی ہی بھیانک تھی، جیسی سحر روئے زمین پر۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے جیسے اور بہت سے لوگوں کی طرح روم کے شیطان پرست حلقے میں شامل ہو گیا تھا۔ نسلاً وہ پرتگیزی تھا...... ایک ماہی گیر کا بیٹا، جو ایک حادثے میں زندگی ہار بیٹھا تھا۔ اس وقت ٹیسون بہت چھوٹا بچہ تھا۔

اس کے بچپن کی یاد مچھلیوں کی بساندھ میں لپٹی ہوئی تھی۔ مچھلیوں کی وہ بساندھ اس کی ماں کے وجود میں رچ بس چکی تھی۔ آخری وقت میں اس کی ماں اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اس میں آگ جلانے کی بھی طاقت نہیں تھی اور وہ کچی مچھلیاں کھاتی تھی۔ یہی اس کی موت کا سبب بنا۔

آٹھ سال کی عمر میں وہ ماں سے بھی محروم ہو گیا۔ تب وہ چرچ کے زیر اہتمام چلنے والے یتیم خانے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں خدا پرستوں کے ہاتھوں ان کی مرمت کا سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک نہیں رکا جب تک اس نے کردہ اور ناکردہ تمام گناہوں کا اعتراف نہیں کر لیا اور اسے پاک نہیں کر دیا گیا۔ دس سال کی عمر تک وہ کرائسٹ کا ہو چکا تھا، لیکن اس وقت تک اس کی عمر کوڑوں کے نشانات سے پوری طرح سیاہ ہو چکی تھی۔

خدا کا خوف مار مار کر اس کے اندر گہرائی تک اتارا گیا تھا۔ اس خوف کے تحت اس نے اپنی زندگی چرچ کو سونپ دی۔ آٹھ سال تک وہ دن رات بائبل کو کھول کر پیتا رہا۔ اس نے خدا کی محبت اور اس کے قہر و غضب کے بارے میں پڑھا۔ پچیس سال کی عمر میں وہ لوگوں کو بچانے اور پاک کرنے کی غرض سے میدان عمل میں اتر آیا۔ وہ مشنری بن گیا۔ پہلے وہ اسپین اور پھر مراکش گیا اور خدا کے پیغام کی تبلیغ کرتا رہا۔ مراکش سے وہ جنوب مشرقی افریقہ کے اندرونی علاقوں میں گیا۔ وہاں اس نے بے شمار لوگوں کو عیسائی بنایا، طریق کار اس کا وہی تھا، جو اس پر آزمایا گیا تھا۔ جو کچھ اسے ملا تھا، وہ وہی کچھ لوٹا رہا تھا۔ جیسے وہ پٹتا رہا تھا، ویسے ہی وہ انہیں پیٹتا تھا۔ اس دوران اسے احساس ہو گیا کہ مذہبی جنون کی اس گرمی میں دوسروں کی اذیت میں اسے جنسی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

جن افریقیوں کو اس نے عیسائی بنایا تھا، ان میں ٹوبو نامی ایک لڑکا بھی تھا۔ ٹوبو اسے پرستش کی حد تک چاہنے لگا، اس چاہت میں وہ دونوں خدا اور انسانوں کے قوانین کی تکذیب و توہین کے مرتکب ہوتے ہوئے گناہ کے راستے پر چل پڑے۔ ٹوبو کا تعلق کیکویو قبیلے سے تھا۔

قبیلے والوں نے ایک دن ٹیسون اور ٹوبو کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ ٹوبو کو بدترین سزا ملی۔ اس کے جسم کے نازک اعضا کاٹ دیئے گئے، ٹیسون بال بال بچا اور وہاں سے بھاگا۔ یہ اطلاع تو اسے صومالیہ میں ملی کہ کیکویو قبیلے والوں نے اس کا بدلہ فرانسسکو کے ایک مشنری سے لیا۔ انہوں نے زندہ اس کی کھال اتاری اور اسی عالم میں اسے صحرا میں چلنے پر مجبور کیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

ٹیسون جبوتی، وہاں سے عدن، عدن سے جکارتہ بھاگا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ لیکن ہر جگہ اسے اپنے لئے خدا کے قہر و غضب کی موجودگی کا احساس ستاتا رہا، موت دبے پاؤں اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ بعض اوقات وہ اس کے بہت قریب کسی پر وار کرتی۔ وہ مسلسل خوف زدہ رہتا کہ اگلا نشانہ وہ ہوگا۔ بائبل کے حوالے سے وہ جانتا تھا کہ خدا کا غضب کتنا سریع الاثر ہوتا ہے۔ وہ بہت تیزی سے حرکت کرتا۔

نیروبی میں اس کی ملاقات باوقار فادر اسپلیٹو سے ہوئی۔ اس نے اسپلیٹو کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ اسپلیٹو نے اسے تحفظ دینے کا وعدہ کیا اور اسے اپنے ساتھ روم لے گیا۔ وہاں شیطان پرستوں کی برادری میں شامل ہونے کے بعد اسے اطمینان نصیب ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کے درمیان خدائی قانون موجود نہیں تھی۔ وہ جسم کی تمام خوشیوں اور آسائشات کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے پیچھے بھاگتے تھے۔ ٹیسون بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا۔ وہ اچھوتوں کی وہ برادری تھی، جس نے اپنے تئیں باقی دنیا کو اچھوت سمجھ رکھا تھا۔ وہ شیطان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کیلئے خدا کا مذاق اڑانا اور اسے برا بھلا کہنا بھی شیطان کی عبادت کے مترادف تھا۔

اس برادری میں اکثریت ورکنگ کلاس کے لوگوں کی تھی۔ لیکن چند پروفیشنل اور بڑے مقام و مرتبے والے لوگ بھی ان میں موجود تھے۔ باہر......ظاہری طور پر وہ سب معزز لوگ تھے اور عزت کی زندگی گزار رہے تھے، خدا کو ماننے والوں کے مقابلے میں یہ ان کا سب سے قیمتی ہتھیار تھا۔ ان کا مشن خوف و ہراس پھیلانا اور باغیانہ رویوں کو فروغ دینا تھا۔ دجال کی آمد تک وہ انسانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے تھے۔ جہاں موقع ملتا، وہ ابتری پھیلاتے،

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

تمام مذاہب میں فرقہ وارانہ نفرت پھیلانا ان کا نصب العین تھا۔

اس برادری کا اپنا بے حد قدیم قبرستان تھا۔اس کا نام سینٹ انجلو کا قبرستان تھا اور وہ روم کے نواحی علاقے میں واقع تھا۔

آئرلینڈ میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا، شیطانی برادری اس میں سے بیشتر کا کریڈٹ لیتی تھی۔ بالوک اور بالام نامی دو تنیں تھیں، جو آئرش تھیں، آئرلینڈ کے دھماکوں میں ان کا بھی دخل تھا۔ بالام ایک دھماکے میں خود اپنے ہی ہاتھوں ماری گئی تھی۔ ایک مارکیٹ کے ملبے میں اس کے جسم کی باقیات ملی تھیں۔ انہیں تدفین کے لئے اٹلی لایا گیا تھا اور اس کی تدفین سینٹ انجلو کے قبرستان میں ہوئی تھی۔

بالام کی شیطان سے غیر معمولی عقیدت اور محبت کے اعتراف کے طور پر اسے شیطانوں کے سب سے بڑے دیوتا نکولا کی خانقاہ کے سائے میں دفن کیا گیا۔اس تدفین میں شیطان کے پانچ ہزار چیلوں نے شرکت کی۔ ٹیسون اس تقریب سے بے حد متاثر ہوا۔اس کے بعد وہ سیاسی طور پر کچھ زیادہ ہی سرگرم ہوگیا۔ وہ خود کو اسپلیٹو کے لئے قابل اعتماد ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

اس کی کوششیں رنگ لائیں، اسے بڑے اہم کام سونپے جانے لگے، شیطان کے پجاریوں کے لئے کمیونسٹ بڑی نعمت تھی۔ پہلے مرحلے پر وہ ایشیا میں کمیونسٹوں کا غلبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ پھر کمیونسٹ پوری دنیا پر چھا جائیں، یہی ان کا خواب تھا۔ اسی طرح وہ خدا کا نام دنیا سے مٹا سکتے تھے۔

کچھ اہم کام سرانجام دینے کے بعد ٹیسون کا شمارہ برادری کے لیڈروں میں ہونے لگا۔ اسپلیٹو نے اسے کئی اہم مہمات پر افریقہ بھیجا۔ کیونکہ افریقہ سے وہ واقف تھا۔ وہاں اس نے سیاسی بے چینی اور ابتری پھیلانے کیلئے بہت کام کیا۔اس کی پوزیشن اور مستحکم ہوگئی۔

پھر وہ وقت آ گیا، جس کی پیش گوئی الہامی کتابوں میں کی گئی تھی۔ جب دنیا کی تاریخ کو بالکل اچانک اور فیصلہ کن انداز میں بدل جانا تھا۔ زمین کے وجود میں آنے کے بعد یہ تیسرا موقع تھا کہ شیطان نے براہ راست اپنی اولاد کو زمین پر لانے کی کوشش کی تھی، اس کی ولادت، پرورش، نگہداشت اور تربیت کی ذمے داری اس کے چیلوں کو نبھانی تھی۔ پہلے دو بار اس کی کوششیں ناکام ہوگئی تھیں۔ خدا کے نام لیواؤں نے بروقت درندے کا پتا چلا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا......اس سے پہلے کہ وہ اقتدار تک پہنچتا۔

لیکن اس بار منصوبہ مکمل اور بے داغ تھا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے والے تین افراد میں ٹیسون کا منتخب ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی وفاداری اور عقیدے پختگی بار ہا، بات کی تھی......اور بہت موثر انداز میں ثابت کی تھی۔ اس کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ احکامات پر بلا جھجک اور بے چون و چرا عمل کرتا تھا۔ اسے جو کام سونپا گیا تھا، وہ سب سے سخت اور بے رحمانہ تھا، کسی معصوم کی جان لینا صرف اس لئے کہ اس کی خالی جگہ پر کسی اور کو پہنچانا ہو، کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔

اسپلیٹو کے ذمے اس فیملی کا انتخاب تھا، جہاں ابن ابلیس کی پرورش کرانی تھی۔ اسے اڈاپٹ کرانے کی کارروائی بھی اس کی ذمے داری تھی۔ سسٹر ماریا ٹریسا کو ابن ابلیس کی پیدائش کرانے کا کام سونپا گیا تھا، ٹیسون کو اصل بچے کو ہلاک کرنا، بچے اور مادہ گیدڑ کی تدفین کرانا اور تمام شہادتوں کو مٹانے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔

ٹیسون بہت پر جوش تھا۔ برادری میں اسے اہمیت حاصل ہو چکی تھی اور اس کام کے بعد تو اس کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی ہو جاتا۔شیطان پرست قیامت تک اسے پوجتے، وہ یہ بھول گیا کہ کبھی وہ خدا پرست اور دین دار تھا۔

لیکن معاہدے پر عمل درآمد کے دن قریب آنے لگے تو ٹیسون میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ کمزور پڑنے لگا، کمزوری محسوس کرنے لگا، اس کی پیٹھ پر زخموں کے برسوں پرانے نشانات میں سوزش ہونے لگی۔ ہر رات اس کی اذیت بڑھتی گئی اور سونا ناممکن ہوتا گیا۔ پانچ راتیں ایسی گزریں کہ خیالی ہیولے اسے ستاتے رہے۔

اس کے تصور میں ٹوبو آیا......افریقی لڑکا، جو اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ ہاتھ پھیلا کر اس سے درد مانگ رہا تھا، پھر اس نے کھال اترے ایک شخص کو صحرا میں تپتی ریت پر چلتے رحم کی بھیک مانگتے دیکھا۔ یہ وہ پادری تھا، جسے قبائلیوں نے اس کے حصے کی سزا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا......کیا میری قربانی رائیگاں جائے گی اور اس نے ساحل پر ایک چار سالہ بچے کو دیکھا، جو اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور اس نے اپنی دم توڑتی ماں کو دیکھا، جو اس سے معذرت کر رہی تھی کہ وہ اتنی کم عمری میں ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ کر جا رہی ہے......وقت کے، تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ رو رہا تھا۔ دوبارہ وہ سویا تو اس نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ اس سے کہہ رہے تھے......خدا معاف کرنے والا ہے۔ بس برائی کے راستے سے ہٹ جاؤ۔

ان راتوں نے، ان خوابوں نے ٹیسون کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسپلیٹو نے اس کی حالت محسوس کر لی اور اسے بلا کر اس سے اس سلسلے میں پوچھا۔ لیکن ٹیسون جانتا تھا کہ اب وہ اتنا آگے جا چکا ہے کہ پیچھے ہٹنا ممکن نہیں۔ اب وہ ڈگمگایا تو اس کی زندگی تک خطرے میں پڑ سکتی ہے۔اس نے اسپلیٹو کو یقین دلایا کہ وہ اپنی ذمے داری بحسن وخوبی نبھائے گا۔ اس نے کہا کہ اس کی پیٹھ کے پرانے زخم تکلیف دے رہے ہیں، اس پر اسپلیٹو نے اسے سکون بخش دوائیں دیں۔

اس کے بعد اپنی ذمے داری پوری کرنے تک ٹیسون دواؤں کے زیر اثر رہا۔ خوابوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

چھ جون کو شام چھ بجے...... چھٹے ماہ کے چھٹے دن اور چھٹے گھنٹے میں جو کچھ ہوا، وہ آخری سانس تک بھولنے والا نہیں تھا۔ زچگی کے دوران مادہ گیدڑ کی چیخیں آسمان تک پہنچنے لگیں۔ سسٹر ماریا نے ایتھر دے کر اسے خاموش کر دیا۔ جانور کے اعتبار سے بچہ بہت بڑا تھا۔ اس کا پیٹ چاک کر کے ہی بچے کو نکالا جا سکتا تھا۔ بچے کے باہر آتے ہی ٹیسون نے اسپلیٹو کے دبے ہوئے پتھر سے مادہ گیدڑ کا سر کچل دیا۔ اس عمل نے اسے اس عمل کے لئے تیار کر دیا، جو اسے انسانی بچے کے ساتھ دہرانا تھا۔

لیکن جب انسانی بچہ اس کے سامنے لایا گیا تو وہ ڈگمگا گیا۔ بچہ نہایت خوب صورت تھا، ٹیسون پہلو بہ پہلو لیٹے دونوں بچوں کو دیکھتا رہا، ایک خون میں لتھڑا ہوا بال دار بچہ تھا۔ دوسرا نرم و نازک، خوب صورت اور گورا چٹا، اور انسانی بچہ اسے یوں دیکھ رہا تھا، جیسے وہ اس کے لئے معتبر ہو۔

ٹیسون جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور اس نے وہ کیا۔ لیکن اپنا کام وہ صفائی سے نہیں کر سکا، اسے ایک سے زیادہ وار کرنے پڑے، بلکہ ایک آخری وار تو اسے بچے کا تابوت کھول کر کرنا پڑا۔ اس وقت وہ بری طرح سسک رہا تھا اور رابرٹ تھورن کے تابوت میں پڑے بچے کے سر پر پتھر کا آخری وار کرنے سے پہلے اسے بچے پر محبت آئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اسے اٹھا کر سینے سے لگا لے اور اسے لے کر کہیں بھاگ جائے......دور...... بہت دور، جہاں تحفظ ہو۔ وہ ایسا کر بھی گزرتا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہ پہلے ہی بچے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا چکا ہے۔ اب وہ بچہ نارمل زندگی کے قابل نہیں رہا تھا، چنانچہ اس بار اس نے پتھر اٹھایا اور جذبۂ ترحم کے ساتھ بچے کے سر پر وار کیا، جیسے انسان ناکارہ گھوڑے پر رحم کرتا ہے اور وہ وار کرتا رہا، یہاں تک کہ بچہ ساکت ہوگیا۔

اس رات تاریکی میں ٹیسون کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے کو کسی نے نہیں دیکھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بعد، اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اگلی صبح وہ روم سے نکل بھاگا، چار سال وہ مارا مارا پھرا۔ اس نے بیلجیئم میں مزدوری کی، اسے نشہ آور ادویات کی ضرورت تھی...... پیٹھ کی اذیت سے بچنے کے لئے نہیں...... جو کچھ اس نے کیا تھا، اس کی کرب ناک یاد کو مٹانے کیلئے۔ وہ اکیلا تھا، کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ بالآخر ایک اسپتال میں معائنے کے بعد یہ تشخیص ہوگئی کہ اس کی پیٹھ کی اذیت کا سبب ٹیومر تھا اور وہ ریڑھ کی ہڈی سے اتنا قریب تھا کہ اس کا آپریشن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ٹیسون جانتا تھا کہ وہ مر رہا ہے۔ اسی لئے وہ تلافی کرنا چاہتا تھا، اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ خدا بہت رحم والا، بہت معاف کرنے والا ہے۔ جو کچھ اس نے کیا تھا...... بگاڑا تھا، اسے سنوارنے کی کوشش کر کے وہ خدا کی معافی کا حق دار بن سکتا تھا۔

اپنی بچی کھچی طاقت مجتمع کر کے وہ اسرائیل گیا۔ اذیت کو سلانے والی مارفین اس کے ساتھ تھی۔ اسے بیوگن ہیگن نامی شخص کی تلاش تھی۔ وہ ایک نام تھا جو شاید وقت کے آغاز سے اب تک شیطان سے منسلک تھا۔ 1092ء میں بیوگن ہیگن ہی تھا، جس نے شیطان کی اولاد کو تلاش کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ پھر 1710ء میں بھی بیوگن ہیگن ہی تھا، جس نے دوسرے ابن ابلیس کو طاقت حاصل کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ یہ بیوگن ہیگن ایک لقب تھا......خدا کے شکاریوں کا لقب! ان کا کام شیطان کے بیٹے کو روئے زمین پر پہنچنے سے روکنا تھا۔

بیوگن ہیگن کی تلاش میں ٹیسون کو سات ماہ لگے۔ کیونکہ وہ گمنامی پسند کرتا تھا اور وہ ایک زیر زمین قلعے میں رہتا تھا۔ وہ بھی ٹیسون کی طرح وہاں اپنی موت کا منتظر تھا۔ وہ بھی ایک اذیت سے دوچار تھا۔ ناکامی کا احساس بھی مارے ڈال رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ شیطان کی کارروائی کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن وہ شیطان کو روکنے میں ناکام رہا تھا، ابن ابلیس پیدا ہو چکا تھا!

ٹیسون نے بوڑھے بیوگن ہیگن کے ساتھ چھ گھنٹے گزارے۔ بیوگن ہیگن یاس انگیز خاموشی سے ٹیسون کی بات سنتا رہا، سب کچھ سننے کے بعد اس نے کہا۔ ”میں یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ کوئی ایسا شخص جس کی بچے تک براہ راست رسائی ہو، وہ مجھ سے یہاں آ کر ملے“۔

ٹیسون کو احساس تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ وہ لندن چلا آیا۔ یہ بہت ضروری تھا کہ وہ رابرٹ تھورن سے ملے اور اسے قائل کرے۔ تاکہ جو کچھ کیا جانا چاہئے، کیا جا سکے۔ وہ خدا سے اپنے لئے پناہ مانگتا رہا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ شیطان اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور وہ شیطان کے حربوں کو جانتا سمجھتا تھا اس نے اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کر لی تھی۔ وہ رابرٹ تھورن سے ملنے اور اسے قائل کرنے تک زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگیا تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

سوہو کے علاقے میں اس نے ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پر لیا اور اسے اپنے لئے کسی چرچ کی طرح محفوظ قلعے میں تبدیل کر دیا۔ اس کا ہتھیار خدا کا کلام تھا۔ اس نے کمرے کی دیواروں کے چپے چپے کو، حتیٰ کہ کھڑکیوں تک کو بائبل کے صفحات چپکا کر چھپا دیا تھا۔ اس کیلئے اسے بائبل کی 70 کتابوں سے مدد لینا پڑی۔ اس کے علاوہ جا بجا...... ہر زاویے پر اس نے صلیبیں آویزاں کر دی تھیں۔ اپنی صلیب میں اس نے جگہ جگہ آئینے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جڑ دیئے تھے اور اسے گلے میں ڈالے بغیر وہ باہر نہیں نکلتا تھا۔ آئینے کے ان ٹکڑوں سے باہر دھوپ منعکس ہوتی تھی۔

لندن پہنچ کر اسے اندازہ ہوگیا کہ رابرٹ تھورن تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف پیٹھ کی اذیت اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ رابرٹ تھورن سے اس کے دفتر میں جو ملاقات ہوئی، وہ ناکام ثابت ہوئی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کے بعد ہم اوسگلیا تھ کا آدھا حصہ ہی اپنے قبضے میں واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ قبضہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے مگر ہم وہاں ایک بار پھر قتل و غارت گری ہونے کے منتظر ہیں۔ ہمیں ایک بڑے حملے کی امید ہے، ممکن ہے کہ اب ہونے والا حملہ سب سے زیادہ بھیانک اور خطرناک ثابت ہو۔

اس روز بھی وہ جنگلے کے پیچھے سے رابرٹ تھورن کو دیکھ رہا تھا۔ رابرٹ چند مقتدر شخصیات کے ساتھ چیلسی کے ایک پس ماندہ علاقے میں سستے مکانات کے ایک پروجیکٹ کا افتتاح کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔

''مجھے اس پروجیکٹ کا افتتاح کرتے ہوئے خاص طور پر خوشی محسوس ہو رہی ہے''۔ رابرٹ نے بلند آواز میں کہا۔ ہوا کے مخالف رخ خطاب کرنے کی وجہ سے اسے چیخنا پڑ رہا تھا۔

جنگلے کے دوسری طرف علاقے کے سو سوا سو غریب افراد کھڑے تھے۔ ''یہ پروجیکٹ اس علاقے کے مکینوں کی زندگی سنوارنے کی خواہش کا مظہر ہے''۔

یہ کہہ کر رابرٹ تھورن نے پھاؤڑا اٹھایا اور اس سے مٹی ہٹا کر کام کا افتتاح کیا۔ اس کے ساتھ ہی بینڈ نے ایک دھن چھیڑ دی۔ رابرٹ اور اس کے ساتھ والے مقتدر لوگ عوام سے ہاتھ ملانے کے لئے جنگلے کی طرف بڑھے۔

رابرٹ کی کوشش تھی کہ وہاں موجود ہر شخص سے ہاتھ ملائے...... کچھ لوگ زیادہ پرجوش تھے۔ وہ تو ہاتھ چومنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لیکن اچانک رابرٹ کو ٹھہر جانا پڑا۔ ایک ہاتھ نے پوری قوت سے اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

''کل......'' ٹیسون نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ وہ رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، جن سے اب خوف جھلک رہا تھا۔ ''......ایک بجے کیوز گارڈن میں مجھ سے ملو''۔ اس نے بات پوری کی۔

''چھوڑو مجھے''۔ رابرٹ نے گھبرا کر کہا۔

''پانچ منٹ......صرف پانچ منٹ مجھے موقع دو۔ پھر تم کبھی میری صورت بھی نہیں دیکھو گے''۔

''میں کہتا ہوں، ہاتھ ہٹاؤ''۔

''تمہاری بیوی کی زندگی خطرے میں ہے۔ تم نے کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی''۔ ٹیسون نے کہا۔

رابرٹ تھورن نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔ اب جو اس نے ادھر ادھر دیکھا تو ٹیسون غائب ہو چکا تھا۔ وہ جنگلے کے پیچھے اجنبی چہروں کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اسی وقت فلیش بلب چمکنے لگے۔ اس کی تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔

..................☆..................

رابرٹ تھورن کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں آتا تھا کہ فادر ٹیسون کے سلسلے میں کیا رویہ اختیار کرے۔ وہ پولیس کو ٹیسون کے پیچھے لگا سکتا تھا۔ پولیس پادری کو جیل میں بند کر دیتی، لیکن شکایت کنندہ کی حیثیت سے رابرٹ کو عدالت میں پیش ہونا پڑتا۔ پھر فادر ٹیسون سے پوچھ گچھ کی جاتی اور جو کچھ وہ کہتا، اخباروں میں چھپتا اور ساری دنیا کو معلوم ہو جاتا۔ یہ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا...... کسی بھی قیمت پر نہیں۔ کیونکہ پادری کا مسئلہ صرف اور صرف اس کا بیٹا ڈیمین تھا۔ ڈیمین اور اس کی پیدائش اور یہ وہ معاملہ تھا جو رابرٹ نے پوری دنیا سے چھپایا تھا۔

تو اب پادری کے معاملے میں وہ کسی سے بھی مدد نہیں لے سکتا تھا۔ مدد لیتا تو مدد کرنے والے پر وہ راز کھل جاتا۔

ایسے میں اسے اس فوٹوگرافر حنیف ارشد کا خیال آیا۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اسے بتائے کہ جس شخص کی اسے تلاش ہے، وہ اسے مل گیا ہے۔ لیکن اس نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ اس فوٹوگرافر کا تعلق پریس سے تھا اور پریس والوں سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہوتا۔

لیکن اپنا بوجھ اتارنے کیلئے کوئی تو ہو۔ کوئی تو ہو، جس سے وہ بات کر سکے۔ کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ پادری نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ جو کچھ پادری کہنا چاہتا تھا، رابرٹ اسے سننے سے خوف زدہ تھا۔

اس صبح رابرٹ اپنی کار خود لے کر نکلا۔ ہورٹن سے اس نے کہا کہ وہ کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتا ہے۔ وہ ادھر ادھر ڈرائیو کرتا رہا، آفس وہ اس ڈر سے نہیں گیا کہ وہاں وہ پوچھیں گے کہ وہ لنچ کے لئے کہاں جا رہا ہے۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ فادر ٹیسون کے بلاوے کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ البتہ بالمشافہ حوصلہ شکنی کی صورت میں یہ امکان تھا کہ وہ مایوس ہو کر اس کا پیچھا چھوڑ دیتا۔

رابرٹ کو اب اسی میں بہتری نظر آ رہی تھی کہ وہ فادر کا سامنا کرے، اسے کھل کر بولنے کا موقع دے اور اس کی ہر بات سنے۔ ابھی آخر میں اس نے خطرناک بات کہی تھی...... اس نے کہا تھا کہ کیتھی کی جان کو خطرہ ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ ملنے نہیں آیا تو کیتھی مر جائے گی۔

اور رابرٹ کے لئے کیتھی کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ تھی!

وہ ساڑھے بارہ بجے کیوز گارڈن پہنچا۔ اس نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی۔ وہیں بیٹھ کر وہ ریڈیو پر خبریں سنتا رہا۔ وقت رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔

لیکن اس کا دھیان خبروں میں نہیں تھا۔ وہ اس وقت زندگی کے بارے میں فلسفیانہ انداز میں سوچ رہا تھا۔ موت انسان کے وجود میں ٹائم بم کی طرح نصب ہوتی ہے۔ جسم کے اندرونی اعضا کی طرح۔ وقت آتا ہے تو بم پھٹ جاتا ہے۔ اور یہ دور تو ایسا ہے کہ پلوٹینیم جیسی چیز ہر کسی کو دستیاب ہے۔ چھوٹے چھوٹے بے حیثیت ممالک بھی خود کو ایٹمی جنگ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ خودکشی کا رجحان رکھنے والے بھی ہیں۔ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو لے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے۔ اس نے صحرائے سینائی کے بارے میں سوچا...... وہ زمین جس کا خدا نے ایمان والوں سے وعدہ فرمایا۔ تو کیا وہ زمین ایمان والوں کو اس وقت ملے گی، جب دنیا میں تمام زندگی کا ٹائم بم پھٹنے والا ہو گا۔

اس نے ڈیش بورڈ پر رکھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔ وہ کار سے نکلا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا پارک میں داخل ہو گیا۔ اس نے رین کوٹ پہن لیا تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگا لیا تھا تاکہ پہچانا نہ جا سکے۔

اس نے پادری کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر وہ جیسے پتھر کا بت بن گیا۔ اس کی طرف بڑھنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ٹیسون ایک بنچ پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف اس کی پشت تھی۔ پادری نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر جا بھی سکتا تھا اور اسے پتا بھی نہ چلتا۔ لیکن اب وہ منہ چھپانا نہیں چاہتا تھا۔

چنانچہ وہ گھوم کر پادری کے سامنے چلا گیا۔

پادری نے اتنا اچانک اسے نمودار ہوتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور اعصابی کشیدگی اس کے چہرے پر صاف لکھی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے دونوں سامنے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''مجھے پولیس کو ساتھ لانا چاہئے تھا''۔ رابرٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

''اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا''۔

''بہر حال جو کہنا ہے، جلدی سے کہہ دو''۔

ٹیسون کی پلکیں پھڑپھڑائیں اور ہاتھوں میں لرزش نظر آنے لگی۔ لگتا تھا کہ وہ کسی اندرونی اذیت سے لڑ رہا ہے۔ ''جب یہودی سرزمین، مقدس میں واپس آئیں گے......''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیا؟''۔

''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے۔ ایک شہاب ثاقب آسمان پر نظر آئے گا اور مملکت روم کو دوبارہ عروج حاصل ہو گا۔ تب تم اور میں مر جائیں گے''۔

رابرٹ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ شخص تو سو فی صد پاگل ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ ایک نظم کے مصرعے تھے جو وہ سنا رہا تھا۔ انداز ایسا تھا، جیسے وہ کسی ٹرانس میں ہے۔

''تب بحر ابد سے وہ اٹھے گا۔ سمندر کے دونوں کناروں پر وہ فوجیں جمع کرے گا۔ وہ بھائی کو بھائی سے لڑائے گا۔ یہاں تک کہ کچھ بھی نہیں بچے گا''۔

اب پادری کا جسم یوں لرز رہا تھا کہ اس کی بوٹی بوٹی، جسم کا ریشہ ریشہ تھرکتا دکھائی دے رہا تھا۔

رابرٹ تھورن اس کے اور قریب ہو گیا۔ اس کی لرزتی آواز سننا اور سمجھنا بھی آسان نہیں تھا۔

''کتاب انکشافات میں یہ سب پیش گوئیاں موجود ہیں''۔ پادری کہہ رہا تھا۔

''میں یہاں مذہبی وعظ سننے کے لئے نہیں آیا ہوں''۔ رابرٹ نے خشک لہجے میں کہا۔

''شیطان اپنے سب سے زبردست اور آخری معرکے میں ایک انسانی شخصیت کو استعمال کرے گا، جو پوری طرح اس کے زیر اثر ہو گا۔ کتاب دانیال اور کتاب لیوک میں......''۔

''تم نے کہا کہ میری بیوی خطرے میں ہے''۔ رابرٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم ارض مقدس جاؤ۔ قدیم شہر جیزریل میں مکیدو نامی قصبے میں، وہاں تمہیں بوڑھے بیوگن ہیگن سے ملنا ہو گا۔ صرف وہی بتا سکتا ہے کہ اس بچے کو کیسے ختم کیا جائے......''۔

''میری بات سنو......''۔

''جسے بھیڑ نے نہیں بچایا، اسے لازماً درندہ پھاڑ کھائے گا''۔

''خاموش ہو جاؤ''۔

ٹیسون خاموش ہو گیا۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے اپنی پیشانی اور بھوؤں سے پسینہ پونچھا۔

''میں یہاں آیا تو صرف اس لئے کہ تم نے کہا تھا کہ میری بیوی کی جان خطرے میں ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا مسٹر تھورن۔ خدا نے مجھے پیش بینی کی صلاحیت دی ہے۔ جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہے، وہ میں ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں، اس پر میرا اختیار نہیں۔ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اصل میں خدا دکھاتا ہے......''۔

''تم نے کہا تھا کہ میری بیوی......''۔

''وہ ماں بننے والی ہے''۔

رابرٹ کے لئے وہ دھماکہ تھا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ بات اتنی خلاف توقع تھی کہ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر اس نے کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم غلطی پر ہو''۔ بالآخر اس نے کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے''۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ اس کا امکان بھی نہیں۔ فادر اسپلیٹو نے کہا تھا کہ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی''۔

''اس لئے کہ تم اولاد ابلیس کو گود لے لو۔ اور اس نے جھوٹ کہا تھا۔ اب میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ وہ اس بچے کو پیدا ہونے نہیں دے گا۔ وہ اسے رحم مادر ہی میں قتل کرنے کی کوشش کرے گا''۔ یہ کہتے کہتے ٹیسون کی ہلکی سی چیخ نکلی۔ درد نے بڑا شدید وار کیا تھا۔

''تم کس کی بات کر رہے ہو؟ کون قتل کر دے گا؟''۔ رابرٹ کے لہجے میں الجھن تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’تمہارے بیٹے کی مسٹر تھورن...... بلکہ نام نہاد بیٹے کی۔ کیونکہ درحقیقت وہ شیطان کا بیٹا ہے۔ وہ تمہارے اصل بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی قتل کر دے گا۔ اور یہی نہیں، اس کے بعد وہ تمہاری بیوی کو بھی ختم کر دے گا اور جب اسے یقین ہو جائے گا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، اب صرف اس کا ہے تو مسٹر تھورن، تمہاری ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ تب وہ تمہیں بھی ختم کر دے گا‘‘۔

’’بس بہت ہو گیا۔ اتنے چھوٹے معصوم بچے کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی‘‘۔

’’وہ معصوم نہیں، شیطان کا بیٹا معصوم کیسے ہو سکتا ہے‘‘۔ ٹیسون نے بلا جھجک کہا۔ ’’تمہاری دولت اور طاقت کی مدد سے وہ زمین پر شیطان کی مملکت قائم کرے گا...... ایک نقلی خدائی سلطنت۔ حالاں کہ وہ براہ راست شیطان سے احکامات لے رہا ہوگا......‘‘۔

’’تم پاگل ہو‘‘۔ رابرٹ نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

’’اسے ختم کرنا ہوگا مسٹر تھورن۔ یہ بہت ضروری ہے‘‘۔ ٹیسون کے حلق سے پھر ایک کراہ نکلی اور اس کی ایک آنکھ سے آنسو چہرے پر پھسل آیا۔

رابرٹ تھورن سحر زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ ہل بھی نہیں سکتا ہے۔

’’پلیز مسٹر تھورن‘‘۔ ٹیسون اب رو رہا تھا۔

’’تم نے مجھ سے پانچ منٹ مانگے تھے‘‘۔

’’تم مگیدو جاؤ اور بیوگن ہیگن سے ملو۔ جلدی کرو۔ کہیں دیر نہ ہو جائے‘‘۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے لرزتی ہوئی انگلی ٹیسون کی طرف اٹھائی۔ ’’جو تم نے کہا، میں نے سن لیا۔ اب تم میری بات غور سے سن لو‘‘۔ اس نے سخت تنبیہی لہجے میں کہا۔ ’’اب اگر مجھے تمہاری صورت نظر آئی تو میں تمہیں گرفتار کرا دوں گا‘‘۔ یہ کہہ کر وہ مڑا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

ٹیسون رندھی ہوئی، آنسوؤں سے بھیگی آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ ’’ٹھیک ہے مسٹر تھورن۔ اب ہماری ملاقات جہنم میں ہوگی۔ وہاں ہم اپنی مشترکہ سزا بھگت رہے ہوں گے‘‘۔

............x............

اگلے ہی لمحے رابرٹ تھورن جا چکا تھا۔ ٹیسون اکیلا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما ہوا تھا۔ کئی منٹ تک وہ اسی حال میں اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وہ رک ہی نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال تھا۔ کھیل ختم ہو گیا تھا...... اور وہ ناکام ہو چکا تھا۔

دھیرے دھیرے اٹھتے ہوئے اس نے پارک کا جائزہ لیا۔ پارک اب خالی تھا اور وہاں سناٹا تھا۔ نجانے کیوں وہ سکوت اور عدم تحرک اسے بہت غیر معمولی لگ رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی خلا میں کھڑا ہے، جہاں ہوا نے بھی اپنی سانس روک لی ہے۔

پھر اچانک اسے وہ ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ ابتدا میں وہ بہت دور کی آواز تھی...... دور کی اور بہت دھیمی آواز! لیکن پھر بتدریج اس میں شدت آتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے اردگرد کی فضا اس کی گونج سے مرتعش ہو گئی۔ اور اس آواز کا حجم اب بھی مسلسل بڑھ رہا تھا۔

ٹیسون نے گھبرا کر اپنے گلے میں پڑی ہوئی صلیب ہاتھ میں تھام لی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں اور اس نے خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آسمان تاریک ہوتا جا رہا تھا اور ہوا میں بہ تدریج تیزی آ رہی تھی۔ پھر ہوا اتنی تیز ہو گئی کہ درختوں کو دیکھتے ہوئے لگتا تھا کہ ہوا انہیں اکھاڑ پھینکے گی۔

ہوا اب غضب ناک ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں حمائلی صلیب دبوچے ہوئے ٹیسون اٹھا اور سڑک کی طرف چلنے لگا۔ اپنی دانست میں وہ تحفظ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ وہاں پہنچا تو ہوا کا غیض و غضب اور بڑھ گیا۔ وہاں اس کے اردگرد ہوا بگولوں کی شکل میں ناچ رہی تھی۔ ردی کاغذ اور سڑک کا کوڑا کچرا اس کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ پھر ہوا کا ایک زبردست تھپیڑا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

سڑک کے پار اسے ایک چرچ نظر آ رہا تھا۔ وہ سڑک پار کرنے کی نیت سے فٹ پاتھ سے اترا تو ہوا اس پر عقاب کی سی تیزی سے جھپٹی۔ ہوا کی مخالف سمت عافیت کی طرف بڑھنے کے لئے اسے بہت زور لگانا پڑ رہا تھا۔ اب ہوا کے شور کے ساتھ ایک شیطانی آواز بھی تھی، جو اسے اپنے کان میں چنگھاڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

ہوا سے لڑنے کی جدوجہد میں نڈھال ہوتا، سسکتا کراہتا ٹیسون آگے بڑھ رہا تھا۔ گرد کے جھکڑ نے اسے کچھ دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نہ تو اس نے دیکھا، نہ ہی اسے آواز سنائی دی، بہر حال ایک ٹرک اس کی طرف آ رہا تھا۔ ٹرک ڈرائیور بھی گرد کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر بریک لگائے۔ لیکن بہت تیز رفتاری کی وجہ سے رفتار کم ہونے میں بھی وقت لگا۔

ٹائروں کے زمین پر رگڑنے کی آواز ٹیسون کے بہت قریب سے آئی تھی۔ اسے خود بھی حیرت ہوئی کہ وہ ٹرک کی لپیٹ میں آنے سے کیسے بچ گیا۔ بہر حال رفتار کم کرتے کرتے ٹرک قریب ہی پارک ہوئی گاڑیوں کی قطار میں گھس گیا۔ پھر ایک زوردار دھماکے کے بعد ٹرک رک گیا۔

ہوا اچانک رک گئی تھی۔ لوگ چیختے چلاتے ہوئے ٹیسون کے پاس سے گزر کر بدنصیب ٹرک کی طرف جا رہے تھے۔ ٹرک میں ڈرائیور کا خون میں نہایا ہوا سر کھڑکی پر لٹکا ہوا تھا۔ سر سے خون بہہ کر چہرے کو بھگوتے ہوئے اس کے کپڑوں پر گر رہا تھا۔

اوپر آسمان پر زبردست گڑگڑاہٹ ہوئی۔ ٹیسون بیچ سڑک پر کھڑا خوف سے لرزتے ہوئے بچے کی طرح رو رہا تھا۔ سامنے چرچ کے عین اوپر بجلی کا زبردست کڑاکا ہوا۔ اسے سنتے ہی ٹیسون پارک کی طرف واپس بھاگا۔

ایک اور کڑاکے کے ساتھ زبردست بارش شروع ہو گئی۔ آسمان پر کوڑوں کی طرح لہرانے والی بجلی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ ٹیسون اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ لیکن آسمانی بجلی اس کا پیچھا کئے جا رہی تھی۔ بجلی تڑپ کر نیچے آئی۔ ٹیسون بال بال بچا۔ ایک بے حد بڑا درخت بجلی کی لپیٹ میں آ گیا۔

اب ٹیسون کے حلق سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ پھر اسے بھاگنے میں دشواری کا احساس ہوا۔ اگلے ہی لمحے وجہ بھی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ کیچڑ میں آ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور کیچڑ سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے قدم بہر حال سست پڑ گئے تھے۔ بجلی آسمان کی انگلی کی طرح اس کی طرف لہرا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے پارک کی ایک چوبی بینچ آسمانی بجلی کی لپیٹ میں آئی اور ماچس کے پیکٹ کی طرح چرمرا کر رہ گئی۔

ٹیسون نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی اور ان کے درمیان بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ذیلی سڑک پر نکل آیا۔ اسی لمحے آسمان پر پھر کڑاکا ہوا اور بجلی زمین کی طرف لپکی۔ اس بار ایک لیٹر باکس اس کا نشانہ بنا، جس کے پاس سے محض ایک ثانیہ پہلے ٹیسون گزرا تھا۔ دھات کا لیٹر باکس کسی معمولی سی بالٹی کی طرح فضا میں اچھلا اور چند لمحے بعد زمین پر آ گرا۔

ٹیسون کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔ اس کی نظریں مشتعل آسمان پر تھیں۔ بارش اتنی تیز تھی کہ اسے اپنے چہرے پر تھپڑ برستے محسوس ہو رہے تھے۔ نگاہ اور منظر کے درمیان آسمان سے زمین تک پانی کی چادر حائل تھی، جس کی وجہ سے شہر کا منظر بے حد دھندلا نظر آ رہا تھا۔

لندن شہر میں لوگ بارش سے بچنے کے لئے پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کھڑکیاں دھڑ ادھڑ بند ہو رہی تھیں۔ چھ بلاک دور ایک اسکول ٹیچر پرانے طرز کی کھڑکی سے الجھی اسے بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کلاس کے بچے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک پٹ والی پرانے طرز کی ایسی کھڑکی تھی، جسے کھولنے کے لئے اس کے پٹ کو اٹھا کر ایک پول کی مدد سے ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب وہ ٹیچر کھڑکی بند کر رہی تھی تو اسے پول کو ہٹا کر پٹ کو گرانا تھا۔ اس ٹیچر بے چاری نے کبھی فادر ٹیسون کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ اس وقت فادر ٹیسون کی قسمت اس کی قسمت سے جڑ گئی ہے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت پھنکارتے ہوئے اس موسم میں فادر ٹیسون اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اکھڑتی سانسوں کے ساتھ اپنے پیچھے لگے قہر و غضب سے بھاگتا ٹیسون اس تنگ گلی میں داخل ہوا۔ وہ اب بھی دوڑ رہا تھا۔ بجلی کے کڑاکے اب کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن ٹیسون کی طاقت بھی جواب دے رہی تھی۔ ہر دھڑکن اسے ڈنک کی طرح لگ رہی تھی۔

موڑ مڑ کر وہ سانس درست کرنے کے لئے ایک بلڈنگ کے نیچے کھڑا ہوا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ سانس کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں دور پارک پر جمی تھیں، جہاں بجلیاں اب بھی لہرا رہی تھیں۔ اوپر کی طرف دیکھنے کا اسے خیال ہی نہیں آیا۔ حالاں کہ وہاں کچھ ہو رہا تھا۔

تیسری منزل کی اس کھڑکی کا پول ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ٹیچر اس کے نچلے حصے کو اس کے کنڈے سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پول کا بالائی حصہ جن کیلوں کی مدد سے کھڑکی کے پٹ سے جوڑا گیا تھا، وہ زنگ آلود ہو کر دھیرے دھیرے جگہ چھوڑتے چھوڑتے اب پول کو پوری طرح آزاد کر رہی تھیں۔ ادھر ٹیچر نے پول کو کنڈے سے نکالا، ادھر بالائی حصہ بھی نکلا اور پول عمودی حالت میں زمین کی طرف گرنے لگا۔ ٹیچر نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نیزے کی طرح نیزے ہی کی رفتار سے گر رہا تھا۔ اس کا نکیلا دھاتی حصہ نیچے تھا۔

ٹیسون عین اس جگہ کھڑا تھا۔ پول اس کے سر میں گھسا تھا اور اس کے پورے جسم کے وسطی حصے سے گزر کر زمین میں دھنس گیا۔ پول نے ٹیسون کو جیسے پرو دیا تھا۔ خون نہ نکلا ہوتا تو اسے دیکھ کر کسی بڑے کھلونے ہی کا خیال آتا۔

پورے لندن میں موسم گرما کی بارش اچانک ہی رک گئی تھی!

اسکول کی ٹیچر نے تیسری منزل سے نیچے جھانکا اور اس منظر کو دیکھ کر پاگلوں کی طرح چلانے لگی۔

دوسری سڑک پر پارک کے سامنے لوگ الٹے ہوئے ٹرک سے ڈرائیور کی خون میں لت پت لاش نکال رہے تھے۔

بادل چھٹے اور سورج نے دوبارہ سر اٹھایا اور یوں چمکنے لگا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

کچھ چھوٹے بچے پادری کی پول کے ساتھ گڑی لاش کے گرد جمع ہو گئے تھے اور متجسس نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پادری کے ہیٹ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور چہرے پر حیرت کا تاثر منجمد ہو گیا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ایک بڑی سبز رنگ کی مکھی اس کے مردہ ہونٹوں پر منڈلا رہی تھی، جیسے اس کے کھلے ہوئے منہ میں گھسنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

............x............

یہ اس واقعے کی اگلی صبح کی بات ہے۔ پیری فورڈ کے گیٹ پر ہورٹن نے اخبارات اکٹھا کئے اور سن روم میں لے گیا، جہاں رابرٹ اور کیتھی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ کمرے سے نکلتے ہوئے ہورٹن نے دیکھا کہ مسز تھورن کا چہرہ اب بھی ستا ہوا تھا اور وہ اعصابی کشیدگی کا شکار لگ رہی تھیں۔ پچھلے کئی ہفتوں سے ان کا یہی حال تھا۔ ہورٹن کا خیال تھا کہ یہ اس ڈاکٹر کی وجہ سے ہے، جس سے ملنے ہفتے میں دو تین بار وہ لندن جاتی تھیں۔ انہیں لے کر وہی جاتا تھا۔

ابتدا میں تو ہورٹن یہ سمجھا کہ یہ کسی جسمانی عارضے کے لئے ہے لیکن پھر ایک دن بلڈنگ کے بورڈ پر اس نے پڑھ لیا کہ ڈاکٹر گریئر سائیکیٹرسٹ ہے۔ خود ہورٹن کو کبھی کسی ماہر نفسیات کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ بلکہ اس کے جاننے والوں میں بھی کسی نے یہ چونچلا نہیں پالا تھا۔ اس کا اپنا نظریہ یہ تھا کہ نفسیاتی معالج بس ایک کام کرتے ہیں...... یہ کہ اپنے مریض کو پاگل پن کی سرحد کے پار دھکیل دیتے ہیں اور ڈاکٹر گریئر سے ملنے کے بعد مسز تھورن کی کیفیت اس کے سامنے تھی اور اس کے اندازے کی تائید کر رہی تھی لندن کے سفر کے دوران مسز تھورن خوش مزاجی اور زندہ دلی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ لیکن واپس آتے ہوئے وہ بجھی بجھی، اعصاب زدہ اور چپ چپ رہتی تھیں۔

اور یہ حقیقت تھی۔ جب سے کیتھی نے ڈاکٹر گریئر سے ملنا شروع کیا تھا، اس کا مزاج برہم رہنے لگا تھا۔ وہ اچھے موڈ میں کم ہی نظر آتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر کوئی بہت بھاری بوجھ ہے، جس سے وہ چٹخی جا رہی ہے۔ گھر کے ملازموں سے وہ دور ہو گئی۔ مختصر اور درشت احکامات کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ اور اپنے بیٹے سے بھی اس کا تعلق تقریباً منقطع ہو چکا تھا۔ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ بچہ پہلے اس کی طرف سے بے پروا تھا۔ لیکن پچھلے چند ہفتوں سے اسے ماں کی طلب ہونے لگی تھی۔ لگتا تھا کہ چند ہفتے پہلے تک جو کیتھی اس کی محبت جیتنے کی کوشش کرتی رہی تھی، وہ اب بار آور ثابت ہو رہی تھیں۔ مگر اب کیتھی کو اس کی محبت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ڈیمین ماں سے محروم ہی تھا۔

خود کیتھی کو بھی یہ تھراپی اپنے لئے بوجھ معلوم ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنی تشویش کی سطح کو کھرچ کر دیکھا تھا تو اسے تشویش اور مایوسی کے گہرے اتھاہ اور تاریک کنویں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ جو زندگی وہ گزار رہی تھی، وہ کنفیوژن سے جنگ کے سوا کچھ بھی نہیں تھی، بلکہ اب تو وہ اپنی شناخت بھی کھو رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے۔ ہاں اسے یاد تھا کہ وہ کون ہوا کرتی تھی اور کیا چاہتی تھی۔ لیکن اب وہ سب کھو چکا تھا۔ مستقبل کا تصور کرتی تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا۔ خوف اس کے لئے روزمرہ کی چیز بن گیا تھا۔ فون کی گھنٹی بجتی تو وہ لرز اٹھتی۔ پریشر کوکر کی آواز سے وہ دہل جاتی۔ ٹی پاٹ کی سیٹی اس کے اعصاب پر بم کی طرح گرتی۔ وہ اس مقام پر پہنچ گئی تھی، جہاں ہر دن گزارنا اس کے حوصلے پر بڑا بار تھا اور حوصلہ ہر روز کم ہوتا جا رہا تھا۔

آج کا دن اس کے لئے اور سخت تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بچا کھچا حوصلہ آج اور کمزور ہو جائے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج اس پر ایک ایسا انکشاف ہوا تھا جو فوری عملی اقدام کا تقاضہ کر رہا تھا۔ اور اسے ڈر تھا کہ اس سلسلے میں اس کا اپنے شوہر سے تصادم ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے مجوزہ عملی اقدام کی مخالفت کرے گا۔ اس کے علاوہ ڈیمین بھی اس کے لئے بوجھ بنتا جا رہا تھا۔ صبح ہی سے اس کے آس پاس منڈلانا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا ڈیمین کا معمول ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ سن روم میں ایک پہیوں والا کھلونا پرشور انداز میں دوڑاتا پھر رہا تھا۔ کھلونا بار بار کیتھی کی کرسی سے ٹکراتا۔ اور کیتھی کو یقین تھا کہ ڈیمین بالارادہ اسے اس کی کرسی سے ٹکرا رہا ہے۔ اور ڈیمین اپنے منہ سے ریلوے انجن کی سی آواز نکال رہا تھا۔

''مسز بے لاک''۔ بالآخر کیتھی نے بلند آواز میں پکارا۔

رابرٹ تھورن اس وقت اخبار کھول رہا تھا۔ کیتھی کے لہجے کی تندی نے اسے دہلا دیا۔ ''کیا بات ہے ڈیئر، کوئی گڑبڑ ہے؟''۔ اس نے پوچھا۔

''ڈیمین۔ میں یہ شور برداشت نہیں کر سکتی''۔

''اب ایسا بھی نہیں ڈیئر کہ یہ......''۔

''مسز بے لاک''۔ کیتھی نے پھر پکارا۔

بھاری بھرکم آیا تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ''جی مادام؟''۔

''بچے کو یہاں سے لے جاؤ''۔ کیتھی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن کیتھی ڈیئر، یہ بے چارہ بس کھیل ہی تو رہا ہے''۔ رابرٹ نے احتجاج کیا۔

''تم اسے یہاں سے لے جاؤ''۔ کیتھی نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے دہرایا۔ وہ مسز بے لاک سے مخاطب تھی۔

''بہت بہتر مادام''۔ مسز بے لاک نے کہا۔

مسز بے لاک ڈیمین کا ہاتھ تھام کر اسے کمرے سے باہر لے گئی۔ ڈیمین نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا۔ رابرٹ تھورن کو اس کی آنکھوں میں دکھ اور اذیت نظر آئی تو وہ تڑپ اٹھا۔ کیتھی اسے نظر انداز کر کے ناشتے میں مصروف رہی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کیتھی کہ ہم نے بچے کی آرزو کیوں کی تھی''۔

''اپنے امیج کے لئے''۔

''کیا؟ کیا کہہ رہی ہو؟''۔ رابرٹ کو شاک لگا۔

''بچہ کیوں نہ ہوتا رابرٹ''۔ کیتھی نے کہا۔ ''ایک خوب صورت فیملی خوب صورت بچے کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتی ہے''۔

اس کے لہجے نے رابرٹ کو ہلا دیا۔ ''کیتھی......''۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہے نا؟ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ بچے کو پالنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ ہم نے تو صرف یہ سوچا کہ ایک خوب صورت بچے کے ساتھ ہماری تصویریں اخبارات میں چھپیں گی تو لوگوں کو کیسا لگے گا۔ وہ ہمارے بارے میں اچھے انداز میں سوچیں گے۔ ہمارا امیج بہتر ہوگا''۔

رابرٹ گنگ ہو کر رہ گیا۔ وہ منہ کھولے حیرت سے کیتھی کو گھور رہا تھا۔

کیتھی بھی اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھنے لگی۔ ''میں نے غلط تو نہیں کہا۔ ٹھیک ہے نا؟''۔

''کیا یہ وہ نفسیاتی امداد ہے، جو ڈاکٹر گریئر سے تمہیں مل رہی ہے؟''۔

''ہاں''۔

''تب تو میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے بات کرنی ہوگی''۔

''ضرور کرو۔ اسے بھی تم سے کوئی بات کرنی ہے''۔

کیتھی کا انداز بے حد بلاواسطہ اور سرد تھا۔ رابرٹ کا خیال تھا کہ جو کچھ کیتھی کہنا چاہتی ہے، وہ سمجھ رہا ہے۔ ''تم ہی بتا دو، کیا بات ہے؟''

''بات یہ ہے رابرٹ کہ ہم ایک مسئلے سے دوچار ہیں''۔

''کچھ بتاؤ تو''۔

''مجھے اب کوئی بچہ نہیں چاہئے رابرٹ''۔

رابرٹ اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور مزید وضاحت کا منتظر تھا۔

''تمہیں اس میں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''میں تو تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔ جو تمہاری مرضی''۔ رابرٹ نے کہا۔

''تو تمہیں اسقاط حمل پر کوئی اعتراض نہیں؟''

رابرٹ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایسا ذہنی جھٹکا تھا، جس سے وہ آسانی سے نہیں سنبھل سکتا تھا۔

''میں امید سے ہوں رابرٹ۔ کل صبح مجھے پتا چلا ہے''۔ کیتھی نے کہا۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ رابرٹ کا سر گھوم رہا تھا۔

''تم نے میری بات سنی بھی؟'' کیتھی نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' رابرٹ کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

''ممکن تو ہے۔ کبھی کبھی حفاظتی انتظامات غیر موثر ہو جاتے ہیں''۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم امید سے ہو؟''

''بالکل یقین ہے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے''۔

رابرٹ کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔ ہاتھ لرز رہے تھے اور وہ میز کو گھور رہا تھا۔ ''تم نے کسی کو بتایا اس بارے میں؟'' اس نے پوچھا۔

''صرف ڈاکٹر گریئر کو معلوم ہے''۔

''تمہیں یقین ہے؟''

''کس بارے میں پوچھ رہے ہو......؟ یہ کہ میں اسقاط چاہتی ہوں؟''

''نہیں...... وضع حمل کے بارے میں''۔

''مجھے پورا یقین ہے''۔

رابرٹ کا جسم شل ہو گیا تھا۔ لگتا تھا کہ ایک انگلی ہلانا بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

لیکن رابرٹ جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔کیتھی نے ہاتھ بڑھا کر اخبار اس سے لے لیا۔اس نے دیکھا، وہ بڑی خوف ناک تصویر تھی۔ایک کھڑکی کا پول ایک شخص کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا زمین میں گڑ گیا تھا۔کیپشن تھا...... پادری پراسرار حالت میں مصلوب۔نا قابل فہم المیہ۔

کیتھی نے اخبار سے سر اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔وہ بہت الجھن زدہ اور دہلا ہوا نظر آ رہا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما، جو برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔"رابرٹ ......کیا بات ہے؟" اس نے پکارا۔

رابرٹ اٹھا اور کمرے سے نکلنے لگا۔

"تم اسے جانتے تھے؟"

رابرٹ نے جواب نہیں دیا۔کیتھی نے پھر تصویر کو دیکھا۔وہ خبر پڑھنے لگی۔اسی دوران اسے رابرٹ کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔جب تک وہ اٹھ کر جھانکتی، رابرٹ کی گاڑی باہر جا چکی تھی۔

کیتھی پھر خبر پڑھنے لگی............

بشپ انڈسٹریل اسکول کی تیسری جماعت کی ٹیچر مسز جیمز کے لئے وہ دن اور دنوں کی طرح ہی شروع ہوا تھا۔وہ جمعے کا دن تھا۔جس وقت بارش شروع ہوئی، وہ بچوں کو ریڈنگ کرانے کی تیاری کر رہی تھیں، حالانکہ بارش کا رخ ایسا نہیں تھا کہ کھڑکی سے اندر آتی۔لیکن بارش کے شور سے بچنے کے لئے انہوں نے کھڑکی بند کرنے کا فیصلہ کیا۔وہ اسکول کی انتظامیہ کو اس پرانی کھڑکی کے بارے میں کئی بار خبردار کر چکی تھیں کہ اسے کھولنے کے لئے پٹ میں اٹکایا جانے والا پول ڈھیلا ہو چکا تھا۔

بہر حال کل وہ پول پوری طرح اپنے کنڈے سے نکل گیا اور تیسری منزل سے عمودی حالت میں نیچے گرا۔بدقسمتی سے ایک راہ گیر اسی وقت بارش سے پناہ لینے کے لئے بلڈنگ کے نیچے آ کر کھڑا ہوا تھا۔پول اس کے سر پر گرا اور پورے جسم کو پروتا ہوا زمین میں گڑ گیا۔وہ موقعے پر ہی ختم ہو گیا۔

پولیس نے ابھی تک اس راہ گیر کی شناخت جاری نہیں کی ہے اور اس کے لواحقین کو تلاش کر رہی ہے؟

کیتھی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔بظاہر تو رابرٹ سے اس کا کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا تھا۔اسی الجھن میں اس نے رابرٹ کے دفتر فون کیا۔لیکن وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔اس نے پیغام چھوڑا کہ وہ آفس پہنچتے ہی گھر فون کر لے۔

دوپہر ہو گئی اور رابرٹ نے کال نہیں کیا۔گویا وہ ابھی تک آفس نہیں پہنچا تھا۔

اب کیتھی نے اپنے سائیکیٹرسٹ ڈاکٹر گریئر کو فون کیا۔"لیکن وہ بھی مصروف تھا اور فون اٹینڈ نہیں کر سکتا تھا۔اس کے بعد اس نے آخری کال اسپتال میں کی اور اسقاط حمل کے انتظامات کے سلسلے میں بات کر لی۔

..................X..................

اخبار میں پادری کی آخری تصویر دیکھنے کے بعد رابرٹ تھورن اپنی گاڑی میں بیٹھ کر لندن کی طرف چلا۔ وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن اس سے زیادہ تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیتھی حاملہ تھی، پادری کی بات درست ثابت ہوئی تھی اور اب جو کچھ بھی ٹیسون نے اس سے کہا تھا، وہ اس میں سے کسی ایک بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے پادری کی پارک میں آخری ملاقات کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ٹیسون نے کیا کیا کہا تھا۔اس نے کوئی نام لیا تھا اور چند مقامات کے نام تھے، جہاں جانے کو وہ کہہ رہا تھا...... کسی سے ملنے کو کہہ رہا تھا۔لیکن اب اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔وہ کوشش کر رہا تھا کہ خود کو پرسکون کر لے۔اب تک جو کچھ بھی ہوا، وہ اسے یاد رہے۔

کیتھی سے اس کی گفتگو...... پھر وہ گمنام فون کال آئی تھی۔"آج کے اخبار پڑھو"۔اس آواز نے کہا تھا۔آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی، لیکن وہ اسے پہچاننے میں ناکام رہا تھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کون ہے جو پادری کے اس سے تعلق سے باخبر ہے۔

یہ سوچتے ہوئے اسے اچانک اس فوٹو گرافر حنیف کا خیال آ گیا۔بالکل درست...... وہ آواز اسی کی تھی۔

اپنے آفس پہنچ کر رابرٹ نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا۔پھر اس نے انٹر کام پر اپنی سیکریٹری کو حنیف کا فون ملانے کی ہدایت کی۔

تھوڑی دیر بعد سیکریٹری نے بتایا کہ حنیف کے فون نمبر پر ریکارڈڈ پیغام چل رہا ہے کہ وہ اس وقت باہر ہے۔

رابرٹ نے اس سے نمبر لیا اور خود ملا کر دیکھا۔ریکارڈڈ پیغام حنیف کی اپنی آواز میں تھا اور وہ وہی آواز تھی، جس نے صبح فون کر کے اسے اخبار پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔سوال یہ تھا کہ حنیف نے فون پر اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ وہ کس طرح کا کھیل کھیل رہا ہے؟

پھر سیکریٹری نے اسے بتایا کہ کیتھی نے کال کیا تھا اور اسے فون کرنے کو کہا تھا۔لیکن رابرٹ نے فی الوقت اسے فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے اسقاط حمل کے بارے میں بات کرے گی اور ابھی وہ اس موضوع پر بات کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"وہ اسے مار ڈالے گا"۔اس کے کانوں میں فادر ٹیسون کی آواز گونجی۔"وہ اسے رحم مادر ہی میں ختم کر دے گا"۔

رابرٹ نے ڈاکٹر چارلس گریئر کا نمبر ملایا۔"میں آ رہا ہوں، مجھے تم سے ایک اہم معاملے پر بات کرنی ہے"۔

..................X..................

ڈاکٹر گریئر کے لئے اس کی آمد غیر متوقع نہیں تھی۔وہ کیتھی کی ذہنی ابتری اور پراگندگی کو دیکھ چکا تھا۔اینگزائٹی اور ٹوٹ پھوٹ کے درمیان ایک بہت باریک لکیر ہوتی ہے۔پچھلے چند دنوں میں وہ کیتھی کو اس لکیر کے دونوں طرف ڈولتے دیکھ چکا تھا۔وہ اس کیفیت کو سمجھ سکتا تھا۔اسے ڈر تھا کہ کیتھی کی دہشت حد سے گزر سکتی ہے...... اس حد تک کہ وہ اپنی جان لینے کی کوشش بھی کر سکتی ہے۔

"کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ خوف کتنی گہرائی تک سرایت کر چکا ہے"۔ڈاکٹر نے رابرٹ سے کہا۔"لیکن میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسز تھورن جذباتی ٹوٹ پھوٹ کے بہت قریب ہیں"۔

رابرٹ تھورن اعصاب زدہ سا بیٹھا ڈاکٹر گریئر کو ادھر ادھر ٹہلتے دیکھ رہا تھا۔

"میں یہ سب پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔یہ ایسا ہے، جیسے مال گاڑی دھیرے دھیرے رفتار پکڑتی ہے"۔

"تو تمہارے خیال میں اس کی حالت پہلے سے زیادہ ابتر ہے؟" رابرٹ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"میں یہ کہوں گا کہ وہ ابتری کی طرف تسلسل کے ساتھ بڑھ رہی ہیں"۔

"تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے؟"

"میں ہفتے میں دو بار انہیں وقت دیتا ہوں۔لیکن میرے خیال میں انہیں مستقل نگہداشت کی ضرورت ہے"۔

"تم دبے لفظوں میں اسے پاگل قرار دے رہے ہو؟"

"میرے خیال میں وہ ایک خیالی دنیا میں جی رہی ہیں اور وہ خیالی دنیا بہت خوف ناک ہے۔مسز تھورن اس خوف کے زیر اثر جی رہی ہیں"۔

"میں نہیں سمجھا، تم کس خیالی دنیا کی بات کر رہے ہو"۔

گریئر سوچ میں پڑ گیا، جیسے فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کھل کر بات کرے یا نہیں۔بالآخر اس نے کہا۔"ان کی ایک فنٹاسی تو یہ ہے کہ ان کے خیال میں ان کا بچہ درحقیقت ان کا نہیں ہے"۔

رابرٹ تھورن کے لئے وہ دن ہی ایسا تھا۔شاک پر شاک لگ رہے تھے۔وہ بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، جیسے مفلوج ہو گیا ہو۔

"اب میں اسے خوف نہیں کہوں گا۔بلکہ اسے ان کی دبی ہوئی، مچلی ہوئی خواہش قرار دوں گا۔لاشعوری طور پر وہ ماں بننا نہیں چاہتی تھیں۔اب اس خواہش کو پورا کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ سمجھیں کہ ان کا بچہ دراصل ان کا نہیں ہے۔کم از کم جذباتی سطح پر وہ یہی سمجھتی ہیں"۔

رابرٹ ابھی تک نہیں سنبھلا تھا کہ اس پر کچھ تبصرہ کر پاتا۔

"دیکھئے...... میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ان کے لئے بچے کی کوئی اہمیت نہیں ہے"۔گریئر نے وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔"اس کے برعکس وہ بچہ ہی ان کی زندگی کی اہم ترین چیز ہے۔لیکن کسی نامعلوم سبب سے وہ اس سے خطرہ محسوس کر رہی ہیں۔خطرے کی نوعیت کا میں اندازہ نہیں لگا سکا ہوں"۔

بالآخر رابرٹ تھورن کی زبان کھلی۔"لیکن اسے بچے کی بہت شدید آرزو تھی"۔

"آپ کی خاطر......! آپ کی خوشی کے لئے؟"

"نہیں...... ہرگز نہیں۔یہ اس کی اپنی آرزو تھی۔وہ ماں بننا چاہتی تھی"۔

"لاشعوری طور پر وہ ماں بن کر خود کو آپ کا اہل ثابت کرنا چاہتی تھیں۔انہیں ڈر تھا کہ یہ نہ ہوا تو وہ آپ کے نزدیک بے وقعت ہو جائیں گی"۔

رابرٹ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں مایوسی تھی۔

"اور اب ماں بننے کے بعد وہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک ماں کے فرائض ادا کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں"۔چارلس گریئر نے اپنی بات جاری رکھی۔"چناں چہ وہ اپنی نااہلی چھپانے کے لئے عذر تراشنے کی کوشش کرتی ہیں۔وہ سوچتی ہیں کہ یہ بچہ ان کا نہیں ہے۔بلکہ یہ تو شیطان کا......"۔

"کیا......؟ کیا......؟" رابرٹ دہل کر رہ گیا۔

"وہ اس سے محبت نہیں کر سکتیں"۔گریئر نے کہا۔"اب اس کی وجہ بھی ظاہر کرنی ہوگی۔کیونکہ ایک ماں کے لئے یہ غیر فطری بات ہے۔سو انہوں نے یہ وجہ گھڑ لی......"۔

"وہ کہتی ہے کہ بچہ شیطان ہے؟" رابرٹ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔اس کا بہت برا حال تھا۔چہرہ خوف سے چیخ رہا تھا۔

"اس وقت ان کے لئے یہ سوچنا ضروری ہے۔ایک اور بچہ ان کے لئے تباہ کن ہوگا"۔

"کیسے؟ اس طرح...... یعنی وہ اسے بھی شیطان سمجھے گی؟"

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''میں خوف زدہ ہوں''۔ رابرٹ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

''یہ تو فطری ہے، صورت حال ہی ایسی ہے''۔

''کچھ بہت خوف ناک ہو رہا ہے، اور بہت خوف ناک ہونے والا ہے''۔

''بہر حال آپ دونوں اس سے گزر جائیں گے...... خیر و عافیت کے ساتھ''۔

''تم سمجھ ہی نہیں رہے ہو''۔

''میں سمجھ رہا ہوں مسٹر تھورن''۔

''نہیں ڈاکٹر، دراصل تم کچھ بھی نہیں جانتے''۔

''آپ یقین کریں، میں جانتا بھی ہوں اور سمجھتا بھی ہوں''۔

رابرٹ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں، اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''آپ بہت دباؤ میں ہیں، بڑا بوجھ ہے آپ پر۔ آپ کو اس کا پوری طرح اندازہ بھی نہیں ہے''۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے''۔

''سب سے پہلے تو آپ کو اسقاط کی منظوری دینی چاہئے''۔

رابرٹ نے سر اٹھایا اور ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ پھر اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''نہیں، ہرگز نہیں''۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ''۔ ڈاکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''دیکھیں، اگر آپ کسی مذہبی فلسفے کے تحت انکار کر رہے ہیں تو......''

''نہیں''۔

''تو آپ اس کی ضرورت کو سمجھیں......''۔

''نہیں۔ مجھے اس کی ضرورت نظر نہیں آتی''۔ رابرٹ کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ''اور میں اس کی اجازت نہیں دوں گا''۔

''یہ ضروری ہے مسٹر تھورن''۔

''نہیں''۔

چارلس گریئر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ رابرٹ تھورن کو بڑی بدمزگی سے دیکھ رہا تھا۔ ''میں آپ کے انکار کی وجہ جاننا چاہوں گا''۔

رابرٹ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا کہ یہ حمل ضائع کر دیا جائے گا۔ لیکن میں اس خطرے سے لڑوں گا۔ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا''۔

ڈاکٹر کی نگاہوں میں الجھن بھی تھی اور فکر مندی بھی۔

''میں جانتا ہوں کہ میری بات سن کر تم سمجھو گے کہ میں بھی پاگل ہوں۔ اور ممکن ہے، ایسا ہو بھی''۔ رابرٹ نے کہا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟''

رابرٹ کے جبڑے بھنچ گئے۔ ''یہ حمل برقرار رہ گیا تو میں یقین کرنے سے بچ جاؤں گا اور میں یقین نہیں کرنا چاہتا''۔

''کیسا یقین؟''

''وہ یقین جو میری بیوی کو ہے۔ یہ یقین کہ میرا بچہ......'' رابرٹ کہتے کہتے رکا۔ الفاظ جیسے اس کے حلق میں پھنس گئے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں کا تاثر اس درندے کا سا تھا، جس نے خطرے کی بو سونگھ لی ہو اور چوکنا ہو گیا ہو۔ ایک وجدانی سوچ ایک مہیب موج کی طرح اس کے اندر چھا گئی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

''مسٹر تھورن؟''

''معاف کرنا ڈاکٹر......''۔

''پلیز مسٹر تھورن، آپ بیٹھ جائیں''۔

لیکن رابرٹ نے سر جھٹکا اور کمرے سے نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی وہ زینے کی طرف لپکا۔ بلڈنگ سے نکل کر وہ بھاگتا ہوا اس طرف بڑھا، جہاں اس نے کار پارک کی تھی، پریشانی کا احساس اس کے وجود میں بھرتا چلا جا رہا تھا۔

وہ کار کے پاس پہنچا۔ اس نے چابی نکال کر دروازہ کھولا۔ کار اسٹارٹ کرتے ہی اس نے ایکسیلیٹر دبایا اور پوری رفتار کے ساتھ یوٹرن لیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی بڑی بات ہونے والی ہے، اسے فوری طور پر گھر پہنچنا چاہئے۔

اس نے گاڑی کو ہائی وے پر ڈال دیا۔ پیری فورڈ تک آدھے گھنٹے کی مسافت تھی۔ مگر نجانے کیوں، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ وقت پر گھر نہیں پہنچ پائے گا۔ سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق تھا۔ وہ بار بار ہارن بجاتا اور گاڑیوں کو اوورٹیک کرتا جا رہا تھا۔

پیری فورڈ ہاؤس میں کیتھی کو بھی نامعلوم تشویش کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک بے نام خوف تھا جو اس کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس سے بچنے کے لئے اس نے خود کو گھریلو کاموں میں الجھا لیا تھا۔ اس وقت وہ دوسری منزل کی لینڈنگ پر پودوں کو پانی دینے والا جھرنا ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ بالکنی پر لٹکے ہوئے گملوں تک کیسے پہنچے۔ اسے ان پودوں کو پانی دینا تھا۔ لیکن ڈر تھا کہ پانی دو منزل نیچے ٹائلڈ فلور پر بکھر جائے گا۔ اس کے عقب میں پلے روم تھا، جہاں ڈیمین اپنے پہیوں والے کھلونے کو دوڑاتے ہوئے ٹرین کی سی آوازیں نکال رہا تھا۔ وہ کھلونے پر سوار تھا اور اسے تیز سے تیز تر کئے جا رہا تھا۔ اس رفتار کی مناسبت سے ٹرین کی آواز بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ مسز بے لاک پلے روم کے ایک گوشے میں یوں آنکھیں بند کئے کھڑی تھی، جیسے مصروف دعا ہو۔ وہ کیتھی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہائی وے پر رابرٹ تھورن اپنی کار پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔ اب اس کی گاڑی روڈ M40 پر تھی، جو اسے سیدھا پیری فورڈ لے جاتا۔ اس کے چہرے سے اعصابی کشیدگی ہویدا تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل کو اس نے سختی سے دبوچ رکھا تھا۔ کار کی ہر حرکت کے ساتھ اس کے جسم میں کھنچاؤ نظر آتا تھا۔ کار سیاہ چکنی سڑک پر اتنی تیزی سے دوڑ رہی تھی کہ باہر سے دیکھنے والوں کو بس ایک نقرئی لکیر سی نظر آتی۔ اس کے مقابلے میں وہ کاریں، جنہیں وہ پیچھے چھوڑ رہی تھی، ساکت نظر آ رہی تھیں۔ رابرٹ تھورن پسینے میں نہا گیا تھا۔ آگے نظر آنے والی ہر کار اس کے لئے اوورٹیک کرنے والا ہدف تھی۔ وہ ہارن بجائے جا رہا تھا اور اس کے جواب میں ہر کار اسے راستہ دے رہی تھی۔ پولیس کا خیال آیا تو اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ وہاں اسے ایک بڑی سیاہ کار اپنی کار کے پیچھے نظر آئی۔ وہ اس کا پیچھا کر رہی تھی اور اس کا اس کی کار سے درمیانی فاصلہ مسلسل کم ہوتا جا رہا تھا۔

رابرٹ کے چہرے پر خوف کا تاثر جم کر رہ گیا!

پیری فورڈ میں ڈیمین اپنی کھلونا گاڑی کی رفتار مسلسل بڑھا رہا تھا۔ ہال وے میں کیتھی تھورن ایک اسٹول لے آئی تھی، اور اب اس پر چڑھ رہی تھی۔ ڈیمین کے کمرے میں مسز بے لاک بچے کو یوں گھور رہی تھی، جیسے اپنے وجود کی پوری قوت سے بچے کو گاڑی مزید تیز چلانے کی تلقین کر رہی ہو، اور وہ اس میں کامیاب بھی تھی۔ کیوں کہ ڈیمین اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی۔

اپنی کار میں رابرٹ تھورن نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔ یہاں تک کہ مزید دبنے کی گنجائش نہیں رہی۔ سیاہ کار اب بہت قریب آ گئی تھی۔ عقب نما میں وہ اس کے ڈرائیور کو دیکھ سکتا تھا، جو بے حد سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رابرٹ کا اسپیڈومیٹر 90 پر تھا۔ پھر سوئی بڑھتے بڑھتے 110 پر جا پہنچی۔ لیکن سیاہ کار سے درمیانی فاصلہ جوں کا توں تھا۔

رابرٹ اب ہانپ رہا تھا وہ جانتا تھا کہ وہ معقولیت اور ہوش و حواس سے دور جا چکا ہے۔ اسے گاڑی روک دینی چاہئے تھی۔ لیکن وہ نہیں روک رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیاہ گاڑی اسے اوورٹیک کرے۔ اس کی کار اس رفتار کے نتیجے میں احتجاجی آوازیں نکال رہی تھی۔ لیکن اسے پروا نہیں تھی۔

''نہیں......''۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا ''نو......نو......''۔

سیاہ گاڑی اب اس کی گاڑی کے ساتھ چل رہی تھی۔ اور پھر وہ دھیرے دھیرے آگے نکلنے لگی۔ رابرٹ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار مار کر جیسے اپنی گاڑی سے رفتار بڑھانے کا مطالبہ کر رہا تھا۔

سیاہ گاڑی آگے نکل رہی تھی۔ اب رابرٹ نے دیکھا کہ سیاہ گاڑی کے عقبی حصے میں ایک تابوت رکھا ہے۔

پیری فورڈ میں ڈیمین کی کھلونا گاڑی کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ بے جان کھلونا گاڑی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔ وہ پورے کمرے میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ناچتی پھر رہی تھی۔ باہر ہال وے میں اسٹول پر چڑھی کیتھی بالکنی سے لٹکے ہوئے پودوں کے گملوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

ہائی وے پر سیاہ جنازہ گاڑی رابرٹ کی کار کو اوورٹیک کر چکی تھی۔ رابرٹ تھورن کے حلق سے خون کو ٹھٹھرا دینے والی چیخ نکلی۔ اسی لمحے پیری فورڈ ہاؤس میں ڈیمین تھورن کی کھلونا گاڑی میزائل کی طرح کمرے سے نکلی اور اسٹول سے ٹکرائی۔ کیتھی کے قدم اکھڑے اور وہ آگے کی طرف گری۔ اس کے دونوں ہاتھ کچھ تھامنے کی کوشش میں مچلے۔ لیکن وہاں خلا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے بالکنی کی ریلنگ پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اسے تو نہیں پکڑ سکی۔ لیکن گولڈ فش کا گول باؤل بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ کیتھی کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ گرتی گئی۔

چیخ معدوم ہوئی اور نیچے فرش پر کیتھی کے ٹکرانے کی آواز ابھری۔ ایک لمحے بعد گولڈ فش کا باؤل فرش سے ٹکرایا اور کرچی کرچی ہو گیا۔

کیتھی فرش پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی، جبکہ اس کے پہلو میں ایک نازک گولڈ فش فرش پر پھیلے پانی میں تڑپ رہی تھی۔

..................x..................

رابرٹ تھورن اسپتال پہنچا۔ اخباری نمائندے وہاں پہلے سے موجود تھے۔ رابرٹ کی آنکھوں کے سامنے فلیش بلب جگمگانے لگے۔ رپورٹرز چیخ چیخ کر اس سے سوالات کر رہے تھے۔ رابرٹ بڑی مشکل سے جگہ بناتا اس دروازے کی طرف بڑھا، جس پر...... انتہائی نگہداشت کا کمرا...... تحریر تھا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے مسز بے لاک کو ہسٹیریائی کیفیت میں پایا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اسے بتایا کہ کیتھی دوسری منزل سے گر گئی ہے اور اسے ایمبولینس میں سٹی ہاسپٹل لے جایا گیا ہے۔

''مسٹر تھورن، آپ کی اہلیہ کی کیا کنڈیشن ہے؟''۔ ایک رپورٹر نے چیخ کر پوچھا۔

''مجھے راستہ دو''۔ رابرٹ نے کہا۔

''کہتے ہیں کہ وہ اوپر سے گری ہے''۔

''مجھے اندر جانے دو''۔

''وہ بچ جائیں گی نا......؟''

رابرٹ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ دروازہ بند ہوا تو رپورٹرز کی آوازوں سے چھٹکارا ملا۔ وہ ہال میں تیز قدموں سے بڑھتا رہا۔

''ایمبیسیڈر تھورن؟''۔

''جی...... میں رابرٹ تھورن ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ڈاکٹر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ''میرا نام بیکر ہے''۔

''میری بیوی کا کیا حال ہے؟''۔ رابرٹ نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ بہت بری طرح گری ہیں۔ سر کی اندرونی چوٹیں ہیں۔ کالر بون میں فریکچر ہے۔ کچھ اندرونی جریان خون بھی ہے۔ تاہم وہ سنبھل جائیں گی''۔

''وہ...... حاملہ بھی ہے''۔

''جی ہیں......''

رابرٹ کی سانسیں رکنے لگیں۔ ''کیا...... کیا حمل ضائع ہوگیا؟''

''جہاں فرش پر وہ گری تھیں، وہاں کے خون کا میں تجزیہ کرانا چاہتا تھا۔ لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے بیٹے کی گورنس پوری طرح صفائی کر چکی تھیں''۔

رابرٹ کا جسم لرزنے لگا۔ وہ سہارے کے لئے دیوار سے ٹک گیا۔

''یہ حادثہ کیسے ہوا، ہم اس کی تفصیل کسی کو نہیں بتائیں گے۔ عام لوگوں کو جتنا کم معلوم ہو، اتنا ہی اچھا ہے''۔ ڈاکٹر نے کہا۔

رابرٹ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر کو احساس ہوگیا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔

''آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بیوی نے چھلانگ لگائی تھی دوسری منزل سے؟''۔

''کیا...... چھلانگ لگائی!''۔

''جی ہاں، دوسری منزل کی بالکنی سے۔ آپ کے بچے اور گورنس کی نگاہوں کے سامنے''۔

رابرٹ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے کندھوں کی لرزش سے ڈاکٹر نے سمجھ لیا کہ وہ رو رہا ہے۔

''جس طرح وہ گری تھیں، ایسے میں عموماً پہلے سر زمین سے ٹکراتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ خود کو خوش قسمت سمجھ سکتے ہیں۔ وہ سر کے بل گری ہوتیں تو بچ نہیں سکتی تھیں''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''خود کو سنبھالیں۔ روئیں نہیں۔ آپ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ بچ گئیں۔ اور اگر مناسب خیال رکھا گیا تو وہ دوبارہ ایسی کوشش نہیں کریں گی۔ میری اپنی سالی میں خودکشی کا رجحان تھا۔ وہ ٹوسٹر لے کر باتھ ٹب میں جا لیٹی۔ بجلی کا زبردست شاک لگا تھا''۔

رابرٹ نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اب وہ کہاں ہیں؟''۔

''سوئٹزرلینڈ میں''۔

''میں اپنی بیوی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں''۔

''اوہ سوری۔ وہ روم نمبر 4A میں ہیں''۔

رابرٹ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق چل دیا۔

کیتھی کے کمرے میں خاموشی اور اندھیرا تھا۔ کارنر میں ایک نرس کرسی پر بیٹھی کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ رابرٹ کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک گیا۔ اسے شاک لگا تھا۔ کیتھی کی حالت ایسی تھی کہ اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ متورم اور نیلا ہو رہا تھا۔ پلازما کی بوتل سے ایک ٹیوب سوئی کے ذریعے اس کے بازو میں لگی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھ پر پلاسٹر چڑھا تھا۔ وہ بے ہوش تھی۔ اس کے چہرے پر زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

''یہ سو رہی ہیں''۔ نرس نے کہا۔

رابرٹ بوجھل قدموں سے بڑھا اور بیڈ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

کیتھی کو نجانے کیسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ کراہی اور اس نے بہت آہستہ سے سر گھمایا۔

''کیا یہ تکلیف میں ہے؟''۔ رابرٹ نے لرزتی آواز میں نرس سے پوچھا۔

''یہ بہت طاقتور مسکن دواؤں کے زیر اثر ہیں''۔ نرس نے جواب دیا۔

رابرٹ کیتھی کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سر بیڈ پر ٹکایا اور رونے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کیتھی کا ہاتھ اس کے سر پر ہے۔

''رابرٹ......'' کیتھی نے سرگوشی میں پکارا۔

رابرٹ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کیتھی آنکھیں کھولنے کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔

''کیتھی''۔ رابرٹ کی آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز سسکی سے مشابہ تھی۔

''اسے مجھ کو قتل نہ کرنے دینا رابرٹ''۔ کیتھی نے کہا۔ پھر اس کی آنکھیں مند گئیں اور وہ سو گئی۔

....................×....................

رابرٹ آدھی رات کے بعد گھر واپس پہنچا۔ دیر تک وہ نیچے اندھیرے میں کھڑا رہا۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں کیتھی گری تھی۔ ٹائل کے فرش پر کیتھی کے خون کے ہلکے ہلکے دھبے نظر آ رہے تھے۔ وہ عجیب سی کیفیت میں ان دھبوں کو دیکھتا رہا۔ تھکن تو اس کے جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کر گئی تھی۔ اور وہ نیند کو ترس رہا تھا۔ جو المیہ رونما ہوا تھا، اس کے احساس سے بچنے کے لئے ایک نیند ہی کا راستہ رہ گیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ایک دن میں...... صرف ایک دن میں زندگی یوں بدل گئی ہے کہ اب کبھی پہلے جیسی نہیں ہو سکے گی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی کی بددعا لگ گئی ہے یا اس پر کوئی لعنت مسلط ہوگئی ہے۔

رابرٹ وہیں کھڑا زینے کو دیکھتا رہا۔ وہ اوپر چڑھا اور اس لینڈنگ کو دیکھنے لگا، جہاں سے کیتھی نے چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے کودنے کے لئے تیار ہوتی ہوئی کیتھی کا تصور کرنے کی کوشش کی۔ ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر کیتھی سنجیدگی سے اپنی جان لینا چاہتی تھی تو اسے دوسری منزل کے بجائے چھت سے کودنا چاہئے تھا۔ اور خودکشی کے اور بھی بہت طریقے تھے۔ گھر میں نیند کی گولیاں بھی بڑی مقدار میں موجود تھیں۔ ریزر بلیڈ بھی موجود تھے۔ اور بھی بہت کچھ تھا۔ کودنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور وہ بھی ڈیمین اور مسز بے لاک کی آنکھوں کے سامنے!

اسے پھر پادری ٹیسون کا خیال آیا اور اس کی تنبیہہ یاد آئی۔ ''وہ اس بچے کو رحم مادر ہی میں ختم کر دے گا۔ پھر وہ تمہاری بیوی کو قتل کرے گا۔ اور جب اسے یقین ہو جائے گا کہ اب تمہاری ہر چیز کا وارث وہ ہے تو وہ تمہیں بھی......''

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن سے یہ سب کچھ جھٹکنے کی کوشش کی۔ اسے پول میں پروئے ہوئے ٹیسون کی تصویر یاد آئی۔ پھر فوٹوگرافر جنیف کی فون کال کا خیال آیا۔ اور یہ یاد آیا کہ جنازہ گاڑی کو دیکھ کر ہائی وے پر اس کی کیا کیفیت ہوئی تھی۔ کیسے اسے یقین تھا کہ گھر پر کچھ بہت ہی برا ہونے والا ہے۔ سائیکٹرسٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اعصابی دباؤ میں ہے۔ بعد میں اس کے طرز عمل نے یہ بات ثابت کر دی تھی۔ کیتھی کے خوف اسے بھی منتقل ہو گئے تھے۔ اسے کوشش کرنا ہوگی کہ وہ ہوش مند رہے...... پاگل پن سے محفوظ!

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اسے جسمانی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ اندھیرے میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت نیند بہت ضروری ہے۔ ایک بھرپور نیند لے کر وہ اٹھے گا تو صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار ہوگا۔ کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو چکی ہوگی۔

اپنے کمرے کے دروازے پر رکا۔ اس نے تاریک ہال میں ڈیمین کے کمرے کی طرف دیکھا۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی لکیر باہر آ رہی تھی۔ اس نے تصور میں ڈیمین کو پرسکون نیند سوتے دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بچے کو دیکھے۔ وہ دبے قدموں اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈرنے کی بات نہیں۔ لیکن ڈر اس کے اندر موجود تھا۔ اس یقین دہانی سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

اس نے ڈیمین کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا......اور وہ بھی بڑی آہستگی سے۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی جو کچھ اسے نظر آیا۔ اس نے اسے دہلا دیا۔ اس کا جسم لرزنے لگا۔

ڈیمین سو رہا تھا۔ لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ایک جانب مسز بے لاک دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خلا میں گھور رہی تھی اور دوسری جانب وہ بے حد جسیم کتا بیٹھا تھا، وہی کتا، جسے اس نے چند ہفتے پہلے بھی دیکھا تھا۔ وہی کتا، جسے اس نے جنگل میں دیکھا تھا۔ وہ کتا بے حد چوکنا انداز میں بیٹھا اس کے بیٹے کی رکھوالی کر رہا تھا۔

رابرٹ کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اور بغیر چاپ پیدا کئے الٹے پیروں واپس ہوا۔ اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ وہاں کھڑا اپنی سانس درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کا جسم اب بھی لرز رہا تھا۔

اسی وقت جیسے خاموشی کا شیشہ چیخ گیا۔ وہ فون کی آواز تھی۔ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے فون کی طرف لپکا۔

''ہیلو......؟'' اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

''میں حنیف بول رہا ہوں۔ یاد ہے......وہ فوٹو گرافر جس کا کیمرا آپ نے توڑا تھا''۔

''ہاں۔ مجھے یاد ہے''۔

''میں چیلسی میں ہوں۔ آپ فوراً مجھ سے ملنے یہاں آ جائیں''

''کیا بات ہے؟''۔

''کچھ تو ہے مسٹر تھورن۔ اور ایسا ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے''۔

..................x..................

حنیف کا اپارٹمنٹ پس ماندہ علاقے میں تھا۔ رابرٹ کو اسے تلاش کرنے میں بہت دشواری پیش آئی۔ ادھر بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ سب کچھ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ عین اس وقت جب وہ مایوس ہونے لگا تھا، اسے وہ بلڈنگ نظر آ گئی۔

حنیف اپنے اپارٹمنٹ کی بے ترتیبی پر شرمندہ تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کا مہمان بہت بڑا آدمی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے اسے صفائی کرنی چاہئے تھی۔ اس نے جلدی جلدی میلے کپڑے الماری میں ٹھونسے۔ بیڈ پر بکھرے ہوئے کمبل کو تہہ کیا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا۔ کیونکہ وہ کھڑکی سے رابرٹ تھورن کو آتا ہوا دیکھ چکا تھا۔

پانچویں منزل پر پہنچتے پہنچتے رابرٹ ہانپ چکا تھا۔ اس کا چہرہ راکھ رنگ ہو رہا تھا۔

''آپ پسند کریں تو میں آپ کو برانڈی پیش کروں؟''۔

''پلیز......''۔

''لیکن یہ آپ کے شایان شان نہیں۔ آپ تو بہت اعلیٰ درجے کی پیتے ہیں''۔

''کوئی بات نہیں۔ اس وقت تو مجھے ڈرنک کی ضرورت ہے''۔

حنیف نے دروازہ بند کیا اور کوٹھری میں چلا گیا۔ رابرٹ تھورن اس کے ڈارک روم کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہاں سرخ چمک دار روشنی تھی۔ دیواروں پر جا بجا فوٹو گراف لٹکے ہوئے تھے۔ وہ سب بڑے سائز کے تھے۔

حنیف ایک بوتل اور دو گلاس اٹھا لایا۔ ایک گلاس بھر کر اس نے رابرٹ کی طرف بڑھایا۔ ''یہ لیجئے۔ یہ آپ کو دھماکہ جھیلنے کے قابل بنا دے گی''۔

رابرٹ جام لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''چیرز''۔ حنیف نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''سگریٹ پئیں گے؟''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ فوٹو گرافر کے انداز کی بے پروائی اس کے اعصاب پر مزید بوجھ ڈال رہی تھی۔ ''تم مجھے کچھ بتانا چاہتے تھے''۔ اس نے حنیف کو یاد دلایا۔

''جی ہاں''۔

''میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا تھا۔ ایسا کیا ہے، جو مجھے معلوم ہونا چاہئے؟''۔

حنیف اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''آپ کو ابھی تک معلوم نہیں؟''۔

''نہیں''۔

''تو پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''۔

''تم نے فون پر کوئی واضح بات جو نہیں کی تھی''۔

حنیف نے سر ہلایا۔ ''جی ہاں۔ میں واضح بات کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے''۔

''کچھ بتاؤ تو، کیا ہے؟''۔

''فوٹو ہیں''۔ حنیف نے گلاس خالی کر کے رکھا اور ڈارک روم میں چلا گیا۔ پھر اس نے اشارے سے رابرٹ کو بلایا۔ ''میں نے سوچا، پہلے آپ کو انٹرٹین کروں''۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں''۔

''جو میں دکھانے والا ہوں، اسے دیکھ کر آپ کا دل پھر سے دھڑکنے لگے گا''۔

''اس نے چند فوٹوز کے اوپر لگی اسپاٹ لائٹس آن کیں۔ رابرٹ اس کے پاس ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

''ان تصویروں کو پہچانتے ہیں آپ؟''۔

وہ ڈیمین کی چوتھی سالگرہ پارٹی کی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں ڈیمین کی پہلی آیا چیسا جوکر کے کاسٹیوم میں اکیلی کھڑی تھی۔ پس منظر میں حویلی تھی۔ ''ہاں، پہچانتا ہوں''۔ رابرٹ نے کہا۔

''اب ایک نظر اس تصویر کو دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر ہٹائی۔ اس کے نیچے ایک اور تصویر تھی۔ اس میں جھولا جھولتے ہوئے بچے تھے اور کیتھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

حنیف نے وہ تصویر بھی ہٹائی۔ نیچے ایک اور تصویر تھی۔ وہ بھی چیسا کی تھی۔ اس تصویر میں چیسا اداس نظر آ رہی تھی۔ اس کے پس منظر میں بھی حویلی تھی۔ ''اس تصویر میں آپ کو کوئی غیر معمولی بات نظر آ رہی ہے؟''۔

''نہیں''۔

حنیف نے انگلی سے تصویر کے اس حصے کو سہلایا، جہاں چیسا کی گردن اور سر کے پاس دھند کا دھبہ سا تھا۔ ''پہلے میں اسے تصویر کا نقص سمجھا تھا''۔ حنیف نے کہا۔ ''لیکن آپ اگلی تصویر میں دیکھیں''

اس تصویر میں چیسا چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔ وہ اس کی خودکشی کے بعد کی تصویر تھی۔

''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''ابھی سمجھ جائیں گے''۔

حنیف نے وہ تصویریں ہٹائیں اور تصویروں کی ایک اور گڈی اٹھائی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس میں سب سے اوپر پادری ٹیسون کی تصویر تھی۔ جس میں وہ امریکن ایمبیسی سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ ''اس تصویر کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟''۔

رابرٹ نے تصویر دیکھی اور پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے ملی؟''۔

''یہ میں نے کھینچی ہے''۔

''تم نے کہا تھا کہ تم اس شخص کو ڈھونڈ رہے ہو۔ اور یہ تمہارا رشتہ دار ہے''۔

''میں نے جھوٹ کہا تھا۔ آپ بس تصویر کو غور سے دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر میں پادری کے سر پر لٹکے ہوئے دھند نما دھبے کو انگلی سے چھوا۔

''یہ...... یہ اس کے سر پر سایہ......؟''۔

''جی ہاں، اور یہ تصویر دیکھیں۔ یہ اس تصویر کے دس دن بعد کھینچی گئی ہے''۔ حنیف نے تصویر ہٹا کر دوسری تصویر دکھائی۔ وہ آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں لوگوں کے ایک گروپ کی تصویر تھی۔ ٹیسون کا چہرہ تو تصویر میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن پادریوں والا لبادہ واضح تھا۔ اس تصویر میں بھی جہاں پادری کا سر ہوگا، وہاں دھند کا وہی دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ اسی پادری کی تصویر ہے۔ اس کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ لیکن دھند کا وہ دھبہ نمایاں ہے''۔ حنیف نے کہا۔

رابرٹ تصویر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''تو پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''تم نے فون پر کوئی واضح بات جو نہیں کی تھی''۔

حنیف نے سر ہلایا۔ ''جی ہاں۔ میں واضح بات کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ جو کچھ بھی ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے''۔

'' کچھ بتاؤ تو، کیا ہے؟''

''فوٹو ہیں''۔ حنیف نے گلاس خالی کر کے رکھا اور ڈارک روم میں چلا گیا۔ پھر اس نے اشارے سے رابرٹ کو بلایا۔ ''میں نے سوچا، پہلے آپ کو انٹرٹین کروں''۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں''۔

''جو میں دکھانے والا ہوں، اسے دیکھ کر آپ کا دل پھر سے دھڑکنے لگے گا''۔

اس نے چند فوٹوز کے اوپر لگی اسپاٹ لائٹس آن کیں۔ رابرٹ اس کے پاس ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

''ان تصویروں کو پہنچانتے ہیں آپ؟''

وہ ڈیمین کی چوتھی سالگرہ پارٹی کی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں ڈیمین سی پہلی آیا چیسا جوکر کے کاسٹیوم میں اکیلی کھڑی تھی۔ پس منظر میں حویلی تھی۔ ''ہاں، پہنچانتا ہوں''۔ رابرٹ نے کہا۔

''اب ایک نظر اس تصویر کو دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر ہٹائی۔ اس کے نیچے ایک اور تصویر تھی۔ اس میں جھولا جھولتے ہوئے بچے تھے اور کیتھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

حنیف نے وہ تصویر بھی ہٹائی۔ نیچے ایک اور تصویر تھی۔ وہ بھی چیسا کی تھی۔ اس تصویر میں چیسا اداس نظر آ رہی تھی۔ اس کے پس منظر میں بھی حویلی تھی۔ اس تصویر میں آپ کو کوئی غیر معمولی بات نظر آ رہی ہے؟''

''نہیں''۔

حنیف نے انگلی سے تصویر کے اس حصے کو سہلایا، جہاں چیسا کی گردن اور سر کے پاس دھند کا دھبہ سا تھا۔ ''پہلے میں اسے تصویر کا نقص سمجھا تھا''۔ حنیف نے کہا ''لیکن آپ اگلی تصویریں دیکھیں''۔

اس تصویر میں چیسا چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔ وہ اس کی خودکشی کے بعد کی تصویر تھی۔

''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''ابھی سمجھ جائیں گے''۔

حنیف نے وہ تصویریں ہٹائیں اور تصویروں کی ایک اور گڈی اٹھائی۔ اس میں سب سے اوپر پادری ٹیسون کی تصویر تھی، جس میں وہ امریکن ایمبیسی سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ ''اس تصویر کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟''

رابرٹ نے تصویر دیکھی اور پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے ملی؟''

''یہ میں نے کھینچی ہے''۔

''تم نے کہا تھا کہ تم اس شخص کو ڈھونڈ رہے ہو اور یہ تمہارا رشتے دار ہے''۔

''میں نے جھوٹ کہا تھا۔ آپ بس تصویر کو غور سے دیکھیں''۔ حنیف نے تصویر میں پادری کے سر پر لٹکے ہوئے دھند نما دھبے کو انگلی سے چھوا۔

''یہ...... یہ اس کے سر پر سایہ......؟''

''جی ہاں اور یہ تصویر دیکھیں، یہ اس تصویر کے دس دن بعد کھینچی گئی ہے''۔ حنیف نے تصویر ہٹا کر دوسری تصویر دکھائی۔ وہ آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں لوگوں کے ایک گروپ کی تصویر تھی۔ ٹیسون کا چہرہ تو تصویر میں نہیں نظر آ رہا تھا۔ لیکن پادریوں والا لبادہ واضح تھا۔ اس تصویر میں بھی جہاں پادری کا سر ہوگا، وہاں دھند کا وہی دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ اسی پادری کی تصویر ہے۔ اس کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ لیکن دھند کا وہ دھبہ نمایاں ہے''۔ حنیف نے کہا۔

رابرٹ تصویر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''آپ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ پادری کا سر کہاں ہونا چاہئے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ اس تصویر میں دھند کا یہ دھبہ سر سے اتر کر گردن تک آ پہنچا ہے۔ دس دن پہلے کی تصویر میں یہ اس کے سر اور چہرے پر تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہے، متحرک ہے۔

رابرٹ نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ حنیف کی بات درست تھی۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔

حنیف نے وہ تصویر ہٹائی اور اس کی جگہ اخبارات کے صفحۂ اول پر شائع ہونے والی ٹیسون کی موت کے بعد کی تصویر رکھ دی۔ ''اب دیکھیں''۔

رابرٹ کو فرق نظر آ گیا۔ پہلی تصویروں میں دھند کا وہ دھبہ متحرک تھا۔ جبکہ اس آخری تصویر میں وہ ساکت تھا۔ آیا چیسا کی تصویروں میں یہی فرق نظر آ رہا تھا۔ جس تصویر میں وہ چھت سے لٹکی نظر آ رہی تھی، اس میں دھند کا وہ دھبہ ساکت تھا۔

''بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

رابرٹ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ ساکت و صامت بیٹھا تھا۔

اچانک ایک خودکار ٹائمر کی آواز گونجی۔ حنیف نے ایک اور لائٹ آف کر دی۔ پھر وہ رابرٹ کی طرف مڑا، جو اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''میں بھی اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اس لئے تو میں نے تفتیش شروع کی تھی''۔

اس نے کیمیائی محلول میں چٹکی ڈال کر ایک بڑی کی ہوئی تصویر پکڑی اور باہر نکالی۔ اسے جھٹک کر وہ خشک کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر وہ اس تصویر کو روشنی کے سامنے لے گیا۔

''پولیس میں میرے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ نیگیٹیو دیئے تھے، جن سے میں نے تصویریں بڑی کر کے بنائی ہیں۔ کورونر کی رپورٹ کے مطابق وہ کینسر کے آخری اسٹیج پر تھا۔ تقریباً ہر وقت وہ مورفین کے اثر میں رہتا تھا۔ دن میں تین بار وہ مورفین کے انجکشن لیتا تھا''۔

رابرٹ تھورن کی نظر اس بڑی کی ہوئی تصویر پر پڑی تو وہ پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ وہ تین تصویریں تھیں...... پادری کی برہنہ لاش کی تصویریں!

''ظاہری طور پر...... بیرونی طور پر اس کا جسم بالکل نارمل تھا''۔ حنیف کہہ رہا تھا۔ ''لیکن آپ ذرا اس کی بائیں ران کے اندر والے حصے کو دیکھیں''۔ یہ کہہ کر اس نے رابرٹ کی طرف طاقتور محدب عدسہ بڑھایا۔

رابرٹ نے بہ غور جسم کے مجوزہ حصے کو دیکھا۔ بہت غور سے دیکھنے پر اسے وہ نشان نظر آیا۔ وہ گودا ہوا نشان لگتا تھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''چھ کے تین ہندسے...... چھ سو چھیاسٹھ''۔

''کسی نازی عقوبتی کیمپ کی نشانی؟''

''پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن ڈاکٹر کی رپورٹ کہتی ہے کہ یہ گودا گیا ہے۔ عقوبتی کیمپوں میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو خود کردہ معلوم ہوتا ہے''۔

ان دونوں کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ رابرٹ کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

حنیف نے ایک اور تصویر اٹھائی اور اسے روشنی کے سامنے لے آیا۔ ''یہ وہ کمرا ہے، جہاں وہ رہتا تھا۔ سوہو میں ایک کمرے کا چھوٹا سا اپارٹمنٹ۔ میں نے وہ فلیٹ دیکھا ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو فلیٹ چوہوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ نمکین گوشت کا ادھ کھایا ٹکڑا چھوڑ گیا تھا، چوہے دعوت اڑا رہے تھے''۔

رابرٹ تھورن نے تصویر کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک میز، ایک بیورو اور ایک بیڈ تھا۔ دیواروں پر مڑے تڑے صفحے چپکائے گئے تھے، جو بے حد عجیب لگ رہے تھے۔ اس کے علاوہ ہر جگہ بڑی بڑی صلیبیں لٹکی ہوئی تھیں۔

''یہ جو کاغذ ہیں، یہ بائبل کے صفحات ہیں''۔ حنیف نے وضاحت کی۔ ''ہزاروں صفحات! دیوار پر ایک انچ کی جگہ بھی ایسی نہیں تھی، جہاں بائبل کا صفحہ نہ چپکایا گیا ہو۔ حد یہ ہے کہ اس نے کھڑکیوں کو بھی ان صفحات سے ڈھانپ دیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی شیطانی چیز کو کمرے میں داخل ہونے سے روک رہا تھا''۔

رابرٹ تھورن حیرت زدہ بیٹھا اس تصویر کو تکے جا رہا تھا۔

''اور صلیبیں بھی لاتعداد تھیں۔ اکتالیس صلیبیں تو صرف داخلی دروازے پر گاڑی گئی تھیں''۔ حنیف نے کہا۔

''وہ...... وہ پاگل تھا!'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

حنیف نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ بات یہ نہیں ہے''۔

حنیف نے ایک دراز کھولی اور ایک بوسیدہ سا فولڈر نکالا۔ ''پولیس نے اسے مذہبی دیوانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا''۔ وہ بولا۔ ''میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں''۔ وہ نشست گاہ میں چلا آیا، رابرٹ تھورن اس کے پیچھے تھا۔ حنیف نے فولڈر کو میز پر الٹ دیا۔ تمام چیزیں میز پر بکھر گئیں۔ ''یہ اس کی ڈائری ہے''۔ حنیف نے بوسیدہ ڈائری اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتی۔ ہاں آپ کی...... آپ کی مصروفیات کے متعلق بتاتی ہے۔ آپ آفس سے کب نکلے...... کہاں گئے...... کہاں لنچ کیا...... کہاں تقریر کی......''۔

''ذرا مجھے دکھاؤ''۔

''ضرور دیکھیں''۔

رابرٹ تھورن نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری کھولی اور آہستہ آہستہ ورق گردانی کرتا رہا۔

''اس کا آخری اندراج بتاتا ہے کہ اس کی آپ سے ملاقات طے تھی...... کیوز گارڈن میں۔ اور یہ اندراج اسی تاریخ کا ہے، جب اس کی موت واقع ہوئی۔ میرا خیال ہے، پولیس کو پتا چل جائے تو وہ اس معاملے میں خصوصی دلچسپی لینے لگے گی۔

رابرٹ نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ''وہ پاگل تھا''۔

''میں ایسا نہیں سمجھتا''۔

حنیف کے لہجے میں دکھی تھی اور وہ ٹکٹکی باندھے اسے گھور رہا تھا۔ رابرٹ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''آپ اس سے ملے تھے؟''

''نہیں''۔

''مسٹر ایمبیسیڈر، میرے پاس اور معلومات بھی ہیں۔ لیکن جب تک آپ مجھے حقیقت نہیں بتائیں گے، میں وہ آپ کو نہیں دوں گا''۔

''تمہیں اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟'' رابرٹ کی آواز پھنکار سے مشابہ تھی۔

''میں آپ کا دوست ہوں، آپ کے کام آنا چاہتا ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ تھورن کے جسم میں تناؤ تھا اور نظریں حیف کے چہرے پر جمی تھیں۔

''بہت اہم چیزیں یہاں موجود ہیں۔اب چاہیں تو تبادلۂ معلومات کرلیں۔چاہیں تو رخصت ہوجائیں''۔

رابرٹ دانت پیس رہا تھا۔''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''آپ نے پارک میں اس سے ملاقات کی تھی؟''

''ہاں''۔

''اس نے کیا کہا آپ سے؟''

''اس نے مجھے تنبیہہ کی تھی''۔

''کس سلسلے میں؟''

''اس نے کہا کہ میری زندگی کو خطرہ ہے''۔

''کس نوعیت کا خطرہ؟''

''اس کی باتیں مبہم اور غیر واضح تھیں''۔

''مجھے بے وقوف نہ بنائیں''۔

''یہ بات نہیں۔اس کی گفتگو ہوش مندانہ نہیں تھی''۔

حنیف ایک قدم پیچھے ہٹا اور اسے اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

''وہ بائبل سے اقتباس سنا رہا تھا۔مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔میں اسے پاگل سمجھ رہا تھا۔اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔میں سچ بتا رہا ہوں۔مجھے یاد نہیں۔کیوں کہ میری سمجھ میں کچھ آ ہی نہیں رہا تھا''۔

حنیف کے انداز میں اب بھی اشتباہ تھا اور رابرٹ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

''دیکھیں......آپ کو مجھ پر بھروسا کرنا چاہئے''۔حنیف نے کہا۔

''تم نے کہا کہ تمہارے پاس اور اہم معلومات ہیں؟''

''لیکن پہلے آپ کو پوری حقیقت اگلنی ہوگی''۔

''اب میرے پاس بتانے کو کچھ اور ہے ہی نہیں''۔

حنیف نے بے بسی سے کندھے جھٹکے، سر ہلایا اور میز پر بکھری ہوئی چیزوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔اس نے ان میں سے اخبار کا ایک تراشہ نکالا اور رابرٹ تھورن کی طرف بڑھایا۔

''یہ ماہنامہ منجم کا تراشہ ہے۔اس میں ایک غیر معمولی فلکیاتی واقعے کی رپورٹ چھپی ہے۔ایک شہاب ثاقب چمکتا ہوا ستارہ بن گیا......دو ہزار سال پہلے والے ستارۂ بیت اللحم کی طرح''۔

رابرٹ نے اس آرٹیکل کا جائزہ لیا۔وہ بار بار اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

''فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تازہ واقعہ مغرب میں ہوا...... براعظم یورپ میں''۔حنیف نے اپنی بات جاری رکھی اور یہ چار سال پرانی بات ہے......تاریخ تھی......6 جون۔یہ تاریخ سن کر آپ کے دماغ میں کوئی گھنٹی بجتی ہے؟''

''ہاں''۔

''تو پھر آپ اس دوسرے تراشے کی اہمیت بھی سمجھ سکیں گے۔یہ روم کے ایک اخبار کے آخری صفحے پر چھپا تھا''۔

رابرٹ نے دوسرا تراشہ لیا اور اسے فوراً ہی پہچان بھی لیا۔وہ کیتھی کی اسکریپ بکس میں موجود تھا۔

''یہ آپ کے بچے کی پیدائش کی خبر ہے۔تاریخ وہی ہے......چار سال پہلے کی 6 جون۔میں اسے اتفاق کہوں گا۔آپ کیا کہتے ہیں؟''

رابرٹ نے تھورن کے ہاتھ اس بری طرح کانپ رہے تھے اور تراشہ اس کے ہاتھوں میں یوں پھڑپھڑا رہا تھا کہ اس سے کچھ پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

''آپ کا بیٹا چھ بجے پیدا ہوا تھا''۔

رابرٹ نے پرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھا۔مگر بولا کچھ نہیں۔

''میں فادر ٹیسون کی ران کے اس نشان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔میرا خیال ہے، یہ آپ کے بیٹے کی پیدائش سے تعلق رکھتا ہے۔چھٹا مہینہ، چھٹا دن اور......''۔

''میرا بیٹا مر چکا ہے''۔رابرٹ تھورن اچانک پھٹ پڑا۔''میرا بیٹا مر چکا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ میں جسے پال رہا ہوں، وہ کس کا بیٹا ہے''۔اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔اس کی سانسیں بے حد ناہموار تھیں۔

''آپ مائنڈ نہ کریں مسٹر تھورن تو میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کروں''۔

''نہیں۔یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے''۔

''آپ غلطی پر ہیں جناب''۔حنیف نے سنگین لہجے میں کہا۔''یہ میرا مسئلہ بھی ہے''۔

رابرٹ نے چونک کر اسے دیکھا۔دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔حنیف ڈارک روم میں گیا۔واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک اور تصویر تھی، جس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔اس نے تصویر کو جھٹکا اور رابرٹ کی طرف بڑھا دیا۔''پادری کے کمرے کے ایک گوشے میں ایک چھوٹا سا آئینہ تھا''۔حنیف وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''تصویریں لیتے ہوئے آئینے میں میرے اپنے عکس کی یہ تصویر بھی بن گئی''۔

رابرٹ نے تصویر کو دیکھا۔اس کے چہرے پر شاک نظر آیا۔

''کیا خیال ہے، غیر معمولی افیکٹ ہے نا؟''حنیف نے کہا۔

رابرٹ اس تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔تصویر میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔اکثر فوٹو گرافر بے دھیانی میں اپنی اس طرح کی تصویر کھینچ جاتے ہیں۔اس تصویر میں غیر معمولی بات یہ تھی کہ حنیف کے سر اور دھڑ میں کوئی رابطہ نہیں تھا۔وہ گردن پر آتے ہوئے اسی دھبے نما پھندے کی وجہ سے ایک دوسرے سے منقطع نظر آرہے تھے۔یہ وہی دھند کا دھبا سا تھا، جو اس سے پہلے آیا چیسا اور فادر ٹیسون کی تصویروں میں وہ دیکھ چکا تھا۔

اور اب وہ دونوں مر چکے تھے!

..................X..................

کیتھی کا حادثہ رابرٹ تھورن کے لئے آئندہ چند روز تک آفس نہ آنے کا بہترین عذر تھا۔اس نے اپنے اسٹاف کو بتایا کہ وہ کیتھی کے لئے ہڈیوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے ملاقات کے لئے روم جا رہا ہے۔

روم تو اسے جانا تھا......لیکن ایک دوسرے مشن پر۔اس رات اس نے حنیف کو سب کچھ بتا دیا تھا۔یہ تجویز حنیف کی ہی تھی کہ تفتیش کا آغاز وہیں سے کیا جائے، جہاں ڈیمین پیدا ہوا تھا۔ وہیں سے انہیں اس تصویری معمے کے گمشدہ ٹکڑے ملیں گے۔

اس نے بڑی خاموشی سے سفر کا انتظار کیا۔اسے پریس سے بچنا تھا۔اس نے روم جانے کے لئے ایک پرائیویٹ جیٹ طیارہ کرائے پر لیا۔طیارہ روم کے اس رن وے پر اترا، جہاں عام لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔

روانگی سے پہلے حنیف تحقیقی مواد جمع کرنے میں مصروف رہا۔اس کے پاس بائبل کے کئی مختلف پرنٹ، پراسرار اور شیطانی علوم پر تین کتابیں اور باب الفتن کے ذیل میں ترتیب دی گئی احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔

رابرٹ تھورن نے بڑے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے کی مدد سے اپنا حلیہ ایسا بنالیا تھا کہ کوئی اسے رابرٹ تھورن کی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔پیری فورڈ میں خاموشی تھی۔رابرٹ خاموش گھر میں چکراتا پھرا۔اسے احساس ہوا کہ ہورٹن اور اس کی بیوی گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

وہ کچن میں داخل ہوا تو مسز بے لاک نے اسے دیکھتے ہی کہا۔''وہ دونوں چلے گئے''۔

مسز بے لاک سنک کے پاس کھڑی ترکاری کاٹ رہی تھی۔اس سے پہلے یہ کام ہمیشہ مسز ہورٹن کرتی تھی۔

''چلے گئے؟''رابرٹ کے لہجے میں الجھن تھی۔''واپس کب آئیں گے؟''

''کبھی نہیں۔وہ ملازمت چھوڑ گئے ہیں۔انہوں نے آپ کے لئے ایڈریس دیا ہے۔آپ ان کی پچھلے ماہ کی تنخواہ اس ایڈریس پر انہیں بھیج سکتے ہیں''۔

رابرٹ کے لئے وہ بہت بڑا شاک تھا۔''انہوں نے کوئی وجہ نہیں بتائی؟''اس نے مسز بے لاک سے پوچھا۔

''آپ فکر نہ کریں سر۔میں سب سنبھال لوں گی''۔

''مگر انہوں نے کوئی وجہ تو بتائی ہوگی''۔

''مجھے تو نہیں بتائی۔ویسے بھی وہ مجھ سے بات کم ہی کرتے تھے۔اصل میں ہورٹن یہ گھر چھوڑنے پر اصرار کر رہا تھا۔مسز ہورٹن جانا نہیں چاہتی تھی''۔

رابرٹ پریشانی سے اسے گھورتا رہا۔اسے مسز بے لاک اور ڈیمین کو گھر میں اکیلا چھوڑنے کے خیال سے خوف آرہا تھا۔لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔اسے تو ہر حال میں جانا تھا۔

''میں چند روز کے لئے شہر سے باہر جاؤں تو تم کام چلا لوگی؟''

''کیوں نہیں سر۔گھر میں ضرورت کی ہر چیز دو ہفتے کے لئے موجود ہے۔بلکہ میرا خیال ہے، ڈیمین کو یہ خاموشی اور سکون اچھا لگے گا''۔

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔کچن سے نکلتے نکلتے وہ پلٹا۔''مسز بے لاک؟''

''یس سر؟''

''وہ کتا؟''

''آپ بے فکر رہیں سر۔شام تک وہ اس گھر سے جا چکا ہوگا''۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ ابھی تک گھر میں کیوں ہے''۔

''میں اسے باہر چھوڑ آئی تھی سر۔لیکن وہ دوبارہ آگیا۔یہ حادثے والی رات کی بات ہے۔ڈیمین کے اصرار کی وجہ سے مجھے اسے کمرے میں لانا پڑا۔میں نے اسے سمجھایا تھا کہ آپ یہ پسند نہیں کریں گے۔مگر صورت حال کے پیش نظر میں نے مناسب یہی سمجھا کہ......''۔

''میں اس کتے کو یہاں اب نہ دیکھوں''۔

''بہت بہتر جناب۔میں آج ہی ہیومن سوسائٹی کو فون کر دوں گی''۔

رابرٹ جانے کے لئے مڑا۔

اسی لمحے مسز بے لاک نے اسے پکارا۔''مسٹر تھورن؟''

رابرٹ پلٹا۔''کیا بات ہے؟''

''آپ کی وائف اب کیسی ہیں؟''

''وہ بہ تدریج سنبھل رہی ہے۔اب کچھ بہتر ہے''۔

''کیا میں ڈیمین کو لے کر ان سے ملنے جا سکتی ہوں۔آپ تو جا رہے ہیں نا''۔

رابرٹ چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔وہ تولئے سے اپنے ہاتھ خشک کر رہی تھی۔اس وقت وہ خالص گھریلو عورت لگ رہی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس عورت کو اتنا ناپسند کیوں کرتا ہے۔''نہیں مسز بے لاک، تم نہ جانا۔میں واپس آجاؤں تو اسے ماں سے ملا لاؤں گا''۔

''بہت بہتر جناب''۔

رابرٹ پلٹا اور باہر نکل آیا۔

گھر سے نکل کر وہ اپنی کار خود ڈرائیو کر کے اسپتال گیا۔وہاں ڈاکٹر بیکر سے اس کی بات ہوئی۔ڈاکٹر نے بتایا کہ کیتھی اس وقت جاگ رہی ہے اور خاصی پرسکون ہے۔''میں اسے کسی سائیکیٹرسٹ کو دکھانا چاہتا ہوں۔آپ کی اجازت درکار ہے''۔ڈاکٹر نے کہا۔

رابرٹ نے اسے چارلس گریئر کا فون نمبر نوٹ کرا دیا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پھر وہ کیتھی کے کمرے میں گیا۔اسے دیکھ کر کیتھی کے ہونٹوں پر کمزوری مسکراہٹ ابھری۔ ’’ہیلو‘‘۔اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔

’’ہیلو کیتھی۔کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو؟‘‘

’’ہاں،کسی حد تک‘‘۔

’’ڈاکٹر کہہ رہا ہے،تم ٹھیک ہو جاؤ گی‘‘۔

’’مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے‘‘۔

رابرٹ نے کرسی کھینچی اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔کیتھی اس عالم میں بھی اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اسے حیرت ہونے لگی۔کھڑکی سے اندر آتی دھوپ اس کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

’’تم اچھے لگ رہے ہو‘‘کیتھی نے کہا۔

’’میں تمہارے بارے میں یہی بات سوچ رہا تھا‘‘۔

وہ مسکرائی۔’’میں جانتی ہوں کہ فی الوقت میں قابل دید نہیں ہوں‘‘۔

رابرٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

’’کیسا عجیب وقت ہے یہ‘‘۔

’’کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے‘‘۔رابرٹ نے کہا۔

’’کیا یہ ممکن ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے؟‘‘

’’میرا خیال ہے،سب ٹھیک ہو جائے گا‘‘۔

’’تو پھر سب کچھ غلط کیوں ہو رہا ہے؟‘‘

رابرٹ نے سر جھٹک دیا۔اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

’’اگر ہم بہت برے لوگ ہوتے تو میں کہتی،ٹھیک ہے۔ہم اس کے مستحق تھے۔لیکن ہم نے تو کوئی برائی نہیں کی۔پھر ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟‘‘

’’یہ تو میں بھی سوچتا ہوں‘‘۔رابرٹ نے کہا۔

کیتھی اتنی دکھی،اتنی پریشان حال لگ رہی تھی کہ رابرٹ کا دل بھر آیا۔’’مجھے چند روز کے لئے شہر سے باہر جانا ہے۔تم اسپتال میں محفوظ رہو گی‘‘۔

کیتھی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

’’ایک ضروری کام سے جانا ہے‘‘۔رابرٹ نے وضاحت کی۔’’ایسا کہ ٹالا نہیں جا سکتا‘‘۔

’’کتنے دن کے لئے جا رہے ہو؟‘‘کیتھی نے پوچھا۔

’’تین دن کے لئے،تمہیں ہر روز کال کروں گا‘‘۔

کیتھی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔رابرٹ اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے کیتھی کا پیشانی کو چوما۔

’’رابرٹ؟‘‘

’’کہو،کیا بات ہے؟‘‘

’’وہ کہتے ہیں کہ میں نے چھلانگ لگائی تھی‘‘۔کیتھی کی نگاہوں میں بچوں کی سی الجھن تھی۔’’انہوں نے تمہیں بھی یہی بتایا ہے‘‘۔

’’ہاں‘‘۔

’’ذرا سوچو تو۔میں ایسا کیوں کرنے لگی‘‘۔

’’میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ہمیں یہی سمجھنے کی تو کوشش کرنی ہے‘‘۔

’’کیا میں پاگل ہوں؟‘‘۔

رابرٹ اسے غور سے دیکھتا رہا۔پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔’’شاید ہم سبھی پاگل ہیں‘‘۔اس نے سرگوشی میں کہا۔

’’کیتھی اپنا چہرہ اس کے چہرے کے بہت قریب لے آئی۔’’میں نے خود چھلانگ نہیں لگائی تھی‘‘۔’’ڈیمین نے مجھے دھکا دیا تھا‘‘۔

خاموشی کے چند طویل لمحے گزرے۔پھر رابرٹ کمرے سے نکل آیا۔

..................X..................

چھ نشستوں والے لیئر جیٹ میں رابرٹ تھورن اور حنیف ارشد کے سوا کوئی نہیں تھا۔جہاز روم کے تاریک آسمان میں پرواز کر رہا تھا۔جہاز کے اندر کے ماحول میں کشیدگی اور خاموشی تھی۔حنیف اپنی کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔’’آپ یاد کریں...... بتائیں کہ فادر ٹیسون نے آپ سے کیا کہا تھا۔کوشش کریں کہ لفظ بہ لفظ دہرا دیں‘‘۔

’’سب کچھ دھندلا دھندلا ہے۔مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آتا‘‘۔رابرٹ کے لہجے میں اذیت تھی۔

’’آپ بالکل شروع سے بتائیں،کوشش تو کریں‘‘۔

رابرٹ پادری ٹیسون سے اپنی ملاقات یاد کرنے لگا۔’’کچھ ایسی بات کہی تھی اس نے......سمندر سے ابھرے کی......فوجوں کی......موت کی......اور سلطنت روما کی......‘‘۔

’’ذہن پر اور زور دیں‘‘۔

’’میں نے دھیان بھی نہیں دیا۔میں تو اسے پاگل سمجھ رہا تھا‘‘۔

’’دھیان سے نہ سہی،مگر آپ نے سنا تھا۔یاد کریں‘‘۔

’’مجھے کچھ یاد نہیں‘‘۔

’’میں کہہ رہا ہوں نا،ذہن پر زور دیں‘‘۔

رابرٹ کے چہرے پر زسٹریشن تھا۔اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن پر زور دینے کی کوشش کی۔لیکن ذہن پوری طاقت سے مزاحمت کر رہا تھا۔’’مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے‘‘۔اس نے کہا۔’’وہ مجھے اچھا کرسچن بننے کی تلقین کر رہا تھا......خوشامد کر رہا تھا۔کہہ رہا تھا......یسوع مسیح کے بن جاؤ‘‘۔

’’کس لئے؟‘‘

’’شیطان کے بیٹے کو شکست دینے کے لئے‘‘۔

’’اور کیا کہا تھا اس نے؟‘‘

’’ہاں......وہ کسی بوڑھے آدمی کے متعلق بات کر رہا تھا......‘‘۔

’’بوڑھا آدمی؟ کیسا بوڑھا آدمی؟‘‘

’’اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے جا کر اس بوڑھے شخص سے ملنا چاہئے‘‘۔

’’ذہن پر اور زور دیں‘‘۔

’’مجھے اور کچھ یاد نہیں آ رہا ہے‘‘۔

’’اس نے بوڑھے شخص کا نام بھی تو بتایا ہوگا‘‘۔

’’مم......مگدو......ماگدو......نہیں مگید و۔لیکن نہیں،یہ تو جگہ کا نام تھا‘‘۔

’’کون سی جگہ؟‘‘حنیف اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا۔

’’اس نے کہا تھا کہ مجھے مگید و جا کر اس بوڑھے سے ملنا چاہئے۔ہاں......مجھے پکا یاد ہے۔اس نے اسی جگہ کا نام لیا تھا‘‘۔

حنیف نے بریف کیس کھول کر ایک نقشہ نکالا۔اس کا انداز ہیجانی تھا۔مگید و......مگید و بڑبڑاتے ہوئے وہ نقشے پر انگلی لہرا رہا تھا۔

’’تم نے یہ نام سنا ہے؟‘‘رابرٹ نے پوچھا۔

’’میرا خیال ہے،یہ جگہ اٹلی میں ہے‘‘۔

لیکن اس کا خیال غلط تھا۔اٹلی میں ہی نہیں،یورپ کے کسی بھی ملک میں اس نام کا کوئی شہر،کوئی قصبہ نہیں تھا۔حنیف آدھے گھنٹے تک نقشے کو ٹٹولتا رہا۔پھر اس نے نقشے کو تہہ کرتے ہوئے مایوسی سے سر جھٹکا۔پھر اس نے رابرٹ کو دیکھا،جو اتنی دیر میں گہری نیند سو چکا تھا۔اس نے رابرٹ کو جگایا نہیں۔وہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اب وہ نزول مسیح ؑ کی پیش گوئیوں کا مطالعہ کر رہا تھا۔ایک بات طے تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے خروج دجال ہونا تھا۔دجال جسے عیسائی اینٹی کرائسٹ کہتے ہیں......مسیح دجال!۔

بائبل میں لکھا تھا......مسیح دجال کی آمد ہوگی،جو انسانی روپ میں ابلیس کی اولاد ہوگا۔وہ چار ٹانگوں والے جانور سے زنا کے نتیجے میں پیدا ہوگا۔جیسے مسیح علیہ السلام نے محبت،نرمی اور مہربانی کو فروغ دیا تھا،ویسے ہی یہ اینٹی کرائسٹ دنیا میں نفرت اور خوف پھیلائے گا۔اسے احکامات براہ راست جہنم سے ملیں گے۔

جہاز کے پہیے رن وے سے ٹکرائے تو جہاز کو جھٹکا لگا۔حنیف نے اپنی کتابیں سمیٹیں اور باہر دیکھا۔روم میں بارش ہو رہی تھی۔آسمان پر بجلی کے کوڑے گڑگڑاہٹ کے ساتھ لہرا رہے تھے۔

وہ تیزی سے سنسان ایئر پورٹ سے نکلے اور منتظر ٹیکسی تک پہنچے۔ٹیکسی میں حنیف نے تھوڑی سی نیند لے لی۔رابرٹ تھورن خاموش بیٹھا اپنے اور کیتھی کے بارے میں سوچتا رہا۔کیا دن تھے،جب وہ دونوں جوان تھے،خوش امیدی سے سرشار تھے۔ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سڑکوں پر بے فکری سے سڑگشت کرتے تھے،ان دنوں وہ کتنے معصوم تھے۔ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت تھی۔کیتھی کے جسم کی خوشبو،اس کی ہنسی کی کھنک اسے اب بھی یاد تھی۔وہ روم کو ایسے دریافت کر رہے تھے،جیسے کولمبس نے امریکا دریافت کیا تھا اور روم انہیں اپنا لگتا تھا......ذاتی ملکیت۔

رابرٹ سوچ رہا تھا کہ اب شاید وہ کبھی پہلے جیسے نہیں ہو سکیں گے۔وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

ٹیکسی ایک دم سے رکی۔جھٹکا لگا تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آ گیا۔

’’آپ کی منزل آ گئی جناب‘‘۔ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

حنیف کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔رابرٹ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر الجھن تھی۔’’یہ وہ جگہ نہیں ہے‘‘۔بالآخر اس نے کہا۔

’’یہی جگہ ہے سر‘‘۔ڈرائیور منمنایا۔

’’نہیں۔وہ اینٹوں سے بنی پرانے طرز کی عمارت تھی‘‘۔رابرٹ نے کہا۔’’مجھے اچھی طرح یاد ہے‘‘۔

’’کیا پتا درست ہے؟‘‘حنیف نے پوچھا۔

’’ہاسپٹل ڈی سینٹو یہی ہے‘‘۔ڈرائیور کے لہجے میں اصرار تھا۔

’’یہ بہت مختلف ہے‘‘۔رابرٹ بھی مصر تھا۔

اس بار ڈرائیور نے اطالوی زبان میں کچھ کہا۔

’’یہ کیا کہہ رہا ہے؟‘‘حنیف نے رابرٹ سے پوچھا۔

’’اس کا کہنا ہے کہ یہاں آگ لگی تھی‘‘۔

’’آگ!‘‘

’’شاید پرانی عمارت میں آگ لگ گئی تھی۔اس پر یہ نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے‘‘۔

ڈرائیور نے پھر اطالوی جھاڑی۔حنیف سوالیہ نظروں سے رابرٹ کو دیکھ رہا تھا۔

’’تین سال پہلے آگ لگی تھی......خطرناک آگ۔بہت لوگ جل مرے تھے‘‘۔رابرٹ نے اسے بتایا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور اس سے انتظار کرنے کو کہا۔ پہلے تو اس نے انکار کردیا۔ لیکن رابرٹ نے ڈالر دکھائے تو اس نے جلدی سے ہامی بھرلی۔ رابرٹ نے ٹوٹی پھوٹی اطالوی میں اسے سمجھایا کہ وہ روم سے واپسی تک اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔

''میں اپنی بیوی کو فون کرکے بتادوں۔ پھر واپس آتا ہوں''۔ ڈرائیور نے کہا۔

رابرٹ اور حنیف اسپتال میں داخل ہوگئے۔ انہیں ابتدا میں ہی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔ اسپتال کے ذمہ داروں سے صبح سے پہلے ملاقات نہیں ہوسکتی تھی۔ حنیف اپنے صحافی ہونے کا فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں لگ گیا۔

ادھر رابرٹ کو ایک ایسی نن مل گئی، جو انگریزی بول سکتی تھی۔ اس نے تصدیق کی کہ تین سال پہلے اسپتال میں اتنی خوف ناک آگ لگی تھی کہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ پرانی عمارت پوری طرح تباہ ہوگئی تھی۔

''سب کچھ تو نہیں تباہ ہوا ہوگا''۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اسپتال کے ریکارڈز......''۔

''میں اس وقت یہاں نہیں تھی۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں بچا تھا''۔

''ممکن ہے، ریکارڈ کہیں اور رکھا جاتا ہو''۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتی''۔

رابرٹ کو مایوسی ہوئی۔ نن اس سے زیادہ کچھ بتا نہیں سکتی تھی۔ ''اصل میں میرا معاملہ بہت اہم ہے''۔ اس نے کہا۔ ''میں نے یہاں سے ایک بچے کو گود لیا تھا۔ میں اس بچے کے والدین کے متعلق جاننا چاہتا ہوں''۔

''یہاں ایسا کچھ کبھی نہیں ہوا''۔

''میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ وہ ایک انڈر اسٹینڈنگ کے تحت ہوا تھا''۔

''دیکھیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں یہ کام ریلیف ایجنسی کی وساطت سے ہوتا ہے''۔

''یہ بتاؤ، جو بچے یہاں پیدا ہوتے ہیں، ان کا ریکارڈ تو رکھا جاتا ہے''۔

''جی ہاں''۔

''تو اگر میں تمہیں بچے کی تاریخ پیدائش دوں تو......''۔

''اس کا کچھ فائدہ نہیں''۔ حنیف نے بات کاٹ دی۔

رابرٹ نے سر گھما کر دیکھا۔ حنیف اس طرف آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی مایوسی تھی۔

''آگ ریکارڈ روم سے ہی شروع ہوئی تھی''۔ حنیف نے بتایا۔ ''کاغذات تمام وہیں تھے۔ ریکارڈ روم تو پہلے ہی مرحلے میں خاک ہوگیا۔ پھر زینوں نے آگ پکڑی۔ تیسری منزل کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تو جہنم کی مثال بن گئی تھی''۔

''تیسری منزل؟''

''وہاں نرسری تھی اور میٹرنٹی وارڈ تھے۔ سب کچھ راکھ ہوگیا تھا''۔

رابرٹ تھوڑن کو چکر آنے لگے۔ وہ لڑکھڑایا۔ مگر دیوار سے ٹک گیا۔

''معاف کیجئے گا۔ مجھے جانا ہے''۔ نن نے کہا۔

''پلیز......دو منٹ اور دے دو مجھے''۔ رابرٹ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے اسٹاف کے بارے میں بتائیں۔ بہت لوگ بچے بھی تو ہوں گے''۔

''جی ہاں۔ کچھ لوگ تھے''۔

''ایک لمبے قد کا، بھاری بدن کا پادری تھا''۔

''اس کا نام فادر اسپلیٹو تھا؟''

''ہاں......ہاں۔ یہی نام تھا اس کا''۔ رابرٹ کے لہجے میں سنسنی در آئی۔

''وہ یہاں چیف آف اسٹاف تھا''۔

''ہاں۔ وہ انچارج تھا، کیا وہ......''۔

''وہ بچ گیا تھا''۔

''کیا وہ یہاں موجود ہے؟''۔

''نہیں''۔

''تو پھر کہاں......''۔

''وہ سوبیاکو کی خانقاہ میں ہے۔ بچنے والوں میں سے بہت سے وہاں لے جائے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ مر گئے۔ مجھے اسپلیٹو نہیں معلوم۔ ممکن ہے، وہ بھی مر گیا ہو۔ بہر حال آگ سے وہ بچ نکلا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ اس کا بچ جانا معجزہ ہی ہے۔ آگ لگی تو وہ تیسری منزل پر تھا''۔

''سوبیاکو''۔ حنیف نے دہرایا۔

نن نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہاں سانتا بینی ڈکٹس کی خانقاہ ہے''

وہ باہر نکلے اور ٹیکسی کی طرف لپکے۔ حنیف پھر اپنا نقشہ کھول کر بیٹھ گیا۔ سوبیاکو اٹلی کی شمالی سرحد کے قریب تھا۔ وہاں پہنچنے کے لئے انہیں لمبا سفر کرنا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور پھر آنا کانی کرنے لگا۔ رابرٹ نے اسے پھر لفٹ دکھائے اور وہ پھر راضی ہوگیا۔

حنیف نے اسے نقشہ دکھا کر سمجھایا۔ کیوں کہ اب اس میں جاگنے کی ہمت نہیں تھی۔

لیکن سفر شروع ہوا تو ان سے سویا نہیں گیا۔ حنیف نے اپنی کتابیں کھول لیں، ٹیکسی اس وقت مضافات سے گزر رہی تھی۔

''افوہ......''۔ اچانک حنیف کے منہ سے نکلا۔

رابرٹ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت بائبل کھولے بیٹھا تھا۔

''یہ تو بائبل میں موجود ہے......پیش گوئیوں والے باب ہیں۔ ''جب یہودی سرزمین اسرائیل میں واپس آئیں گے......''۔

''ہاں۔ یہ وہی نظم ہے''۔ رابرٹ نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ ''اس میں کسی کومٹ کا بھی تذکرہ ہے''۔

''جی ہاں اور سلطنت روما کا عروج۔ یہ سب اینٹی کرائسٹ کی آمد کی نشانیاں ہیں''۔ حنیف نے کہا۔ ''اینٹی کرائسٹ......ابلیس کا بیٹا''

ٹیکسی بڑھ رہی تھی۔ رابرٹ نے اپنا بریف کیس کھول کر وہ بائبل نکالی، جس سے وہ چند روز پہلے اپنی تقریر کی تیاری میں مدد لے رہا تھا۔ وہ اصل میں بائبل کی تشریح تھی۔ اس کی مدد سے وہ نشانیوں کو سمجھ سکتے تھے۔

''یہودی اسرائیل پر قابض ہوچکے ہیں''۔ حنیف نے کہا۔ ''کومٹ بھی سامنے آچکا ہے؟ رہی سلطنت روم کے عروج کی بات تو یہ عیسائیت کے عروج کی طرف اشارہ ہے۔ بعض مشرقین کے خیال میں اس کا اشارہ یورپ کی مشترکہ منڈی کی طرف ہے''۔

''بات سمجھ میں آتی ہے''۔

''لیکن اس کا مطلب کیا ہے کہ وہ بحر ابد سے ابھرے گا''۔

''یہ تو وہی نظم ہے، جو ٹیسون نے سنائی تھی''۔ رابرٹ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''ہاں......یہی کہا تھا اس نے۔ اور کہا تھا......بحر ابد کے دونوں طرف فوجیں ہوں گی۔ ہاں......یہ بھی کہا تھا اس نے''

رابرٹ ذہن پر مزید زور دے رہا تھا کہ کچھ اور بھی یاد آجائے۔ وہ کڑھ رہا تھا کہ اس نے ٹیسون کی بات توجہ سے کیوں نہیں سنی۔

''مشرقین کا کہنا ہے کہ بحر ابد دراصل دنیائے سیاست کو کہا گیا ہے۔ سیاست ہی وہ سمندر ہے جس میں ہمیشہ مدوجزر رہتا ہے اور انقلابی طوفان آتے رہتے ہیں''۔

وہ دونوں اب ایک دوسرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

''اس کا مطلب ہے کہ ابلیس کا بیٹا دنیائے سیاست سے ابھرے گا''۔ رابرٹ نے کہا۔

رابرٹ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ بھی تو دنیائے سیاست سے تعلق رکھتا ہے۔

..................x..................

سانتا بینی ڈکٹس کی خانقاہ پتھروں سے تعمیر کئے گئے ایک قلعے میں تھی۔ اب امتداد زمانہ کے ہاتھوں قلعہ بوسیدگی کا شکار تھا۔ لیکن وہ اب بھی مضبوطی اور وقار کا مظہر نظر آتا تھا۔ وہ ہیروڈ کے زمانے کی یادگار تھا اور ان گنت انقلاب بھگت چکا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن فوجی یہاں قابض ہوگئے تھے۔ انہوں نے تمام راہبوں کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا اور یہاں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کرلیا تھا۔ 1946ء میں خود اطالویوں نے اس پر بم باری کی تھی۔

ان تمام باتوں کے باوجود خانقاہ ایک مقدس اور متبرک جگہ تھی۔ ایک پہاڑی پر ایستادہ اس عمارت کی دیواروں میں صدیوں سے کی جانے والی دعاؤں کی گونج سنائی دیتی تھی۔ وہ صدیوں کی امین تھی۔

ٹیکسی خانقاہ کے سامنے رکی تو اس کے مسافر محو خواب تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو انہیں جھنجھوڑنا پڑا۔ ''سینور......اٹھ جائیں''۔

حنیف نے جاگتے ہی کھڑکی کا شیشہ اتارا اور صبح کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھرلی۔ پھر اس نے منظر کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی سرسبز جگہ تھی۔

''یہ سانتا بینی ڈکٹس ہے''۔ حنیف نے تبصرہ کیا۔

''ہم عمارت تک نہیں جاسکتے؟''۔ رابرٹ نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

ڈرائیور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے''۔ حنیف نے تائید کی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

انہوں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ کچھ دیر سو لے۔ پھر وہ خانقاہ کی طرف چل دیئے۔

وہاں پہنچنے کے لئے انہیں کمر تک اونچی گھاس کے درمیان چلنا پڑا۔ ان کی پینٹیں رانوں تک بھیگ گئیں۔ راستہ بہت ہی دشوار تھا اور ان کا لباس اس کے لحاظ سے بالکل غیر موزوں تھا۔ آدھے راستے میں ہی ان کی سانس پھول گئی۔ حنیف سانس درست کرنے کیلئے رکا اور اس دوران اس نے گردوپیش کی کچھ تصویریں بنا ڈالیں۔

کیمرا اس کے پاس تھا۔ ''ناقابل یقین''۔ اس نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

رابرٹ آگے نکل چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور چڑچڑے پن سے کہا ''اب آ بھی جاؤ''۔

حنیف کیمرا لٹکائے تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ گہرے سناٹے میں ان کے سانسوں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھا۔ مگر ذرا دیر بعد انہیں دور سے مناجات کی آواز سنائی دینے لگی، جو راہب مل کر پڑھ رہے تھے۔

''یہ بڑی اداس جگہ ہے''۔ حنیف نے کہا ''اب وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔'' ذرا یہ آواز تو سنیں، اس میں کیسا دکھ ہے''

مناجات کی آواز اب در و دیوار سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ محرابی دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوئے۔ ابھی تک انہیں مناجات گانے والے نظر نہیں آئے تھے۔

اب وہ ایک راہداری میں تھے۔ ''میرا خیال ہے، اسی طرف چلنا ہے، ذرا کیچڑ کا خیال رکھیں''۔ حنیف نے کہا۔

آگے براؤن رنگ کا فرش تھا۔ جس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑ رہا تھا، آگے انہیں ایک بھاری دروازہ نظر آ رہا تھا۔ مناجات کی آواز اب اور بلند ہو گئی تھی۔

پھر دروازہ کھلا۔ سامنے ایک پرشکوہ منظر تھا۔ انہیں ایسا لگا کہ وہ کسی صدیوں پرانے معبد میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی بہت بڑی ہستی کے روبرو پیش ہو رہے ہیں۔ انہیں وہاں عجیب سے روحانی تقدس کا احساس ہو رہا تھا۔ بلکہ انہیں کسی کی جسمانی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ بہت بڑا اور قدیم طرز کا کمرا تھا۔ سامنے سنگی قدمچے ایک بہت بڑی قربان گاہ تک جا رہے تھے۔ قربان گاہ کی دیوار پر ایک چوبی صلیب آویزاں تھی، جس پر پتھر سے تراشی ہوئی مسیح کی شبیہہ منقش تھی۔ اس کمرے کی چھت گنبد نما تھی، جو اوپری حصے میں بالکل کھلی ہوئی تھی اور آسمان نظر آ رہا تھا۔ اس وقت چھت سے ہلکی ہلکی روشنی نیچے اتر رہی تھی۔ اس روشنی میں مسیح کی شبیہہ جگمگا رہی تھی

''کیسا تقدس آمیز ماحول ہے۔ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بہت پرانا معبد ہے''۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نگاہیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ راہبوں کے ایک گروہ پر جم گئیں۔ وہ بنچوں پر گھٹنوں کے بل بیٹھے دعا کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے چہرے چادروں میں چھپائے ہوئے تھے۔ ان کی مناجات میں جذباتیت تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اعصاب کو بوجھل کر رہی تھیں۔ ان کی آواز کبھی نیچی ہوتی، کبھی بلند ہوتی اور کبھی ایسا لگتا ہے کہ آواز ہے ہی نہیں۔

حنیف نے اپنا لائٹ میٹر نکالا اور اس کے ذریعے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

''ہٹاؤ اسے''۔ رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا،

''مجھے فلیش لائٹ لانی چاہئے تھی''۔ حنیف نے بے دھیانی میں کہا۔

''میں کہہ رہا ہوں، ہٹاؤ اسے''۔

حنیف نے بدمزگی سے اسے دیکھا لیکن لائٹ میٹر بہرحال ہٹا دیا۔

رابرٹ بہت بے چین اور مضطرب نظر آ رہا تھا۔ اس کے گھٹنے لرز رہے تھے۔ جیسے کوئی قوت اسے گھٹنوں کے بل جھک کر دعا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

''آپ ٹھیک تو ہیں؟'' حنیف نے اس سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''میں کیتھولک ہوں''۔ رابرٹ نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پھر اچانک اس نے اندھیرے میں کچھ دیکھا اور اس کا چہرہ جیسے ٹھٹھر کر رہ گیا۔ حنیف نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ ایک وہیل چیئر تھی اور اس پر ایک بے حد جسیم شخص بیٹھا تھا۔ گھٹنوں کے بل سر جھکائے ہوئے راہبوں کے برعکس وہ وہیل چیئر پر تن کر بیٹھا تھا۔ اس کے بازو خمیدہ تھے اور سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ وہ فالج زدہ لگ رہا تھا۔

''کیا یہی فادر اسپلیٹو ہے؟''۔ حنیف نے سرگوشی میں سوال کیا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بہت اعصاب زدہ لگ رہا تھا۔

وہ دونوں آگے بڑھے تاکہ اس شخص کو غور سے دیکھ سکیں۔

اور جب انہوں نے اسے دیکھا تو لرز کر رہ گئے۔ اس کے آدھے چہرے کا گوشت پگھل کر بہہ گیا تھا۔ ایک پتھرائی ہوئی آنکھ اوپر کی طرف دیکھتی محسوس ہو رہی تھی۔ حالاں کہ وہ اس آنکھ سے دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ بھی جھلسا ہوا تھا۔

..................x..................

''ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کچھ دیکھ اور سکتے ہیں یا نہیں''۔ فادر اسپلیٹو کے قریب کھڑا ہونے والا راہب کہہ رہا تھا ''آتش زنی کے واقعے کے بعد سے کسی نے کبھی ان کی آواز نہیں سنی۔ انہیں بولتے ہی نہیں دیکھا''۔

وہ لوگ اس وقت ایک اجڑے ہوئے باغیچے میں کھڑے تھے، جو یقیناً کبھی بہت خوب صورت رہا ہوگا۔ وہ راہب فادر اسپلیٹو کی وہیل چیئر کو یہاں تک لایا تھا۔ عبادت ختم ہو چکی تھی۔ وہ اور راہب اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ پھر وہ آگے چلے گئے۔ بات کرنے والے راہب نے ان کے دور جانے کا انتظار کر لیا۔

''ہم لوگ ان کا خیال رکھتے ہیں۔ انہیں کھلاتے پلاتے ہیں، ہم دعا کرتے ہیں کہ سزا پوری ہونے کے بعد خداوند ان کو شفا عطا فرمائے''۔

''سزا؟''۔ رابرٹ نے حیرت سے دہرایا۔

''راہب نے اثبات میں سر ہلایا'' جو چرواہا اپنی بھیڑوں کو چھوڑ دے، اس کا سیدھا ہاتھ ناکارہ ہو جاتا ہے اور آنکھ بصارت کو کھو بیٹھتی ہے''۔

''تو کیا یہ اپنے مقام اور مرتبے سے گر چکے ہیں''۔

''جی ہاں''۔

''میں وجہ پوچھ سکتا ہوں''۔

''کرائسٹ کو چھوڑنے کے جرم میں''۔

رابرٹ اور حنیف کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔ دونوں کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ انہوں نے کرائسٹ کو چھوڑ دیا تھا؟''۔ رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

''انہوں نے خود اعتراف کیا ہے''۔

''لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ یہ بات نہیں کرتے''۔

''میں تحریری اعتراف کی بات کر رہا ہوں۔ ان کا بایاں ہاتھ کسی حد تک کام کرتا ہے''۔

''اعتراف کی نوعیت کیا تھی؟''۔ رابرٹ کو کرید لگی ہوئی تھی۔

رابرٹ چند لمحے ہچکچایا'' آپ کس استحقاق کے تحت پوچھ رہے ہیں''۔

''یہ بے حد اہم معاملہ ہے...... زندگی اور موت کا معاملہ۔ میری التجا ہے کہ ہم سے تعاون کیجئے''۔

راہب چند لمحے رابرٹ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''آیئے میرے ساتھ''۔

اب وہ اسپلیٹو کی کوٹھری میں تھے۔ وہاں ایک گدے اور ایک سنگی میز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہاں بھی چھت کھلی ہوئی تھی۔ دھوپ اور بارش کے لئے کہیں کوئی آڑ نہیں تھی۔ ایک دن پہلے ہونے والی بارش کا کچھ پانی فرش پر جمع تھا۔ گدا گیلا ہو رہا تھا۔ رابرٹ سوچ رہا تھا کہ کیا سب لوگ یہ بے آرامی اور تکلیف جھیلتے ہیں...... یا یہ اسپلیٹو کی سزا کا حصہ ہے۔

''انہوں نے اس میز پر کوئلے سے اپنا اعتراف لکھا تھا''۔ راہب نے کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ میز کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھے۔ وہ کوئلے سے بنی ہوئی ایک عجیب قسم سی علامتی ڈرائنگ تھی۔

''یہ بات انہوں نے یہاں آنے کے بعد پہلے ہی دن بنایا تھا۔'' راہب نے بتایا'' کیونکہ ہم نے یہیں میز پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر انہوں نے دوبارہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا''۔

وہ ایک انسانی پتلے کی ٹیڑھی میڑھی اور بے حد بچکانہ ڈرائنگ تھی۔ پتلے کے سر کے گرد ایک نیم دائرہ تھا۔ اس نیم دائرے کی شکل کی لکیر پر 6 کے تین ہندسے بنے ہوئے تھے۔ ویسے ہی جیسے انہوں نے مردہ فادر ٹیسون کی ران پر گودے ہوئے دیکھے تھے۔

حنیف انہیں بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

''یہ جو نیم دائرہ ہے نا۔ یہ چادر میں چھپے ہونے کی علامت ہے۔ راہب اپنا چہرہ چھپاتے ہیں نا''۔ راہب نے کہا۔

''یہ انہوں نے خود کو بنایا ہے؟'' حنیف نے راہب سے پوچھا۔

''ہم سب کا یہی اندازہ ہے''۔

''ان چھ کے ہندسوں کا کیا مطلب ہے؟''۔

''یہ شیطان کا ہندسہ ہے''۔ راہب نے بلا تامل کہا۔'' جب کہ سات یسوع مسیح کا ہندسہ ہے''۔

''تو یہ تین چھ کیوں؟''۔

''ہمارے خیال میں یہ شیطانی تثلیث کی علامت ہے۔ شیطان، اینٹی کرائسٹ اور جھوٹا نبی''۔ راہب نے وضاحت کی۔'' دراصل جہاں خیر ہے، وہاں شر بھی تو ہے، یہی تو انسان کی آزمائش ہے''۔

''آپ اسے اعتراف کیوں سمجھتے ہیں؟''۔ حنیف نے اعتراض کیا۔

''دیکھیں نا، آپ کی طرح ہمیں بھی یقین ہے کہ فادر اسپلیٹو نے یہ خود کو بنایا ہے اور اس پر یہ جہنمی نیم دائرہ بنانے کا مطلب اعتراف ہی ہو سکتا ہے''۔

''مگر آپ اس جرم کی تشخیص نہیں کر سکتے، اس کی نوعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے، جس کا یہ اعتراف ہے؟''۔

''تفصیلات کی کوئی اہمیت نہیں''۔ راہب بولا'' اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ شرمندہ ہے اور سزا کا خواہش مند ہے''۔

رابرٹ اور حنیف کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ رابرٹ تھورن کے چہرے پر تناؤ تھا۔

''میں ان سے بات کر سکتا ہوں؟''۔ رابرٹ نے راہب سے پوچھا

''اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا''۔

رابرٹ نے فادر اسپلیٹو کو دیکھا۔ اسکے پتھرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ جھرجھری لے کر رہ گیا'' فادر اسپلیٹو''۔ اس نے پکارا۔'' میرا نام تھورن ہے...... رابرٹ تھورن''۔

فادر اسپلیٹو کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھ سے اوپر دیکھتا رہا،

''میں نے آپ سے کہا نا، یہ لاحاصل ہے''۔ راہب نے کہا۔

لیکن اتنی مشقت اٹھا کر اتنی دور آنے کے بعد رابرٹ رکنے والا نہیں تھا۔'' فادر اسپلیٹو، ایک بچہ تھا، جو تم نے مجھے گود دیا تھا۔ یاد ہے نا؟ میں اس بچے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں''۔

''پلیز سینیور......''۔ راہب کے لہجے میں التجا تھی۔

''تم نے ان کے سامنے اعتراف کیا ہے''۔ رابرٹ تھورن مشتعل ہو کر چیخنے لگا'' اب میرے سامنے بھی اعتراف کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ جس بچے کو میں نے تمہارے کہنے پر اپنا بیٹا بنایا ہے، وہ کس ہے''۔

''معاف کیجئے گا، آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں......''۔ راہب الجھن محسوس کر رہا تھا اور مداخلت کرنا چاہتا تھا۔

''فادر اسپلیٹو میری بات سن رہے ہو نا؟ مجھے بتاؤ''۔ رابرٹ دہاڑا۔

رابرٹ نے اسپلیٹو کی وھیل چیئر کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا۔ لیکن حنیف اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

''فادر اسپلیٹو......خدا کے لئے جواب دو۔ مجھے بتاؤ، اس بچے کی ماں کہاں ہے۔ کون تھی وہ؟ پلیز...... مجھے بتاؤ''۔

اور اچانک ہی ماحول تبدیل ہو گیا۔ خانقاہ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ کان پھاڑ دینے والی آواز تھی۔ جس نے انہیں دہلا دیا۔ حنیف اور رابرٹ دونوں کے جسموں میں لرزش تھی۔ گھنٹیوں کی آواز خانقاہ کی سنگی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی، اس کا حجم بڑھ رہا تھا۔

پھر رابرٹ کی نظر فادر اسپلیٹو کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کپکپا رہا تھا...... نقاہت کے باوجود وہ اٹھ رہا تھا'' کوئلہ''۔ رابرٹ حلق کے بل چلایا۔'' اسے کوئلہ دو''۔

حنیف تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس نے میز پر رکھا ہوا کوئلے کا وہ بڑا ٹکڑا اٹھا کر فادر اسپلیٹو کے ہاتھ میں دے دیا۔

گھنٹیاں اب بھی بج رہی تھیں۔

فادر اسپلیٹو کا کوئلے والا ہاتھ سنگی میز پر حرکت کر رہا تھا۔ میز پر بھدے حروف نمودار ہو رہے تھے......

''یہ...... یہ تو کوئی لفظ ہے''۔ حنیف نے ہذیانی انداز میں کہا'' سی...... ای...... آر......''۔

فادر اسپلیٹو کا ہاتھ بری طرح لرز رہا تھا۔ لیکن وہ لکھنے کے لئے زبردست جدوجہد کر رہا تھا۔ اس کا منہ کھل گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔ اس سے اس اذیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ جس سے وہ گزر رہا تھا۔

''پلیز فادر...... لکھو...... پورا کرو''۔ رابرٹ نے التجا کی۔

''وی...... ٹی......''۔ حنیف لکھے ہوئے حروف پڑھ رہا تھا۔

اور اچانک گھنٹیوں کے آواز معدوم ہو گئی۔ فادر اسپلیٹو کی لرزتی انگلیوں کی گرفت سے کوئلے کا ٹکڑا نکل گیا اور اس کا سر دوبارہ وھیل چیئر کی پشت گاہ سے جا ٹکا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

گھنٹیوں کی بازگشت بھی ختم ہو گئی۔ وہ سب خاموش کھڑے میز پر کوئلے سے لکھے حروف کو دیکھ رہے تھے۔

''سرویٹ......''۔ رابرٹ کے منہ سے نکلا۔

''سرویٹ''۔ حنیف نے دہرایا۔

''کیا یہ اطالوی زبان کا لفظ ہے؟''۔ رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

راہب نے پہلے میز پر لکھے حروف اور پھر فادر اسپلیٹو کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''کیا یہ آپ کے لئے قابل فہم ہے لفظ ہے؟''۔

''میرے خیال میں انہوں نے سرویٹری لکھنے کی کوشش کی ہے'' راہب نے کہا۔

''اس کا مطلب؟''۔

''یہ ایک پرانا...... بے حد پرانا قبرستان ہے۔ سینٹ انجلو کا قبرستان...... شیطان کے پرستاروں کا قبرستان''۔

فادر اسپلیٹو کا اکڑا ہوا جسم پھر مرتعش ہو گیا تھا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ لگتا تھا وہ کچھ بولنے، کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن بالآخر اپنی کوشش میں ناکامی کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

رابرٹ اور حنیف راہب کی طرف متوجہ ہوئے جو فادر کو دیکھ کر بدمزگی سے سر ہلا رہا تھا۔'' اب سرویٹری کھنڈرات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں، وہاں ٹیکولا کے مقبرے کی باقیات ضرور موجود ہیں''۔

''ٹیکولا کون؟''۔ حنیف نے پوچھا۔

''شیطان پرستوں کا دیوتا۔ اس قبرستان میں کبھی بھینٹ بھی دی جاتی تھی''۔

''فادر نے اس قبرستان کا نام کیوں لکھا؟''۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم''۔

''اچھا...... قبرستان کہاں ہے؟''۔

''وہاں کچھ بھی نہیں ہے سینور...... قبروں کے سوا۔ اور کچھ وحشی کتے بھی ہیں وہاں''۔

''یہ ہے کہاں؟''۔ حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی اور اصرار بھی۔

''روم کے شمال میں، کوئی پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ تمہارے ٹیکسی ڈرائیور کو معلوم ہوگا''۔ راہب نے خشک لہجے میں کہا

..................x..................

ٹیکسی ڈرائیور کو جگانا بے حد صبر آزما ثابت ہوا۔ آنکھ کھلتے ہی وہ رفع حاجت کے لئے کھیت کی طرف دوڑ گیا۔ واپس آ کر اس نے ان کی نئی فرمائش سنی تو پچھتانے لگا کہ لالچ میں آ کر اس نے خود کو برا پھنسا لیا ہے۔

''خوف خدا رکھنے والے اس قبرستان کا رخ بھی نہیں کرتے''۔ اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا'' اور ہم رات سے پہلے وہاں پہنچ بھی نہیں سکیں گے''۔

جو طوفانی بارش انہوں نے روم میں دیکھی تھی، وہ اطراف میں بھی پھیل گئی تھی۔ بارش میں ان کو کم رفتار سے سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر انہیں ہائی وے پر ایک پرانی اور شکستہ سڑک پر سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس سڑک پر پانی جمع تھا اور کیچڑ بھی کافی تھی۔ ایک جگہ ٹیکسی ڈگمگائی...... اس کا پچھلا پہیہ ایک گڑھے میں دھنس گیا۔ ان تینوں کو ٹیکسی سے نکل کر زور لگانا پڑا۔ اس میں وقت الگ ضائع ہوا۔ وہ دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھے تو ان کے کپڑے تر ہو چکے تھے اور جسم کپکپا رہے تھے۔

حنیف نے گھڑی میں دیکھا۔ شام ہو چکی تھی۔ اس کے فوراً بعد وہ بے خبر سو گیا۔ کئی گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو اس احساس کی وجہ سے کہ ٹیکسی چل نہیں رہی ہے۔ اس کے برابر رابرٹ کروٹ لپیٹے بے خبر سو رہا تھا۔ اگلی سیٹ سے ڈرائیور کے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

حنیف نے دروازہ کھولا۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ وہ لڑھکتا ہوا قریبی جھاڑی کی طرف گیا اور وہاں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔

اس کا اندازہ تھا کہ وہ صبح کاذب کا وقت ہے۔ آسمان پر روشنی کی پہلی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ گرد و پیش نظر آتا تو کچھ اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

بالآخر اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ سامنے لوہے کا ایک جنگلا تھا، جس پر نکیلی کیلیں لگی تھیں۔ اس جنگلے کے عقب میں آسمان کی دھیمی روشنی میں اسے دور تک قبروں کے کتبے نظر آ رہے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ ٹیکسی میں گیا اور چند لمحے رابرٹ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گھڑی پر نظر دوڑائی۔ پانچ بجنے میں دس منٹ کم تھے۔ پھر وہ اترا اور دبے قدموں ڈرائیور کی طرف گیا اور اگنیشن سے چابی نکال لی۔ چابی لے کر وہ ڈگی کی طرف گیا۔ آہستگی سے اس سے اس کا پٹ کھولا۔ پٹ اوپر اٹھتے ہوئے خاصی آواز ہوئی۔ لیکن سوئے ہوئے دونوں افراد کی نیند میں کوئی خلل نہیں پڑا۔

حنیف نے ڈگی میں سے اپنا کیمرا کیس اٹھایا، کیمرے میں فلم کا نیا رول ڈالا۔ پھر فلیش چیک کیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ فلیش ٹھیک کام کر رہی تھی۔ چند لمحے اس نے نظر بحال ہونے کا انتظار کیا۔ پھر اس نے ڈگی کا جائزہ لیا۔ تیل میں لتھڑے کارٹن کے درمیان اسے جیک کی راڈ نظر آئی۔ اس نے راڈ اٹھائی اور اسے اپنے بیلٹ میں اڑس لیا۔

آہستگی سے ڈگی بند کر کے وہ زنگ آلود جنگلے کی طرف بڑھا۔ وہ اندر گھسنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ زمین گیلی تھی۔ اسے سردی لگ رہی تھی۔ اور کپکپی چڑھ رہی تھی۔ لیکن اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی۔

ایک جگہ ایک درخت نظر آیا۔ اس درخت کی مدد سے وہ جنگلے پر چڑھا۔ اسے اپنا کیمرے اور اس کے متعلقہ آلات کی بھی فکر تھی۔ اسی وجہ سے دوسری طرف اترتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا۔ اس کا کوٹ پھٹ گیا۔ لیکن وہ خود بہر حال عافیت سے دوسری طرف پہنچ گیا ہے۔ اس کے آلات بھی محفوظ رہے۔

اپنے کیمرے کو لے کر وہ آگے بڑھتا رہا۔ آسمان پر روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب وہ گردو پیش کو اس کی جزئیات سمیت دیکھ سکتا تھا۔ بیشتر کتبے بہت پرانے اور بوسیدہ تھے۔ بعض قبریں ڈھے گئی تھیں۔ ان کے درمیان چوہے دوڑتے پھر رہے تھے۔ وہ اتنے نڈر تھے کہ انہیں اس کی موجودگی کی بھی پروا نہیں تھی۔ کچھ قبروں میں گھس رہے تھے اور کچھ قبروں سے نکل رہے تھے۔

وہاں بہت اونچی گھاس بھی تھی۔ بعض جگہوں پر تو وہ قدم آدم سے بڑھ کر تھی۔ اور گھاس میں جھاڑیاں کہاں ہیں، یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ سخت سردی کے باوجود حنیف کے مسامات پسینہ اگل رہے تھے۔ اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ اسے چھپ کر دیکھا جا رہا ہے۔ جیسے بھوت اور بدروحیں ہر قدم پر اس کی نگرانی کر رہی ہیں۔

وہ چند لمحے رکا...... وہ خود کو پرسکون کرنے اور ان سوچوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے۔ اس لمحے اس کی نظریں اوپر کی طرف اٹھیں اور اس شے پر جم کر رہ گئیں۔

وہ دیو قامت سنگی مجسمہ بلندی سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کا تاثر تھا۔ حنیف کو لگا کہ اس غصے کا سبب اس کی دخل اندازی ہے۔ سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے اس کی سانسیں اور تیز اور پرشور ہو گئیں۔ مجسمے کی حلقوں سے ابلتی آنکھیں اسے حکم دیتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ حکم کہ وہ فوراً اس قبرستان سے نکل جائے۔

حنیف کی ذہنی کیفیت ذرا بہتر ہوئی تو اس نے مجسمے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ انسانی، لیکن اس کے تاثرات حیوانی تھے۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا، جیسے وہ شدید غصے میں ہو۔ اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے حنیف نے اپنا کیمرا سنبھالا اور مجسمے کی تین تصویریں بنا لیں۔

اس نے دوبارہ سر اٹھا کر مجسمے کو دیکھا، اس کا چہرہ انسانی تھا، لیکن اس پر تاثر وحشی جانوروں کا سا تھا، تنگ پیشانی پر سلوٹیں، بہت بڑی اور پھولی ہوئی ناک اور چیخنے کے انداز میں کھلا ہوا منہ، جیسے وہ غیض و غضب میں ہو۔

حنیف کے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی، وہ مجسمہ تھا ہی ایسا ڈراؤنا!

ادھر ٹیکسی میں سوئے ہوئے رابرٹ کی پلکیں لرزیں۔ دھیرے دھیرے اس نے آنکھیں کھولیں، چند لمحوں میں اسے یہ احساس ہوا کہ حنیف ارشد ٹیکسی میں موجود نہیں ہے، وہ ٹیکسی سے نکلا تو اسے قبرستان نظر آیا۔

اس وقت سپیدۂ سحر پھوٹ رہا تھا۔

''حنیف......'' اس نے حنیف کو پکارا۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ جنگلے کی طرف بڑھا اور حنیف کو دوبارہ پکارا۔

اس پکار کے جواب میں گویا اسے دور سے ایک آواز سنائی دی...... تحریک کی آواز! وہ آواز قبرستان کے اندر سے آئی تھی، جیسے کوئی اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہو۔

رابرٹ نے جنگلے کی سلاخیں تھامیں اور خاصی کوشش کے بعد جنگلے پر چڑھا، پھر اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

''حنیف......!'' اس نے پھر پکارا۔

اس کی طرف بڑھتی ہوئی آہٹوں کی آواز معدوم ہو چکی تھی۔ رابرٹ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا، پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پتلی کیچڑ میں اس کے جوتوں سے چرر چرر کی آواز نکل رہی تھی۔ پھر اسے وہ بڑے جسیم چوہے نظر آئے۔ انہیں دیکھ کر اس کے اعصاب جواب دینے لگے، وہاں ایسی بھیانک خاموشی اور سکوت تھا، جس کا اسے پہلے تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ ایسی خاموشی تھی، جیسے گردو پیش کے ماحول نے بھی سانس روک لی ہو۔ اسے یاد آیا، پہلی بار ایسا سناٹا اس نے پیری فورڈ میں محسوس کیا تھا۔ یہ اس رات کی بات تھی جب اسے احساس ہوا تھا کہ جنگل کی جانب سے ان دیکھی آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

وہ رک گیا، اس وقت یہاں بھی اسے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اسے چھپ کر دیکھا جا رہا ہے۔ وہ ٹٹولنے والی نگاہوں سے گردو پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ایک بہت بڑی صلیب پر جم کر رہ گئیں۔ وہ الٹی صلیب تھی، جو زمین میں گاڑھی گئی تھی۔

اسے دیکھ کر رابرٹ تھورن کا جسم تن سا گیا۔

اچانک صلیب کے عقب سے پھر آہٹ سنائی دی۔ اس بار وہ آہٹ تیزی سے اس کے قریب آ رہی تھی، اس کا جی چاہا کہ وہ پلٹے اور بھاگ کھڑا ہو لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے تھے۔

آہٹ بہت قریب آ گئی تھی، خوف سے رابرٹ تھورن کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔

''مسٹر تھورن!''

وہ حنیف کی آواز تھی، اگلے ہی لمحے وہ جھاڑیوں سے برآمد ہوا۔

رابرٹ کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی، اس کا جسم لرز رہا تھا۔

حنیف کے ہاتھ میں جیک کی راڈ تھی اور وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''مل گیا مسٹر تھورن۔ میں نے تلاش کر لیا''۔ اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا ''کیا مل گیا؟''

''آپ آئیں تو۔ میرے ساتھ چلیں''۔

وہ دونوں جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئے۔ حنیف قبروں کے کتبوں سے بچ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کی رفتار تیز تھی۔ رابرٹ کے لئے اس کے ساتھ چلنا دشوار تھا۔

سامنے ایک سطح قطعۂ زمین نظر آ رہا تھا۔ ''وہ دیکھیں، وہ رہیں''۔ حنیف نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رابرٹ نے اشارے کی سمت دیکھا۔ وہ برابر برابر دو قبریں تھیں۔ اس قبرستان کی دوسری قبروں کے برعکس وہ بہت پرانی نہیں لگ رہی تھیں۔ ایک بڑی قبر تھی اور دوسری بہت چھوٹی۔ دونوں پر کتبے نصب تھے، جن پر صرف نام اور تاریخیں کندہ تھیں۔

''تاریخیں دیکھیں''۔ حنیف نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔ ''دونوں پر ایک ہی تاریخ لکھی ہے...... 6 جون...... 6 جون! چار سال پہلے کی 6 جون۔ ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری بیٹے کی''۔

رابرٹ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور قبروں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ انہیں گھور رہا تھا۔

''پورے قبرستان میں یہی قبریں ہیں جو نئی کہی جا سکتی ہیں''۔ حنیف نے کہا۔ ''باقی قبریں تو اتنی پرانی ہیں کہ ان کے کتبے بھی مٹ گئے ہیں۔ ان پر کیا تھا، پڑھا ہی نہیں جا سکتا''۔

رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جھکا اور ہاتھ سے کتبوں کو صاف کرنے لگا، جن پر گرد جمی تھی۔

اب وہ کتبوں کی تحریر پڑھ سکتا تھا۔

''کیا لکھا ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''یہ لاطینی زبان ہے''۔

''لکھا کیا ہے؟''

''موت اور پیدائش میں...... دو نسلیں ہم آغوش ہوتی ہیں''۔

''اوہ......''

''تم نے خوب دریافت کیا انہیں''۔ رابرٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حنیف اس کے پاس ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ رابرٹ کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ رو رہا تھا۔ حنیف اس کے آنسو تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔

''یہی ہے۔ میں جانتا ہوں، یہی ہے''۔ رابرٹ سسکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ ''میں جانتا ہوں، میرے بچے کو یہیں دفن کیا گیا ہے''۔

''اور یہ دوسری قبر غالباً اس عورت کی ہے، جس کے بچے کو آپ پال رہے ہیں''۔

رابرٹ نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور کتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اس پر یہی لکھا ہے...... ایک ماں اور اس کا بچہ''۔

''آپ نے اسپلیٹو سے یہی تو کہا تھا۔ اس نے بتا دیا۔ یہ آپ کے بچے کی قبر ہے اور دوسری آپ کے لے پالک کی ماں کی''۔

''لیکن یہاں کیوں؟ انہیں اس قبرستان میں کیوں دفن کیا گیا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں''۔

''ان کیلئے یہ خوف ناک جگہ ہی رہ گئی تھی؟''

حنیف اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ الجھن تو اسے بھی تھی۔ ''اس الجھن کو سلجھانے کی ایک ہی صورت ہے''۔ اس نے کہا۔ ''ہم اتنی دور بلاوجہ تو نہیں آئے ہیں، ہمیں اپنا کام مکمل کرنا چاہئے''۔

یہ کہہ کر اس نے جیک راڈ اٹھائی اور کدال کی طرح قبر کے سینے میں اتار دی۔ راڈ اگلے ہی لمحے کسی چیز سے ٹکرائی۔ ''یہ کام کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے''۔ اس نے کہا۔ ''قبر بہ مشکل ایک ڈیڑھ فٹ گہری ہے''۔

اس نے جیک راڈ سے قبر کھودنی شروع کی۔ درمیان میں وہ رک کر مٹی ایک طرف جمع کرتا جا رہا تھا۔

''آپ میرا ہاتھ نہیں بٹائیں گے؟'' اس نے رابرٹ سے اپیل کی۔

رابرٹ ایک لمحے کو ہچکچایا۔ پھر اس نے جیک راڈ اس سے لے لی۔

مگر ہاتھوں سے مٹی ہٹاتے ہوئے اسے اپنی انگلیاں سن محسوس ہو رہی تھیں۔

آدھے گھنٹے کی مشقت کے دوران وہ پسینے میں نہا گئے۔ ان کے چہروں اور لباسوں پر مٹی جم گئی۔ بالآخر مٹی ہٹ گئی۔ اب سیمنٹ کی دو سلیں نظر آ رہی تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

وہ دونوں بیٹھ کر سوچتے رہے۔ بالآخر رابرٹ نے کہا۔ ''اب کیا کریں؟''

''سونگھیں۔ بو آ رہی ہے؟''

''ہاں''۔

''انہوں نے جلدی میں کام کیا ہوگا۔ حفظان صحت کے اصولوں کا خیال نہیں رکھا''۔

رابرٹ کے چہرے پر اذیت کا سایہ لہرا گیا۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔

''پہلے کون سی دیکھیں گے؟''۔ حنیف نے پوچھا۔

رابرٹ ہچکچایا۔ ''کیا یہ ضروری ہے؟''

''جی ہاں''۔

''مجھے یہ غلط لگتا ہے۔ جیسے ہم گناہ کر رہے ہوں''۔ رابرٹ بولا۔

''آپ کہیں تو میں ٹیکسی ڈرائیور کو مدد کے لئے بلا لاؤں''۔

رابرٹ نے دانت پر دانت جما دیئے۔ یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چلیں پھر آ جائیں۔ پہلے بڑی قبر دیکھی جائے''۔ حنیف نے جیک راڈ سے سیمنٹ کی سل کے پہلو کی جانب وار کیا۔ ذرا دیر میں اتنی جگہ بن گئی کہ جیک کی راڈ کو وہاں پھنسایا جا سکتا تھا۔ راڈ پھنسا کر وہ زور لگانے لگا۔ اس کی انگلیاں دکھ گئیں۔ لیکن سل کو وہ اٹھا نہیں سکا۔

''بہت بھاری ہے''۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری مدد کیوں نہیں کرتے''۔

رابرٹ جلدی سے اس کی مدد کو بڑھا۔ اب وہ دونوں مل کر زور لگا رہے تھے۔ دونوں ہانپنے لگے۔ بالآخر سل ایک جھٹکے سے اتر گئی۔ وہ دونوں دور جا گرے۔ وہ دونوں سنبھل کر اٹھے اور انہوں نے قبر میں جھانکا۔

''میرے خدا''۔ حنیف کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

وہ ایک گیدڑ کا ڈھانچہ تھا۔ کہیں کہیں گوشت اب بھی رہ گیا تھا۔ اس سے چیونٹیاں اور طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لپٹے ہوئے تھے، اندر مکھیاں اور بھڑیں بھی تھیں۔

رابرٹ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ حنیف جلدی سے سیمنٹ کی سل کو اس کی جگہ پر دھکیلنے لگا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ مکھیوں سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹا اور کیچڑ میں گر گیا۔ اٹھتے ہی اس نے واپس بھاگنے کی کوشش کی۔

لیکن رابرٹ نے پیچھے سے اسے پکڑ لیا۔

''کیا بات ہے؟ نکلیں نا یہاں سے''۔

''نہیں......'' رابرٹ چلایا۔

''چلیں نا۔ نکلیں یہاں سے''۔

''نہیں۔ ہمیں دوسری قبر بھی دیکھنی ہے''۔

''اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو دیکھنا تھا، ہم دیکھ چکے ہیں''۔

''دوسری قبر دیکھنا ضروری ہے''۔ رابرٹ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ ''ممکن ہے، اس میں بھی جانور ہو''۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ممکن ہے، میرا بیٹا زندہ ہو......کہیں اور ہو''۔

حنیف پلٹ آیا۔ رابرٹ کی آنکھوں میں جو دکھ تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

چند لمحے بعد وہ سیمنٹ کی دوسری سل سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ چھوٹی بھی تھی اور اسی لئے نسبتاً ہلکی بھی تھی۔ اسے اٹھانے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔

جو کچھ اس قبر میں تھا، اسے دیکھ کر رابرٹ کا چہرہ دکھ سے بھیچ سا گیا۔ اس قبر میں ایک انسانی بچے کی باقیات تھیں۔ اس کی نازک کھوپڑی جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اس کے سر پر وار کیا گیا تھا۔

رابرٹ بری طرح سسک رہا تھا۔ ''میرے بچے کا سر!''۔

حنیف نے قبر میں جھانکا۔ اس منظر نے اسے بھی دہلا دیا۔ ''او مائی گاڈ!''

''انہوں نے اسے مار ڈالا۔ قتل کر دیا''۔ رابرٹ ہذیانی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے''۔ حنیف نے سل کو دوبارہ سرکا کر قبر کو بند کر دیا۔

''ان بدبختوں نے میرے بچے کو قتل کر دیا''۔ رابرٹ ہذیانی انداز میں چلایا۔

حنیف نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے زبردستی واپسی کے لئے کھینچنے لگا۔ وہ عملاً اسے گھسیٹ رہا تھا۔ مگر پھر اچانک وہ ٹھٹھک گیا۔ اسے لگا کہ خوف سے اس کا جسم پتھرا گیا ہے۔

''مسٹر تھورن''۔ اس نے دھیرے سے اسے پکارا۔

رابرٹ نے پلٹ کر اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھا۔ اسے بھی خون اپنی رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔

وہ جرمن نسل کا سیاہ شیفرڈ کتا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں ایک دوسرے سے بہت قریب تھیں اور ان میں وحشیانہ چمک تھی۔ اس کے ادھ کھلے منہ سے رال بہہ رہی تھی اور حلق میں کہیں گہرائی سے ہلکی ہلکی خوف ناک غراہٹیں ابھر رہی تھیں۔

رابرٹ اور حنیف ساکت و صامت کھڑے تھے۔

کتا آہستہ آہستہ جھاڑیوں سے باہر آیا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔ اب انہیں اس کا پورا جسم نظر آ رہا تھا۔ وہ مرگھلا چرخ سا تھا۔ اس کے سر کی بائیں جانب ایک بڑا زخم تھا......گھناؤنا زخم!

جھاڑیوں میں پھر حرکت ہوئی۔ ایک اور کتے کا سر نمودار ہوا۔ وہ سرمئی رنگ کا تھا۔ اس کی تھوتھنی پر زخم تھا۔

پھر ایک اور کتا نمودار ہوا......پھر ایک اور......ایک اور......۔

اچانک قبرستان تحرک سے بھر گیا۔ ہر طرف سے کتے نمودار ہو رہے تھے...... پاگل کتے......وحشی کتے۔ ان کی تعداد دس تھی۔ رابرٹ اور حنیف اپنی جگہ پتھر کے بت بنے کھڑے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ ان کے جسم کی معمولی سی جنبش بھی کتوں کو اکسانے کا سبب بن جائے گی۔

''ان میں سے مردہ لاشوں کی سی بدبو اٹھ رہی ہے''۔ حنیف نے سرگوشی میں کہا۔ ''آہستہ آہستہ پیچھے ہٹئے''۔

وہ دونوں سانس بھی بڑی آہستگی سے لے رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ ایک طرف سر جھکائے ہوئے کتے ان کی طرف بڑھتے رہے، ان کا انداز ایسا تھا، جیسے شکار پر جھپٹنے کی تیاری کر رہے ہوں۔

اسی وقت رابرٹ لڑکھڑایا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ آواز نکلی۔ حنیف نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''سنبھل کر......! اور پر سکون رہئے''۔ اس نے تسلی سے سر گھما کر دیکھا۔ جنگلا اب بھی کوئی سو گز دور تھا۔

رابرٹ پھر لڑکھڑایا اور حنیف سے چمٹ گیا۔ ان دونوں کے جسم لرز رہے تھے۔

پھر ان کی پیٹھیں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائیں۔ رابرٹ کا جسم بید مجنوں کی طرح لرزنے لگا۔ وہ مہیب سنگی مجسمے تک پہنچ گئے تھے اور اس وقت مجسمے کے قدموں میں نصب قربان گاہ کے پتھر پر کھڑے تھے۔

یہاں پھنس کر وہ گھر گئے۔ کتے اب نیم دائرے کی شکل میں انہیں گھیر لینے والے انداز میں اس طرح حرکت کر رہے تھے کہ ان کے بھاگنے کی ہر راہ مسدود ہو گئی تھی۔

ایک لمحہ ایسا تھا کہ شکار اور شکاری، دونوں ساکت تھے۔ سورج نکل چکا تھا۔ کتے شفق کی سرخی میں نہائے ہوئے تھے اور وہ سب یوں ساکت تھے، جیسے حرکت میں آنے کے لئے کسی خاص اشارے کے منتظر ہوں۔

لمحے گزرتے گئے۔ جسموں کا تناؤ بڑھتا گیا۔ کتے زمین سے پیٹ چپکائے جھپٹنے کے لئے تیار تھے۔

پھر بالکل اچانک اعلان جنگ کے طور پر حنیف نے ہاتھ میں تھامی ہوئی جیک راڈ کو پہلے کتے کی طرف گھمایا۔ اس کے ساتھ ہی دھماکہ خیز انداز میں سکوت کا خاتمہ ہو گیا۔ کتے فضا میں اچھلے......۔

رابرٹ اور حنیف پلٹ کر بھاگے۔ لیکن حنیف ابتدا ہی میں گر گیا۔ ایک کتے نے عقب سے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ وہ لڑھک رہا تھا اور کتوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے گلے میں پڑے ہوئے کیمرے نے اسے کتے کے دانتوں سے بچایا۔ کتوں کے نکیلے دانتوں نے کیمرے کا لینس توڑ ڈالا۔ وہ اس کے گوشت میں دانت گاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

کتے حنیف میں اس طرح الجھے کہ رابرٹ کو بھاگنے کا موقع مل گیا۔ وہ جنگلے کی طرف لپک رہا تھا کہ اچانک ایک جسیم کتا اس پر حملہ آور ہوگیا۔ رابرٹ کو کتے کے دانت اپنی پیٹھ میں اترتے محسوس ہوئے۔ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرر ہا تھا۔ لیکن کتا اس سے بری طرح لپٹا ہوا تھا۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ وہ اب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ مگر اب اور کتے بھی اس طرف آگئے تھے اور اس پر جھپٹ رہے تھے۔ فضا میں ان کے چمکتے دانت اور اچھلتی رال دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ چلاتے ہوئے انہیں ہٹانے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن جنگلے کی طرف بڑھنے کی اس کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

کوئی اور چارہ نہ پا کر اس نے خود کو گیند کی طرح گول کیا اور لڑھکنے کی کوشش کی۔ دانت اس کی پشت میں گڑے جا رہے تھے۔ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے حنیف کی جھلک نظر آئی۔ وہ بھی لڑھک رہا تھا۔

خود رابرٹ کو اب درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک خیال تھا...... یہ کہ اسے یہاں سے بچ کر نکلنا ہے۔ اس نے اٹھ کر چاروں ہاتھ، پیروں پر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ کتے اس کی پیٹھ سے چمٹے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ایک ایک انچ کر کے جنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک اس کا ہاتھ کسی سرد سخت چیز سے ٹکرایا تھا۔ وہ جیک راڈ تھی، جو حنیف نے کسی کتے کو کھینچ کر ماری تھی۔ اس نے اسے مضبوطی سے تھاما اور پیٹھ سے چمٹے ہوئے کتوں کی طرف گھمایا۔

کتوں کی چیخوں سے اسے اندازہ ہوا کہ اس کا راڈ گھمانا کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سر کے اوپر خون کا فوارہ سا اچھلا اور ایک کتا چکراتا ہوا اس کے سامنے زمین پر گرا اور ساکت ہوگیا۔

اس کامیابی نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ اس نے راڈ پھر گھمائی اور گھماتا چلا گیا۔ یوں اسے اٹھنے کا موقع مل گیا۔

ادھر حنیف مسلسل لڑھکتے لڑھکتے ایک درخت تک پہنچ گیا۔ کیمرا اب بھی اس کے گلے سے لٹکا ہوا تھا اور کتے اس کے کیمرے پر مسلسل حملہ کر رہے تھے۔ اسی وقت اس کی فلیش لائٹ میں جھماکا ہوا۔ کتے اس کی روشنی سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

رابرٹ تھورن اب کھڑا ہو چکا تھا اور مسلسل راڈ گھمائے جا رہا تھا۔ راڈ بھی کسی کتے کے سر پر لگتی اور کبھی کسی کی تھوتھن پر۔ ساتھ ہی وہ جنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حنیف کی سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ اپنے کیمرے کی فلیش لائٹ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا ہے اور وہ کر رہا تھا۔ کتے جب بھی قریب آتے وہ فلیش کا بٹن دبا دیتا۔ روشنی کا جھماکا ہوتا اور کتے گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ اس طرح سے وہ بھی جنگلے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ رابرٹ کے پاس پہنچ گیا۔ رابرٹ جنگلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ فلیش لائٹ کی مدد سے کتوں کو دور رکھ رہا تھا۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور چہرہ زخمی تھا۔

رابرٹ جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ تیزی سے چڑھنے کی کوشش میں نکیلے جنگلے نے اس کی بغل کو زخمی کر دیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ بہرحال اس نے خود کو گرنے سے بچایا اور جنگلے پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

اب حنیف جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ وہ اب بھی اپنی فلیش کو استعمال کر رہا تھا۔ جنگلے پر چڑھنے کے بعد دوسری طرف چھلانگ لگانے سے پہلے اس نے کیمرے کو کتوں کی طرف اچھال دیا۔ کتے کیمرے پر جھپٹے اور اس کی دھجیاں اڑانے میں مصروف ہوگئے۔

رابرٹ زمین پر بیٹھا رو رہا تھا۔ حنیف نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا اور اسے سہارا دے کر ٹیکسی کی طرف لے چلا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے نیند بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اس کے حلق سے دہشت بھری چیخ نکلی اور آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے اگنیشن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہاں چابی تھی ہی نہیں۔ وہ باہر نکلا۔ اس نے رابرٹ کو گاڑی میں بٹھانے میں حنیف کی مدد کی۔

رابرٹ ٹیکسی کی عقبی نشست پر ڈھیر ہوگیا۔

حنیف گاڑی کی چابی نکالنے کے لئے ڈکی کی طرف جھپٹا۔ اس نے پلٹ کر کتوں کی طرف دیکھا۔ وہ پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ غراتے ہوئے وہ جنگلے سے ٹکریں مار رہے تھے۔ ایک کتے نے تو جنگلے کو پھلانگنے کی کوشش بھی کی اور تقریباً کامیاب ہوگیا۔ آخری لمحوں میں جنگلے کی کیل اس کی گردن میں گھسی۔ اس کی گردن سے خون کا فوارہ سا بلند ہوا وہ پلٹ کر گرا اور دوسرے کتوں نے لمحوں میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔

حنیف نے چابی ڈرائیور کو دی اور خود پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہوگیا۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے بڑھی۔ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں انہیں دیکھا اور جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ انسان نہیں لگ رہے تھے۔ ان کے لباس چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان کے چہروں اور جسموں سے جا بجا خون رس رہا تھا اور وہ ایک دوسرے سے لپٹ کر ننھے بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

..................☆..................

ٹیکسی ڈرائیور انہیں اسپتال لے گیا، جہاں انہیں ایمرجنسی روم میں لے جایا گیا۔ پھر اس نے کار سے ان کا سامان نکالا اور اپنی ٹیکسی لے کر نکل بھاگا۔

رابرٹ تو غشی کی حالت میں تھا۔ حنیف سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کام میں وہ ماہر بھی تھا۔ اس نے ایسی معقول کہانی گھڑی کہ اسپتال والوں کو یقین آگیا۔ ''ہم نشے میں تھے''۔ اس نے انہیں بتایا۔ ''اس حال میں ہم ایک ایسی جاگیر میں داخل ہوگئے، جہاں تنبیہی بورڈ نصب تھے کہ وہاں رکھوالی کے لئے خوں خوار کتے موجود ہیں۔ وہاں کتوں نے ہمیں گھیر لیا......''

''وہ جاگیر کہاں تھی؟'' اس سے پوچھا گیا۔

''روم کے مضافات میں''۔ حنیف نے بلا جھجک کہا۔ ''لیکن میں نے بتایا نا کہ ہم نشے میں تھے، ہم اس کی نشان دہی نہیں کر سکتے۔ وہاں مجھے اتنا یاد ہے کہ وہاں نکیلی سلاخوں والا جنگلا بھی تھا۔ میرا دوست اس جنگلے پر چڑھا تھا اور اسے زخم بھی لگا''۔

ان کی مرہم پٹی بھی کی گئی اور ٹیٹنس کے انجکشن بھی لگائے گئے۔ ''ایک ہفتے بعد دوبارہ آنا ہوگا تمہیں''۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''ہم بلڈ ٹیسٹ کے ذریعے تصدیق کریں گے کہ انجکشن موثر ثابت ہوئے ہیں یا نہیں''

اسپتال میں ہی انہوں نے کپڑے بدلے اور باہر نکل آئے۔ حنیف نے عقل مندی کی تھی کہ اسپتال والوں کو رابرٹ تھورن کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ باہر آتے ہی انہوں نے ایک عام سے ہوٹل کا رخ کیا اور فرضی ناموں سے کمرا لیا۔

اس وقت رابرٹ کیتھی سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور حنیف کمرے میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

''وہ تمہیں ختم کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے نہیں کیا''۔ حنیف نے کہا۔ ''وہ میرے پیچھے پڑے رہے، مجھے ختم کرنا چاہتے تھے وہ''۔

رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی شرٹ پر خون کا سیاہ دھبہ نظر آرہا تھا۔

''تم سن نہیں رہے مسٹر تھورن۔ وہ کتے میری جان کے دشمن تھے۔ مجھے ختم کرنا چاہتے تھے'' اس بار حنیف کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''ہیلو...... ہاسپٹل''۔ رابطہ ملنے پر رابرٹ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ ''جی...... میری بیوی روم نمبر 614 میں ہے''۔

''وہ تو میرا کیمرا میرے کام آگیا۔ نہیں تو......'' حنیف بدستور فریاد کئے جا رہا تھا۔

''دیکھیں...... آپ کچھ کریں۔ دس از این ایمرجنسی''۔ رابرٹ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا مسٹر تھورن''۔ حنیف اپنی کہے جا رہا تھا۔ ''تم سنتے کیوں نہیں''۔

رابرٹ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''میں سن رہا ہوں۔ تم مگیدو نامی قصبے کو تلاش کرو''۔

''کیسے تلاش کروں؟'' حنیف نے بھنا کر کہا۔

''کچھ کرو۔ کسی لائبریری سے مدد لو......''۔

''لائبریری! او مائی گاڈ''۔

''ہیلو؟'' رابرٹ نے پھر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''کیتھی؟''

اسپتال میں کیتھی کو اپنے شوہر کے لہجے سے ہنگامی صورت حال کا اندازہ ہوا تو وہ تن کر بیٹھ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں فون تھا۔ جبکہ دوسرا ہاتھ پلاسٹر میں تھا۔

''تم ٹھیک ہو نا کیتھی؟'' دوسری طرف سے رابرٹ نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں، تمہاری طرف سے فکرمند ہو رہا تھا''۔

''تم ہو کہاں؟''

''روم میں۔ اگلے ہوٹل میں''۔

''کوئی گڑبڑ؟ کوئی پریشانی؟''

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں''۔

''تم بیمار ہو؟''

''نہیں۔ کہا نا کہ مجھے بس تمہاری فکر تھی''۔

''رابرٹ...... تم واپس آجاؤ''۔

''سوری جان۔ ابھی میری واپسی ممکن نہیں''۔

''سنو رابرٹ، میں خوف زدہ ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں''۔

''میں گھر فون کئے جا رہی ہوں۔ وہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے''۔

اپنے ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے حنیف کو دیکھا جو عجلت میں قمیض تبدیل کر رہا تھا، جیسے اس کا باہر جانے کا ارادہ ہو۔

''رابرٹ...... میرا خیال ہے، مجھے گھر جانا چاہئے''۔ دوسری طرف سے کیتھی نے کہا۔

رابرٹ ایک دم پریشان ہوگیا۔ ''کیتھی...... تم کو کہیں نہیں جانا۔ جہاں ہو، وہی رہو''۔

''تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ میں ڈیمین کی طرف سے فکرمند ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''کیتھی......خبردار۔تم گھر جانے کا سوچنا بھی نہیں''۔

''یہ ضروری ہے رابرٹ......''

''میری بات سنو کیتھی۔تم گھر مت جانا......کسی قیمت پر نہیں۔خواہ کچھ بھی ہو جائے''۔رابرٹ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

کیتھی کو اس کے لہجے کی سنگینی نے چونکا دیا۔''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو''۔اس نے تسلی دینے والے لہجے میں کہا۔''میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گی۔ڈاکٹر گریئر سے میری بات ہوتی رہی ہے۔میری سمجھ میں بہت کچھ آ گیا ہے۔مسائل ڈیمین کی وجہ سے نہیں ہیں۔فساد کی جڑ میں خود ہوں''۔

''کیتھی......''۔

''سنو رابرٹ۔ڈپریشن کے لئے میں ایک دوا لے رہی ہوں،جس کا نام لیتھیم ہے۔مجھے اس سے فائدہ ہے۔میں گھر جانا چاہتی ہوں اور وہاں،میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ تم جلدی سے واپس آ جاؤ''۔وہ کہتے کہتے رکی۔پھر وہ بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔''میں چاہتی ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے،میں کوشش کروں گی''۔

''یہ دوا کس نے تجویز کی ہے؟''

''ڈاکٹر گریئر نے کہا''۔

''بہرحال کیتھی،جب تک میں واپس نہیں آتا،تمہیں اسپتال میں ہی رکنا ہے''۔

''رابرٹ،میں پریشان ہوں۔مجھے گھر جانا ہے''۔

''خدا کے لئے کیتھی،سمجھنے کی کوشش کرو......''۔

''میں ٹھیک ہوں رابرٹ''۔

''نہیں۔تم ٹھیک نہیں ہو۔کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے''۔

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو''۔

''کیتھی پلیز......''۔

''میں گھر جا رہی ہوں رابرٹ''۔

''مت جاؤ......میرے واپس آنے تک''۔

''تم کب واپس آؤ گے؟''

''کل صبح پہنچ جاؤں گا''۔

''لیکن میں پریشان ہوں۔گھر پر کوئی ٹیلی فون نہیں اٹھا رہا ہے،وہاں کوئی گڑبڑ......''۔

''ہاں کیتھی۔وہاں کوئی گڑبڑ ہے''۔رابرٹ نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

کیتھی کے جسم میں سرد لہری دوڑ گئی۔رابرٹ کے لہجے نے اسے دہلا دیا۔''رابرٹ......کیا بات ہے؟کیا گڑبڑ ہے؟''

''اب میں فون پر تو نہیں بتا سکتا''۔رابرٹ نے گھبرا کر کہا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ہمارے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''کیتھی کا لہجہ ہذیانی ہو گیا۔

''تم میری بات مانو۔وہاں ہرگز نہ جانا،اسپتال سے ہرگز نہ نکلنا۔میں صبح واپس آ کر تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گا''۔

''پلیز رابرٹ......میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔مجھ میں کوئی بڑی گڑبڑ ہے......میرے دماغ میں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں کیتھی۔گڑبڑ تمہارے اندر ہرگز نہیں ہے''۔

''تم کیا کہہ رہے ہو رابرٹ۔صاف صاف کہو''۔

ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے حنیف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔حنیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''رابرٹ......بتاؤ نا،کیا بات ہے''۔

''تو سنو کیتھی۔ڈیمین ہماری اولاد نہیں ہے۔وہ کسی اور کا بچہ ہے......''رابرٹ نے کہا۔

''کیا......؟کیا......!''۔

''تم گھر مت جانا۔یہیں اسپتال میں میری واپسی کا انتظار کرو''۔یہ کہہ کر رابرٹ نے ریسیور رکھ دیا۔

...................☆...................

رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔کیتھی اب بھی ریسیور کان سے لگائے ساکت و صامت بیٹھی تھی۔رابطہ کٹنے کے بعد کی ٹیون اسے سنائی دے رہی تھی۔لیکن جیسے وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔چند لمحے بعد وہ چونکی اور اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔پھر وہ دیوار پر متحرک سایوں کو گھورتی رہی۔اس کا کمرا اسپتال کی چھٹی منزل پر تھا۔باہر ایک درخت ہوا میں جھوم رہا تھا،اس کا سایہ دیوار پر لہرا رہا تھا۔

وہ خوف زدہ تھی۔لیکن اسے احساس تھا کہ خوف کے ساتھ جو ایک تشویش زدگی کی مستقل کیفیت ہوتی تھی،وہ اب نہیں رہی ہے۔یہ لیتھیم نامی دوا موثر ثابت ہو رہی تھی۔اس کا دماغ روشن رہتا تھا اور وہ ٹھیک سے سوچ سکتی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھایا اور گھر کا نمبر ڈائل کیا۔گھنٹی بج رہی تھی۔مگر گھر میں کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔بیڈ کے سرہانے کی طرف انٹرکام نصب تھا۔اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کوشش کر کے بٹن دبایا۔

''یس مادام''۔دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

''مجھے اسپتال سے جانا ہے۔کسی ذمے دار آدمی سے میری بات کراؤ''۔

''اس کے لئے تو آپ کو ڈاکٹر سے اجازت لینی ہو گی''۔

''تو پلیز،ان سے میری بات کرائیں''۔

''میں کوشش کرتی ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابطہ منقطع ہوگیا۔کیتھی خاموش بیٹھی رہی۔کچھ دیر بعد ایک نرس کھانا لے کر آئی ،لیکن کیتھی کو بھوک نہیں تھی۔

عین اسی وقت وہاں سے کوئی سو میل دور سرویٹری کے قبرستان میں خاموشی تھی۔آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی تھی۔اس سناٹے میں مٹی سے پنجوں کے ٹکرانے کی آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔دو کھدی ہوئی قبروں کے گرد جمع مٹی کو دو جسیم کتے اپنے پنجوں کی مدد سے دوبارہ سیمنٹ کی سلوں پر گرا رہے تھے۔وہ میکانیکی انداز میں یہ کام کر رہے تھے۔گیدڑ اور بچے کی باقیات پر مٹی گر رہی تھی۔کیونکہ سلیں ٹھیک طرح سے نہیں رکھی گئی تھیں۔

ان کے عقب میں جنگلے کے پاس ایک کتے کی باقیات پڑی تھیں۔اس کے جسم کا بیشتر حصہ کھایا جا چکا تھا۔اس کے قریب ایک اور کتا بیٹھا تھا۔اس کتے نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور بھیانک آواز میں رونے لگا۔

وہ آواز پورے قبرستان میں گونج رہی تھی اور بہ تدریج اس کا حجم بڑھتا جا رہا تھا۔پھر قبرستان میں موجود دوسرے کتے بھی اس کی آواز میں آواز ملا کر رونے لگے۔قبرستان اس منحوس کورس کی آوازوں سے بھر گیا۔ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی شیطانی پیغام نشر کر رہے ہیں۔

اسپتال میں اپنے کمرے میں کیتھی نے پھر انٹر کام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔اس بار اس کی آواز میں بے تابی تھی۔

’’کوئی ہے؟‘‘

’’جی مادام؟‘‘

’’میں نے تم سے ڈاکٹر سے بات کرنے کو کہا تھا‘‘۔

’’میں رابطہ نہیں کر سکی۔وہ اس وقت ایک آپریشن میں مصروف ہیں‘‘۔

کیتھی کے چہرے پر غصے اور جھنجھلاہٹ کا تاثر ابھر آیا۔

’’تم یہاں آ کر میری مدد کر سکتی ہو؟‘‘

’’میں کسی کو بھیجتی ہوں‘‘۔

’’پلیز......جلدی کرو‘‘۔

’’جی......میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد کسی کو بھیج دوں‘‘۔

کیتھی نے انٹر کام رکھا اور خاصی کوشش کے بعد بستر سے اٹھی۔وہ وارڈ روب کی طرف گئی اور اس میں اپنے کپڑے ٹٹولنے لگی۔بالآخر اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ منتخب کیا، جسے پہننا اس کے لئے نسبتاً آسان تھا۔لیکن جو نائٹ گاؤن وہ پہنے ہوئے تھی، اس میں اوپر گردن تک بٹن لگے ہوئے تھے۔اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا اور فکر مندی سے سوچا کہ اس کا ایک ہاتھ پلاسٹر میں ہے۔ایسے میں وہ اس نائٹ گاؤن کو کیسے اتار سکے گی۔

اس نے بٹن کھولنے کی کوشش کی، لیکن ایک ہاتھ سے بٹن کھولنا بے حد دشوار ثابت ہو رہا تھا۔اس نے گاؤن کو اوپر کر کے اتارنے کی کوشش کی تو گاؤن میں اس کا سر پھنس گیا۔اب اسے گاؤن کے جامنی رنگ کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

قبرستان میں ہوا کی سنسناہٹ بڑھ رہی تھی۔چند لمحوں میں وہ آواز کسی مشتعل درندے کی چنگھاڑ سے مشابہ ہو گئی۔

اسپتال میں اپنے کمرے میں کیتھی پھنسے ہوئے نائٹ گاؤن سے چھٹکارا پانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔لیکن اسے لگ رہا تھا کہ اس کوشش کے نتیجے میں اس کا سر اور گردن اور زیادہ پھنسی جا رہی ہے۔اس احساس کے ساتھ اس کے لئے سانس لینا دشوار ہو گیا اور اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو وہ پر سکون ہو گئی۔اس کے لئے مدد آ پہنچی تھی۔

’’ہیلو......؟‘‘اس نے کہا۔وہ کچھ دیکھ نہیں سکتی تھی۔

کوئی جواب نہیں ملا تو وہ پلٹی۔وہ نائٹ گاؤن کے کپڑے کے پار آنے والے کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔’’کوئی ہے......؟ کون ہے؟‘‘اس نے پوچھا۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

پھر کپڑے کے پار اس نے آنے والے کو دیکھ لیا۔اس کی سانسیں رکنے لگیں۔

وہ مسز بےلاک تھی۔اس نے بہت بھدا میک اپ کیا ہوا تھا۔پاؤڈر کی وجہ سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ہونٹوں پر لپ اسٹک اس طرح لگائی گئی تھی کہ وہ خون سے لتھڑے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

بولنا اس کے بس میں نہیں تھا۔وہ بے بسی سے مسز بےلاک کو دیکھتی رہی۔

مسز بےلاک بڑھی اور اس نے کھڑکی کھول دی۔پھر وہ چھٹی منزل کی کھڑکی سے نیچے دیکھنے لگی۔

’’پلیز، میری مدد کرو‘‘۔کیتھی نے بہ مشکل سرگوشی میں کہا۔’’یہ نائٹ گاؤن میری گردن میں پھنس گیا ہے‘‘۔

مسز بےلاک دانت نکال کر ہنسنے لگی۔اس کے انداز میں کوئی بات تھی، جس سے کیتھی کو خوف آنے لگا۔

’’بہت خوب صورت دن ہے کیتھی‘‘۔مسز بےلاک نے کہا۔’’پرواز کے لئے بہترین دن‘‘۔

وہ آگے بڑھی اور اس نے نائٹ گاؤن کو مٹھی میں دبوچ لیا۔

’’پلیز......پلیز......‘‘کیتھی بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

ان دونوں کی نگاہیں ملیں......وہ ایک طویل، مگر آخری لمحہ تھا۔

’’تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو اس حال میں‘‘۔مسز بےلاک نے بے رحمی سے کہا۔’’مجھے ایک پیار تو دو‘‘۔

وہ آگے بڑھی اور کیتھی گھبرا کر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔مسز بےلاک اب اسے کھڑکی کی طرف دھکیل رہی تھی۔

اسپتال کے ایمر جنسی والے داخلی دروازے سے ایک ایمبولینس اندر آئی۔اس کا سائرن چیخ رہا تھا اور گھومنے والی سرخ بتی روشن تھی۔اس کے پہیئے چرچرائے......

اسی لمحے اسپتال کی چھٹی منزل کی کھڑکی میں ایک عورت نمودار ہوئی جو جامنی رنگ کے نائٹ گاؤن میں لپٹی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ بھی نائٹ گاؤن میں لپٹا ہوا تھا۔اگلے ہی ثانئے وہ کھڑکی سے گرتی نظر آئی۔اس کا پلاسٹر میں لپٹا ہوا ہاتھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔

کسی نے اسے نہیں دیکھا۔یہاں تک کہ وہ ایمبولینس کی چھت سے ٹکرائی۔ٹکرا کر اچھلی، پھر ٹکرائی، پھر اچھلی۔پھر لڑھکتی ہوئی ڈرائیو وے میں گر گئی۔نیچے گرنے سے پہلے وہ مر چکی تھی۔

سرویٹری کے قبرستان میں اب سکوت تھا۔قبریں بھر دی گئی تھیں، کتے نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے!۔

..................☆..................

وہ تھکن سے چور ہو کر سوئے تھے۔فون کی گھنٹی نے انہیں جگا دیا۔’’لیس؟‘‘ رابرٹ نے ریسیور اٹھاتے ہوئے نیند بھری آواز میں کہا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

دوسری طرف ڈاکٹر بیکر تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی احساس ہو گیا کہ وہ کوئی بری خبر سنانے والا ہے۔

''مجھے خوشی ہے کہ میں نے آپ کو تلاش کر لیا''۔ ڈاکٹر بیکر کہہ رہا تھا۔ ''اس ہوٹل کا نام کیتھی کی نائٹ ٹیبل پر لکھا تھا۔ مگر اس ہوٹل کو تلاش کرنا بہت دشوار ثابت ہوا۔ حیرت ہے کہ آپ ایسے معمولی ہوٹل میں......''۔

''بات کیا ہے؟ مجھے بات بتاؤ''۔ رابرٹ نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں پردیس میں فون پر یہ خبر دے رہا ہوں''۔

''کیا ہوا ہے؟'' رابرٹ کے لہجے میں خوف تھا۔

''کیتھی نے اسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی''۔

''کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟''

''مجھے افسوس ہے مسٹر تھورن۔ وہ مر چکی ہیں''۔

رابرٹ کے گلے میں جیسے کوئی گولا سا پھنس گیا، وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔

''ہم درست تفصیل سے تو بے خبر ہیں''۔ ڈاکٹر بیکر نے کہا۔ ''اس نے اسپتال سے رخصت ہونے کی بات کی تھی۔ پھر اچانک وہ اوپر سے گر گئی......''۔

''وہ...... وہ...... مر چکی ہے!''۔ رابرٹ سسک رہا تھا۔

''وہ گرتے ہی ختم ہو گئی۔ سر کے بل گری تھی''۔

رابرٹ نے ریسیور سینے سے لگایا اور رونے لگا۔

''مسٹر تھورن''۔ ڈاکٹر اسے پکار رہا تھا۔

اسی لمحے رابطہ منقطع ہو گیا۔

اپنے کمرے کی تاریکی میں رابرٹ رو رہا تھا۔ باہر کاریڈور تک اس کی سسکیوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ رات کی ڈیوٹی والے پورٹر نے وہ آواز سنی تو آ کر دروازے پر دستک دی۔ اس کے نتیجے میں اندر خاموشی چھا گئی۔

آدھی رات کے بعد حنیف واپس آیا۔ اس کے چہرے پر تھکن تھی اور انداز سے نڈھال نظر آ رہا تھا۔ اس نے رابرٹ تھورن کو دیکھا جو اپنے بستر پر اوندھا لیٹا تھا۔ ''مسٹر تھورن؟'' اس نے پکارا۔

''کیا ہے؟'' رابرٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''میں پہلے لائبریری گیا۔ پھر ایک آٹو کلب گیا، جو کبھی رائل جیگرافک سوسائٹی کہلاتا تھا''۔

رابرٹ نے جواب نہیں دیا تو وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ رابرٹ کی قمیص پر خون کے دھبے پہلے سے زیادہ پھیل گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خون مسلسل رستا رہا ہے۔ ''میں نے میگیڈو کے بارے میں معلوم کر لیا ہے، اس کا ماخذ لفظ آرمیگیڈون ہے، جس کا مطلب ہے، دنیا کا خاتمہ''۔ اس نے کہا۔

''یہ ہے کہاں؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''زمین سے 50 فٹ نیچے...... یروشلم شہر کے باہر۔ وہاں کوئی امریکی یونیورسٹی کھدائی کرا رہی ہے''۔

رابرٹ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ حنیف نڈھال انداز میں بستر پر لیٹ گیا۔

''میں وہاں جانا چاہتا ہوں''۔ چند لمحے بعد رابرٹ نے کہا۔

حنیف نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''اگر آپ کو اس شخص کا نام یاد آ جائے، جس کا ٹیسون نے حوالہ دیا تھا......''۔

''وہ مجھے یاد آ گیا ہے...... بیوگن ہیگن''۔

حنیف نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اب بھی اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے قاصر تھا۔ ''بیوگن ہیگن؟''

''ہاں...... اور مجھے وہ نظم بھی یاد آ گئی ہے''۔

حنیف کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''یعنی تمہیں بیوگن ہیگن نامی شخص سے ملنا ہے؟''۔

''ہاں''۔

''وہ تو سترھویں صدی کا ایک ایگزارسسٹ تھا۔ جو کتابیں ہمارے پاس ہیں، ان میں سے کسی کتاب میں اس کا تذکرہ ہے''۔

''مجھے سب کچھ یاد آ گیا ہے، ٹیسون کی ہر بات یاد آ گئی ہے۔ اس نے یہی نام بتایا تھا''۔

''بالکل اچانک! حیرت ہے''۔

''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے......'' رابرٹ نظم دہرانے لگا۔ ''...... آسمان پر ایک کویٹ نظر آئے گا۔ جب مقدس روم کی سلطنت کو عروج ہو گا تب ہم سب مر جائیں گے''۔

حنیف غور سے سن رہا تھا۔ رابرٹ کے لہجے کے بے تاثر پن نے اسے چوکنا کر دیا تھا۔ ویسے بھی اسے لگ رہا تھا کہ رابرٹ تھورن میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

''تب وہ بحر ابد سے ابھرے گا......'' رابرٹ کہتا رہا۔ ''دونوں کناروں پر فوجیں ہوں گی۔ وہ بھائی کو بھائی سے لڑائے گا، یہاں تک کہ انسان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا''۔

وہ خاموش ہو گیا۔ حنیف چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ خاموشی نہ ٹوٹی تو اس نے پوچھا۔ ''کوئی خاص بات ہے؟''

''کیتھی مر گئی''۔ رابرٹ نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''اب میں چاہتا ہوں کہ یہ بچہ بھی مر جائے''۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ ان سے سویا نہیں گیا۔ وہ کروٹیں بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

صبح آٹھ بجے حنیف نے فون کیا اور اسرائیل جانے والی دوپہر کی فلائٹ پر سیٹیں بک کرا لیں۔

..................☆..................

رابرٹ نے بہت سفر کئے تھے۔ لیکن وہ اسرائیل کبھی نہیں گیا تھا۔ اس ملک کے بارے میں اس کی معلومات محض اخباری تھیں یا پھر بائبل کے حالیہ مطالعے کی مرہون منت تھیں۔ چنانچہ اس کی جدیدیت نے اسے حیران کر دیا۔ یہ وہ ملک تھا، جس کی تاریخ فرعون کے عہد سے وابستہ تھی اور اب وہاں جدید عمارتیں تھیں، بنجر صحرا کے سینے پر ایک نئی دنیا آباد ہو گئی تھی۔ ہر طرف تعمیرات ہو رہی تھیں۔ ہر طرف دیوقامت کرینیں متحرک نظر آتی تھیں۔

ایئرپورٹ پر سیکورٹی بہت سخت تھی۔ ان کے سامان کی...... خاص طور پر حنیف کے سامان کی بہت باریک بینی سے تلاشی لی گئی۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ اسرائیلی دہشت گردی سے بری طرح خائف ہیں۔

ان دونوں کو خاصی دیر ایئرپورٹ پر روکا گیا۔ ان کے چہروں کی خراشیں انہیں مشتبہ بنانے کے لئے کافی تھیں۔ رابرٹ نے ویسے بھی سرکاری پاسپورٹ کے بجائے اپنا نجی پاسپورٹ استعمال کیا تھا۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ وہ ایک اہم امریکی کارندہ ہے۔

انہوں نے ٹیکسی کی اور ہلٹن ہوٹل چلے گئے۔ لابی کی دکان سے انہوں نے اپنے لئے ہلکے ملبوسات خریدے۔ شہر میں گرمی بہت تھی اور عمارتوں میں کنکریٹ کے استعمال نے گرمی میں اضافہ کر دیا تھا۔ رابرٹ کو اتنا پسینہ آیا کہ زخموں کی پٹیاں بھیگ گئیں اور زخموں میں تکلیف ہونے لگی۔ بغل کے نیچے پٹی ہٹائی گئی تو پتا چلا کہ زخم رس رہا ہے۔

''آپ پہلے کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں''۔ حنیف نے کہا۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں''۔ رابرٹ بولا۔ ''تمہیں بس بیوگن ہیگن کو تلاش کرنا ہے''۔

ان کے تیار ہوتے ہوتے اندھیرا ہو چلا تھا۔ وہ شہر کی سڑکوں پر پھرتے رہے۔ اپنی تلاش شروع کرنے سے پہلے انہیں یہ وقت گزاری کرنی تھی۔ رابرٹ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے اس کا پسینہ نہیں رک رہا تھا۔ وہ کچھ کھانے کے لئے ایک کیفے میں چلے گئے۔ رابرٹ کو اپنی توانائی بحال کرنے کی فکر تھی۔ ان کے درمیان خاموشی تھی اور وہ خاموشی حنیف کو پریشان کر رہی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسے دو خوب صورت عورتیں نظر آ گئیں۔ وہ انہیں دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کو پتا ہے، ہمیں اپنا دھیان بٹانے کی ضرورت ہے''۔ حنیف نے رابرٹ سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''حسن یہود''۔

رابرٹ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

حنیف کی نگاہوں کی شہ پا کر دونوں عورتیں ان کی میز کی طرف بڑھ آئیں۔

''سرخ تل والی میری''۔ حنیف نے کہا۔

رابرٹ نے بدمزگی سے اسے دیکھا اور کندھے جھٹک دیئے۔

حنیف نے اٹھ کر دونوں عورتوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''انگلش بولتی ہو؟'' اس نے ان کے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

وہ دونوں مسکرا دیں۔ لیکن بولیں کچھ نہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ انگلش سے نابلد ہیں۔

''یہ اور بھی اچھا ہے''۔ حنیف نے کہا۔ ''اب میں جی بھر کے انہیں برا بھلا کہہ سکتا ہوں''۔

رابرٹ کی بدمزگی اور بڑھ گئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں ہوٹل واپس جا رہا ہوں۔ تم اپنی تفریح کر کے آ جانا''۔

''کم از کم مینو تو چیک کر لیں''۔ حنیف نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھوک ہی نہیں ہے۔ تو مینو دیکھ کر کیا کروں گا''۔

رابرٹ کے جانے کے بعد حنیف عورتوں کی طرف مڑا۔ ''میرا ساتھی بہت بدذوق ہے''۔

باہر سڑک پر رابرٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ حنیف دونوں عورتوں کی طرف جھک کر گفتگو کر رہا تھا۔

رابرٹ ادھر ادھر پھرتا رہا۔ دکھ اس کے سینے پر کسی بھاری سل کی طرح رکھا تھا۔ اس کی بغل کے نیچے درد لہریں لیتا، پھڑکتا محسوس ہو رہا تھا اور اس اجنبی شہر میں رات کی آوازیں اس کے لئے اجنبی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت موت اسے یہاں آ لے تو وہ کشادہ بانہوں کے ساتھ اسے خوش آمدید کہے گا۔

وہ ایک نائٹ کلب کے سامنے سے گزرا۔ باوردی چوکیدار نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر آنے کی ترغیب دی۔ مگر اس نے بڑی بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ نہ وہ کچھ دیکھ رہا تھا، نہ اسے کچھ سنائی دے رہا تھا۔ اس وقت تو وہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

آگے اسے ایک سائنا گوگ نظر آیا۔ عبادت کرنے والے معبد سے باہر آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔ قربان گاہ پر ستارۂ داؤد جگمگا رہا تھا۔ اس کے نیچے شیشے کے کیس میں کتاب مقدس کے صفحات نظر آ رہے تھے۔ وہ وہاں جا کھڑا ہوا۔

''میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟''

وہ آواز ایک تاریک گوشے سے آئی تھی۔ رابرٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ ربی باہر آ رہا تھا۔ وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سیاہ ہیٹ تھا۔

''یہ اسرائیل میں موجود توریت کا قدیم ترین نسخہ ہے''۔ ربی نے شیشے کے کیس میں رکھے ہوئے صفحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بحیرۂ احمر کے ساحلی علاقوں سے ملا ہے''۔

رابرٹ نے ربی کو بہت غور سے دیکھا۔ ربی کی نگاہوں میں فخر تھا۔

''اسرائیل کی مٹی کے نیچے تاریخ کے خزانے چھپے ہیں''۔ بوڑھے ربی نے سرگوشی میں کہا۔ ''مجھے تو افسوس ہے کہ اس زمین پر ہم چلتے ہیں''۔ اس نے پلٹ کر رابرٹ کو دیکھا اور مسکرایا۔ ''آپ باہر سے آئے ہیں نا؟''۔

''جی ہاں''۔

''کس سلسلے میں؟''

''مجھے کسی کی تلاش ہے''۔

''میں بھی کسی کی تلاش میں یہاں آیا تھا......اپنی بہن کی تلاش میں۔ مگر وہ مجھے نہیں ملی''۔ ربی مسکرایا۔ ''کون جانے، جہاں ہم چل رہے ہیں، وہیں کہیں وہ دفن ہو''۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ربی نے اٹھ کر ایک لائٹ آف کر دی۔

''شاید آپ نے بیوگن ہیگن کا نام سنا ہو''۔ رابرٹ نے کہا۔

''پولینڈ کا رہنے والا ہے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم''۔

''یہاں......اسرائیل میں رہتا ہے؟''

''میرا خیال تو یہی ہے''۔

''وہ کرتا کیا ہے؟''

رابرٹ کو اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ ایک ایسے شخص کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے، جس کے بارے میں اسے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے، شرمندہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں''

''نام تو جانا پہچانا لگتا ہے''۔

وہ اس اندھیرے میں کچھ دیر کھڑے رہے، ربی ایسے سوچ رہا تھا، جیسے یادداشت پر زور دے رہا ہو۔

''آپ جانتے ہیں، ایگزارسٹ کیا ہوتا ہے؟''

ربی مسکرایا۔ ''شیطان کے حوالے سے......؟''

''جی ہاں''۔

ربی نے ہنستے ہوئے ہاتھ لہرایا۔

''آپ ہنسے کیوں؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''ایسا کچھ ہوتا نہیں ہے''۔

''کیا مطلب؟''۔

''شیطان کوئی حقیقت نہیں ہے''۔ ربی نے کہا اور جس طرف سے آیا تھا، ادھر واپس چل دیا۔

رابرٹ نے توریت کے نسخے پر ایک نظر ڈالی، پھر پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

..................☆..................

حنیف آدھی رات کے بعد واپس آیا۔ رابرٹ اس کا منتظر تھا۔ ''کر آئے تفریح؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیسی رہی؟''۔

''شاندار''۔ حنیف نے ڈھٹائی سے کہا۔

''تم مسلم ہو۔ پھر بھی......''۔

''جبھی تو''۔ حنیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ میری قومی غیرت کا معاملہ تھا۔ مجھے یہودیوں سے نفرت ہے۔ تم غلط سمجھ رہے ہو مسٹر تھورن۔ میرا مقصد عیاشی نہیں تھا۔ وہ مجھے ادائیں دکھاتی رہیں۔ انہیں مجھ سے تگڑے مال کی توقع تھی۔ میں نے جی بھر کے ان کا وقت ضائع کیا۔ پھر ان کے ہاتھ پر دس سینٹ کا ایک ایک سکہ رکھ دیا۔ ان کی حیرت میرا انعام تھا۔ پھر انہیں احساس ہوا کہ میں انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تو انہیں توہین اور ذلت کا احساس ہوا۔ وہ میرے لئے بونس تھا۔ انہوں نے نفرت سے وہ سکے پھینک دیئے۔ مجھے قہقہے لگانے کا موقع مل گیا۔ یہ تھی میری تفریح''۔

رابرٹ نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ ''یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں کے ساتھ۔ تمہیں نفرت کا سلیقہ بھی نہیں۔ جسم فروش عورتیں تو پہلے ہی اپنی قوم کے لئے ذلت کا نشان ہوتی ہیں۔ انہیں ذلیل کرنے کا کیا حاصل؟ اسی لئے تو تمہاری قوم پیچھے ہے''۔

''یہ آگے پیچھے کا فلسفہ بہلاوا ہے مسٹر تھورن''۔ حنیف نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ شاید اسرائیل کی فضا نے اس کی قومی غیرت وحمیت کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ وہ رابرٹ کو تم کہہ کر مخاطب کر رہا تھا اور برابری کی سطح پر بات کر رہا تھا۔ ''ہم بیک ورڈ سہی۔ لیکن اپنے دشمنوں کو پہچانتے ہیں۔ ان سے سمجھوتہ نہیں کرتے اور ہم اپنی نفرت میں آزاد ہیں۔ تم ترقی یافتہ ہو۔ جمہوریت کے علم بردار ہو۔ لیکن درحقیقت ایک اقلیت نے تمہیں غلام بنا رکھا ہے۔ تم تو اپنے دشمن کو پہچانتے بھی نہیں۔ آنکھیں بند کر کے اپنے چھپے دشمن کی مدد کر رہے ہو۔ اسے خود مضبوط کر رہے ہو اور جب یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے گی تو بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ بلکہ شاید تم یہ کبھی سمجھ ہی نہ پاؤ''۔

رابرٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کہاں کی ہانک رہے ہو؟ نشے میں تو نہیں ہو تم؟''

''تم نہیں سمجھ سکتے مسٹر تھورن۔ تمہاری منزل امریکی صدارت ہے۔ یہودیوں کو نہیں نوازو گے تو اپنی منزل پر پہنچ ہی نہیں سکو گے۔ تمہیں یاد ہے، لندن میں تمہاری تقریر کے دوران ایک لڑکے نے مداخلت کی تھی۔ یاد ہے نا؟ میں تمہیں بتاؤں، اس نے تمہارے اور امریکا کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ بالکل سچ تھا۔ تم مسلمانوں سے ڈرتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ وہی تمہاری تباہی کا سبب بنیں گے اور تم یہودیوں کو پال رہے ہو۔ انہیں تم دوست سمجھتے ہو۔ حالانکہ مسلمان تمہارے قدرتی حلیف ہیں اور تم پر تباہی یہودیوں کی وجہ سے آئے گی، جو تمہارے حقیقی دشمن ہیں''۔

''تمہارے اندر کتنی سیاست بھری ہوئی ہے''۔ رابرٹ نے بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''اور وہ بھی کتنی غلط۔ امریکا اسرائیل کو نہیں پال رہا ہے''۔

''تم نے اسرائیل کا ساتھ نہ دیا ہوتا تو اسرائیل پنپ ہی نہیں پاتا۔ مگر تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے آستین میں سانپ پالا ہے''۔

''اچھا بھائی، سو جاؤ''۔ رابرٹ نے بیزاری سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حنیف چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔

..................☆..................

صبح حنیف نے رابرٹ کو اٹھا دیا۔ ''اٹھ جاؤ مسٹر رابرٹ۔ آج تمہیں وہاں جانا ہے، جہاں امریکی یونیورسٹی والے کھدائی کر رہے ہیں''۔

رابرٹ اٹھا اور تیار ہونے لگا۔

یروشلم کا وہ سیاحتی ٹور ایک منی بس میں ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ دس پسنجر اور تھے۔ منی بس کا رخ پرانے یروشلم کی طرف تھا۔

دیوار گریہ کے پاس گاڑی رکی۔ تمام لوگ منی بس سے اترے اور تصویریں بنانے لگے۔ کمرشل ازم وہاں بھی موجود تھا اور بے حد واضح تھا۔ روتے، آہ وزاری کرتے یہودیوں کے درمیان پھیری والے اپنا سودا بیچنے کے لئے حلق کے بل آوازیں لگاتے پھر رہے تھے۔ وہاں ہاٹ ڈاگ والے بھی تھے اور کولڈ ڈرنک والے بھی۔ آرائشی اشیا اور نوادرات کی نقلیں بھی کثرت سے بک رہی تھیں۔

اس کے بعد صحرا کا سفر شروع ہوا۔ اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ ان کا گائیڈ اس علاقے کے تاریخی پس منظر کے متعلق بے حد تفصیل سے بتا رہا تھا۔ اس نے گولان کی پہاڑیوں کی طرف اشارہ کیا، جہاں عربوں اور یہودیوں کے درمیان بڑے معرکے ہوئے۔ گائیڈ عربوں اور یہودیوں کی دشمنی کے متعلق بتا رہا تھا۔

پھر گائیڈ بھی خاموش ہو گیا۔ ان کا سفر جاری تھا۔

بالآخر وہ منزل پر پہنچ گئے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ گرمی اور تھکن سے نڈھال ہو چکے تھے۔ جس علاقے میں کھدائی ہو رہی تھی، اسے رسی کی رکاوٹوں کے ذریعے الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔

گائیڈ نے انہیں بتایا کہ جہاں کھدائی ہو رہی ہے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت تھی۔ یہیں نہروں کا وہ جال تھا، جس کے ذریعے 60 میل دور یروشلم تک پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یہیں کہیں وہ قدیم شہر بھی دفن ہے، جس کے بارے میں بہت لوگوں کا خیال ہے کہ وہیں پر بائبل تخلیق کی گئی تھی۔ اس کا نفس مضمون تو پہلے ہی پا لیا گیا تھا اور محفوظ کر دیا گیا تھا۔ کھدائی کرنے والوں کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ شہر کہاں ملے گا۔ اس لئے یہاں مشینوں سے بڑے پیمانے پر کھدائی کرنے کے بجائے کدال اور پھاوڑوں سے ایک ایک انچ کر کے کھدائی کی جا رہی تھی۔

رابرٹ اور حنیف وہاں موجود آثار قدیمہ کے طلبا کی طرف لپکے۔ انہوں نے ان سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلائے۔ ''یہ نام تو ہم نے کبھی نہیں سنا''۔ ان میں سے ایک بولا۔

''اور میگیدو نامی قصبے کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''ہاں، اس نام کا ایک شہر تھا۔ صدیوں پہلے تباہی آئی تو وہ زمین میں دفن ہو گیا''۔

''کس نوعیت کی تباہی؟''

''ممکن ہے، زلزلہ ہو۔ ممکن ہے، سیلاب ہو۔ کیونکہ یہاں ہمیں سیپیاں اور چمکیلے پتھر ملے ہیں، جو یہاں کبھی پانی کی موجودگی کی گواہی دیتے ہیں''۔

وہ دونوں وہاں سے ناکام تل ابیب آئے۔ وہاں بازاروں میں گھومتے ہوئے انہوں نے لوگوں سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھا۔ اس کے جواب میں ہمیشہ انہیں چہروں پر سپاٹ پن نظر آیا۔ اس کے باوجود وہ کریدتے رہے، لیکن حاصل کچھ نہیں ہوا۔

رابرٹ اب جھنجھلا رہا تھا۔ اس کی طاقت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اب بھاگ دوڑ کا کام حنیف کے ذمے تھا۔ وہ دکانوں اور فیکٹریوں میں گیا۔ اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کھنگال ڈالی۔ یہاں تک کہ وہ پولیس اسٹیشن بھی پہنچ گیا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ بیوگن ہیگن نے نام بدل لیا ہے''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اگلی صبح حنیف نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ وہ اس وقت ایک پارک میں بینچ پر بیٹھے تھے۔ ''کون جانے اب وہ جارج بیوگن ہے، جم ہیگن ہے یا ازی ہیگن برگ''۔

اس سے اگلے روز وہ تل ابیب سے یروشلم منتقل ہو گئے۔ وہاں انہوں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کمرا لے لیا۔ پھر وہ سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے۔ وہ عام لوگوں سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھتے رہے کہ شاید کسی نے یہ نام سنا ہو۔ وہ ناکام رہے۔ لگتا تھا، وہ عمر بھر یہ سب کچھ کرتے رہیں تو بھی کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔

''میں تو ہتھیار ڈالنے کے حق میں ہوں''۔ اس شام اپنے کمرے میں حنیف نے کہا۔

گرمی بہت شدید تھی۔ رابرٹ بیڈ پر لیٹا تھا اور اس کا جسم پسینہ اگل رہا تھا۔

''اگر بیوگن ہیگن کا وجود ہے بھی تو ہم اسے تلاش نہیں کر سکتے''۔ حنیف نے کہا۔ ''اور کون جانے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو''۔

رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''دیکھو نا، پادری ٹیسون تمام وقت مورخین کے زیر اثر رہتا تھا اور ہم نے اس کے کہے کو اللہ کا حکم سمجھ لیا ہے''۔ حنیف کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ اس نے تمہیں چاند پر جانے کو نہیں کہا۔ ورنہ اس وقت ہم وہاں سردی سے ٹھٹھر رہے ہوتے''۔

رابرٹ اب بھی خاموش تھا۔

حنیف بیڈ پر بیٹھ گیا اور اسے گھورنے لگا۔ ''مسٹر تھورن، پہلے تو بات میری سمجھ میں آئی تھی، مگر اب یہ سب کچھ احمقانہ لگ رہا ہے''۔

رابرٹ نے تائید میں سر ہلایا اور خاصی کوشش کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پٹی اتر گئی تھی اور قمیص کے نیچے زخم نظر آ رہا تھا۔

''اس زخم کی حالت تو مجھے ٹھیک نہیں لگتی''۔ حنیف نے تشویش سے کہا۔

''ٹھیک ہے، اس کی فکر نہ کرو''۔

''مجھے تو یہ انفیکشن لگتا ہے۔

''میں نے کہا نا، پریشانی کی کوئی بات نہیں''۔ رابرٹ نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''میں کسی ڈاکٹر سے بات کروں؟''

''تم صرف بڈھے بیوگن ہیگن کو تلاش کرو۔ مجھے صرف اس کی ضرورت ہے''۔ رابرٹ نے بھنا کر کہا۔

حنیف جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر کوئی بھکاری کھڑا تھا۔ حنیف نے اسے غور سے دیکھا، وہ چھوٹے قد کا دبلا پتلا عرب تھا۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے بدن پر قمیص نہیں تھی۔

''کیا بات ہے؟'' حنیف نے اس سے ترش لہجے میں پوچھا۔

''تم بڈھے کے بارے میں پوچھتے پھر رہے ہو؟''

حنیف نے پلٹ کر رابرٹ کو دیکھا۔ رابرٹ کی آنکھوں میں امید کی چمک لہرا گئی۔ ''کس بڈھے کی بات کر رہے ہو؟'' حنیف نے احتیاط سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔

''بازار والوں نے بتایا ہے کہ تمہیں بڈھے کی تلاش ہے''۔

''ہاں......ہم ایک شخص کو ڈھونڈ تو رہے ہیں''۔

''میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا''۔

رابرٹ کوشش کر کے اٹھا۔ وہ اور حنیف ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''جلدی کرو''۔ بڈھے عرب نے کہا۔ ''اس نے تمہیں فوراً بلایا ہے''۔

وہ دونوں اس کے پیچھے چل دیئے۔

وہ یروشلم کی عقبی گلیوں میں بڑھتے رہے، کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ عرب آگے آگے تھا۔ بڑھاپے کے ساتھ اس کی رفتار نہایت قابل رشک تھی۔ اس کا ساتھ دینا ان کیلئے، بالخصوص رابرٹ کے لئے دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ بازار میں کئی بار وہ اسے کھو بیٹھے۔ لیکن آگے جا کر وہ انہیں مل گیا...... وہ ان کی تھکن پر حیران ہو رہا تھا اور تفریح بھی لے رہا تھا۔ اس کے اور ان کے درمیان بیس گز کا فاصلہ ضرور رہتا تھا۔

ان گنت گلیوں اور محرابی دروازوں سے گزرنے کے بعد بوڑھا بالآخر رک گیا۔ وہ منزل پر پہنچ گئے تھے۔

لیکن بڈھے کے قریب پہنچ کر وہ حیران رہ گئے۔ سامنے تو ایک دیوار تھی۔ وہ دونوں خوف زدہ ہو گئے۔ کیا بڈھا انہیں کسی سازش کے تحت یہاں لایا ہے۔

''نیچے......!'' بڈھے عرب نے اشارہ کیا۔

ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''کیا چاہتے ہو؟'' حنیف غرایا۔

''جلدی کرو''۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب بڈھے کی بات پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

عرب نے جھک کر پتھر کی ایک سل ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔

اندر اندھیرا تھا۔ عرب نے ایک ٹارچ روشن کر لی تھی اور وہ بہت تیزی سے سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ سیڑھیاں پھسلواں تھیں اور وہاں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے سنبھلتے اترتے رہے، یہاں تک کہ نیچے مسطح فرش آ گیا۔

وہاں پہنچ کر بڈھا عرب دوڑنے لگا۔ انہوں نے بھی دوڑنے کی کوشش کی۔ لیکن فرش بھی پھسلواں تھا۔ عرب کی ٹارچ کی روشنی کا چھوٹا سا دائرہ ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ مگر ہر لمحے وہ دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا۔

اب وہ ایک سرنگ میں تھے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، سرنگ تنگ ہوتی جا رہی تھی...... اتنی تنگ کہ ان کے کندھے دونوں طرف کی دیواروں کو چھو رہے تھے، ایسا لگتا تھا کہ وہ سرنگ کبھی آبی نہر رہی ہو گی۔

اب اندھیرا اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اندھا دھند آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ کی بازگشت کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اب بالکل غائب ہو چکا تھا۔

اس احساس نے کہ اب وہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے، انہیں رفتار کم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بس ایک دوسرے کو محسوس کر سکتے تھے اور ایک دوسرے کی اکھڑی ہوئی سانسوں کی آواز سن سکتے تھے۔

''حنیف......'' رابرٹ نے ہانپتے ہوئے پکارا۔

''میں یہاں ہوں''۔

''مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے''۔

''وہ منحوس بڈھا......''۔

''رک جاؤ، میرا انتظار کرو''۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ آگے بس ایک ٹھوس دیوار ہے''۔

رابرٹ ٹٹولتا ہوا بڑھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں نے حنیف کو چھو لیا۔ اور حنیف کے آگے دیوار تھی۔ بڈھا عرب غائب ہو چکا تھا۔

''یہ میں بتا دوں کہ وہ یہاں سے واپس نہیں گیا ہے''۔ حنیف نے کہا۔

حنیف نے جیب سے ماچس نکالی اور ایک دیا سلائی جلائی۔ اس روشنی میں انہوں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ مقبرہ سا تھا۔ اوپر چھت کی چٹانیں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں اور ان میں دراڑیں تھیں جو رس رہی تھیں۔ نیچے بھی نمی تھی اور کئی کاکروچ وہاں رینگ رہے تھے۔

''یہ تو پانی کی لائن لگتی ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''سوال یہ ہے کہ رس کیوں رہی ہے''۔

دیا سلائی بجھ گئی۔ اب اندھیرا انہیں اور گہرا لگ رہا تھا۔

''یہ تو بے آب و گیاہ صحرا ہے۔ پھر پانی کہاں سے آ رہا ہے!''۔ حنیف بولا۔

''کوئی زیر زمین چشمہ ہو گا......'' رابرٹ نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''اب چلیں......''۔

''اس دیوار کے پار!''۔

نہیں......واپس چلو۔ یہاں سے نکلیں تو''۔

وہ پلٹے اور ٹٹول ٹٹول کر چلنے لگے۔ اندھیرے کی وجہ سے ان کی رفتار بہت کم تھی۔ لیکن نظر نہ آتے ہوئے ایک ایک قدم انہیں ایک میل کا لگ رہا تھا۔ پھر ٹٹول کر چلتے ہوئے حنیف کا ہاتھ ایک خلا سے ٹکرایا۔ ''مسٹر تھورن......؟'' اس نے رابرٹ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر اس خلا میں چل دیا۔

جس راستے پر وہ چل رہے تھے، اس سے 90 درجے پر یہ طویل راہداری تھی۔ پچھلی بار وہ اس خلا کو دیکھے بغیر گزر گئے تھے۔

''سامنے روشنی نظر آ رہی ہے''۔ رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ اب وہ سرنگ نہیں تھی۔ بلکہ ایک غار تھا۔ راستے میں بڑے بڑے گول پتھر بھی تھے اور غار بتدریج چوڑا ہوتا جا رہا تھا اور سامنے کی روشنی بھی نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔

ذرا آگے بڑھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ وہ کسی ٹارچ کی روشنی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک روشن کمرا تھا۔ وہاں دو آدمی تھے، جو ان کے منتظر تھے، ان میں ایک بوڑھا عرب تھا جو انہیں یہاں لایا تھا۔ دوسرا ایک بہت بوڑھا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور کھنچاؤ تھا۔ پسینے میں تر اس کی قمیص بدن سے چپکی ہوئی تھی، عقب میں ایک میز تھی، جس پر کاغذات اور تختیاں رکھی تھیں۔

رابرٹ اور حنیف اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ روشنی نے ان کی آنکھیں چندھیا دیں۔ وہاں درجنوں لالٹینیں لٹکی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں آگے بڑھے ''دو سو درا شمالاؤ'' عرب نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

''تم ادائیگی کر سکتے ہو؟'' دوسرے شخص نے ان سے پوچھا۔

رابرٹ اور حنیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کندھے جھٹک دیئے۔

''کیا تم......''۔ حنیف نے کہنا چاہا۔

نیکر پہنے ہوئے شخص نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم بیوگن ہیگن ہو؟''۔

''ہاں''۔

حنیف اسے شک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''بیوگن ہیگن سترہویں صدی کا ایگزارسسٹ تھا''۔

''وہ آغاز تھا۔ میں نواں بیوگن ہیگن ہوں''۔

''لیکن تم......''۔

''میں آخری بھی ہوں اور سب سے کمزور بھی''۔

وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی جلد بہت پیلی اور شفاف تھی۔ کنپٹیوں کے نیچے نسیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اس کے چہرے پر تناؤ اور تلخی تھی۔ انداز ایسا تھا، جیسے کوئی ناپسندیدہ کام انجام دینے والا ہو۔

''یہ جگہ کون سی ہے؟''۔ رابرٹ نے پوچھا۔

''جیندیل نامی شہر کا میگید و نامی قصبہ''۔ بیوگن ہیگن نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''اسے میرا قلعہ سمجھو یا قید خانہ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے عیسائیت کا آغاز ہوا تھا''۔

''قید خانے کا مطلب؟''۔

''جغرافیائی اعتبار سے یہ عیسائیت کا قلب ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں، محفوظ ہوں۔ کوئی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا''۔ وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے ان کا ردِعمل سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے انداز میں بے یقینی اور کھنچاؤ تھا۔

''تم میرے اس معاون کو معاوضہ ادا کر سکتے ہو؟''۔ بیوگن ہیگن نے پھر پوچھا۔

رابرٹ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نوٹ نکالے۔ بوڑھا عرب نوٹ لیتے ہی رخصت ہو گیا۔

اب وہ تینوں خاموش بیٹھے تھے۔ کمرے میں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ رابرٹ اور حنیف کے جسموں میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ اب بھی گرد و پیش کا جائزہ لے رہے تھے۔

''اس چوک میں کبھی رومن فوجوں نے مارچ کیا تھا''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''پتھر کی ایک بینچ پر بیٹھے ایک بوڑھے نے سرگوشی میں مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی نوید سنائی تھی۔ جو کہانیاں سنائی گئیں، وہ یہیں محفوظ کی گئی تھیں''۔ اس نے عمارت کے کھنڈرات کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس عمارت میں ہی بائبل مرتب کی گئی تھی''۔

عقب کی طرف ایک غار تھا۔ حنیف کی نظریں اس پر جم گئیں۔

بیوگن ہیگن نے بھی اس طرف دیکھا۔ ''شمال سے جنوب تک 35 کلومیٹر پر یہ شہر پھیلا ہوا تھا۔ یہاں ہم چل پھر سکتے تھے۔ لیکن اوپر کھدائی شروع ہوئی تو اس شہر کے حصے بیٹھنے لگے۔ اب وہ کھدائی کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے ہیں''۔ اس نے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اب یہ سب کھنڈر بن جائے گا''۔ اس کے لہجے میں اداسی در آئی۔ ''اب کیا کیا جائے۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے''۔

رابرٹ اور حنیف خاموش تھے۔ وہ جو کچھ دیکھ اور سن رہے تھے، اسے ہضم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''وہ چھوٹے قد کا پادری......''۔ بیوگن ہیگن نے پوچھا۔ ''کیا وہ زندہ ہے؟''۔

رابرٹ کو ٹیسون یاد آیا، اس کی موت یاد آئی۔ وہ ہل کر رہ گیا۔ ''نہیں......وہ مر چکا ہے''۔

''او کے مسٹر تھورن، اب کام کی بات ہو جائے''۔ بیوگن ہیگن نے کہا اور سر گھما کر دیکھا۔ ''میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا، وہ صرف مسٹر تھورن کے لئے ہے''۔

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں اس معاملے میں پوری طرح شریک ہوں''۔ حنیف نے کہا۔

''میں یہ نہیں مان سکتا''۔

''میں ہی انہیں یہاں لایا ہوں''۔

''اس پر یہ تمہارے شکر گزار ہوں گے''۔

''مسٹر تھورن......'' حنیف رابرٹ کی طرف مڑا۔

''ان کی بات مان لو''۔ رابرٹ نے کہا۔

توہین کے احساس سے حنیف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تو میں کہاں جاؤں؟'' اس نے بھنا کر پوچھا۔

''یہاں سے ایک لیمپ لے لو اور جائزہ لیتے پھرو''۔

حنیف نے ایک لیمپ اٹھایا اور رابرٹ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے باہر تاریکی میں چلا گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ وہ حنیف کے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنتے رہے۔

''تمہیں اس شخص پر اعتبار ہے؟'' بالآخر بیوگن ہیگن نے کہا۔

''ہاں''۔

''میرا مشورہ ہے کہ کسی پر اعتبار مت کرو''۔

بیوگن ہیگن نے چٹانی دیوار میں تراشی ہوئی ایک الماری کھولی اور کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی۔

''میں تم پر اعتبار کر لوں''۔ رابرٹ نے پوچھا۔

بیوگن ہیگن کرسی پر آ بیٹھا اور کپڑے کی تہیں کھولنے لگا۔ اس میں سے سات خنجر برآمد ہوئے۔ روشنی میں ان سے رنگین شعاعیں خارج ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ پتلے خنجر تھے، جن کے دستے ہاتھی دانت کے تھے۔ ہر دستے پر معلوب مسیح کی شبیہہ ابھری ہوئی تھی۔

''مجھ پر نہیں، ان پر بھروسہ کرو''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''صرف یہ خنجر ہی تمہیں بچا سکتے ہیں''۔

عقب کے غاروں میں ہوا ساکت تھی۔ حنیف لیمپ لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے دیواروں پر لٹکے نوادرات نظر آئے۔ پھر فرش پر چٹانوں اور مٹی کے درمیان دبے بے شمار انسانی ڈھانچے۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ سرنگ اب تنگ ہوتی جا رہی تھی۔

پیچھے روشن کمرے میں رابرٹ خوف زدہ نگاہوں سے خنجر کو دیکھ رہا تھا۔ ساتوں خنجر ملا کر رکھے گئے تو ان کے دستے صلیب کی شکل بنا رہے تھے۔

''یہ کام کسی مقدس اور متبرک مقام پر کرنا ہو گا''۔ بیوگن ہیگن نے سرگوشی میں کہا۔ ''چرچ میں......اس کا خون قربان گاہ پر بہانا ہو گا''۔

خاموشی چھا گئی۔ بیوگن ہیگن رابرٹ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے اس کی بات سمجھ بھی لی ہے یا نہیں۔

''ہر خنجر دستے تک اس کے جسم میں اتارا جائے۔ تم دیکھو کہ دستے کے نچلے حصے پر کرائسٹ کے پیر ہیں، شیطنت ان پیروں تلے روندی جانی چاہئے''۔ بیوگن ہیگن کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک خنجر علیحدہ کر کے میز پر رکھا۔ ''یہ پہلا خنجر سب سے اہم ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ صلیب کا مرکز ہے۔ یہ جسمانی قوت حیات کو منقطع کرنے والا ہے۔ دوسرا خنجر روحانی قوت کا خاتمہ کرتا ہے......''۔ اس نے رابرٹ کو دیکھا، جو متوحش دکھائی دے رہا تھا۔ ''تمہارے دل میں اس کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہئے''۔ اس نے تہدیدی لہجے میں کہا۔ ''وہ کوئی انسانی بچہ نہیں ہے''۔

رابرٹ کے ہونٹ ہلے۔ لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ کوشش کے بعد آواز نکلی تو وہ خود اس کے لئے بھی اجنبی تھی۔ ''یہ ہی تو ممکن ہے کہ تم غلطی پر ہو''۔ اس نے کہا۔ ''یہ ہی تو ممکن ہے کہ وہ......''۔

''یہ ممکن نہیں۔ وہ شیطان کا بیٹا ہے''۔

''کوئی ثبوت بھی تو ہو......''۔

''اس کے جسم پر برتھ مارک ہو گا...... پیدائشی نشان......6 کے تین ہندسے''۔

رابرٹ کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ ''میں نے ایسا کوئی نشان نہیں دیکھا''۔

''بائبل بتاتی ہے کہ شیطان کے تمام چیلوں کے جسم پر کہیں نہ کہیں یہ نشان ہوتا ہے''۔

رابرٹ کو ٹیسون کی لاش کی تصویر یاد آئی۔ اس کی ران پر وہ نشان تھا۔ گویا وہ شیطان کا چیلا تھا۔ ''لیکن ڈیمین کے جسم پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں''۔

''یہ ناممکن ہے، نشان ہو گا''۔

''میں نے اسے نہلایا ہے۔ میں اس کے جسم کو پوری طرح دیکھ چکا ہوں''۔

''اگر جسم پر نشان نہیں تو بالوں کے نیچے ملے گا۔ اس کے سر پر تو بہت گھنے بال ہوں گے''۔

رابرٹ کو بچے کی پہلی دید یاد آئی۔ اس کے بال اتنے موٹے، اتنے گھنے تھے کہ وہ حیران رہ گیا تھا۔ ''یہ سچ ہے''۔

''اس کا سر صاف کر دو۔ نشان تمہیں نظر آ جائے گا''۔

رابرٹ نے آنکھیں بھینچ لیں اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''ایک بار کھیل شروع کرو تو پھر ہچکچانا نہیں''۔

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''تمہیں مجھ پر شک ہے؟'' بیوگن ہیگن نے پوچھا۔

''میں یقین سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا''۔

بیوگن ہیگن نے اسے غور سے دیکھا۔ ''پیش گوئی کے عین مطابق تمہارے بچے کو ماں کے پیٹ میں ختم کر دیا گیا۔ پیش گوئی کے مطابق تمہاری بیوی مر گئی......''۔

''مگر وہ ایک جیتا جاگتا بچہ ہے''۔

''تمہیں اور ثبوت چاہئیں؟''

''ہاں''۔

''تو پھر جلدی نہ کرو۔ انتظار کرو''۔ بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''پہلے پورا اطمینان کر لو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، درست ہے۔ بے یقینی کے عالم میں کرو گے تو کچا کام کرو گے...... اور وہ تمہیں شکست دے دیں گے۔ یقین کی بڑی اہمیت ہے''۔

''وہ کون......؟''

''شیطان کے چیلے۔ تم نے بتایا کہ ایک عورت ہے جو بچے کی نگہداشت کرتی ہے''۔

''مسز بے لاک......''۔

بیوگن ہیگن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔ ''اس کا نام بالوک ہے۔ وہ شیطان کے پیروکاروں میں سے ہے۔ اس کے جیتے جی اس بچے پر کوئی آنچ نہیں آ سکے گی۔ وہ تمہیں یہ سب کچھ نہیں کرنے دیں گی''۔

وہ خاموش ہو گئے۔ عقبی غار کی طرف سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پھر حنیف نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ تھی۔ ''یہاں تو ہزاروں انسانی ڈھانچے ہیں......''۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''سات ہزار''۔ بیوگن ہیگن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہوا کیا تھا؟''

''میگید و دراصل آرماگیدون ہے۔ اس کا مطلب ہے......دنیا کا خاتمہ''۔

حنیف آگے بڑھ آیا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ''اس اعتبار سے تو دنیا کا خاتمہ ہو چکا''۔ اس نے معترضانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں ہو چکا، اور مزید کئی بار ہو گا''۔ بیوگن ہیگن نے جواب دیا۔ اس نے خنجروں کو پھر کپڑوں میں لپیٹا اور رابرٹ کی طرف بڑھا دیا۔

رابرٹ انکار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بیوگن ہیگن نے زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

''میں بہت جی چکا''۔ بیوگن ہیگن نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''میری دعا ہے کہ میری زندگی رائیگاں ثابت نہ ہو''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ اٹھا اور حنیف کے ساتھ واپس چل دیا۔

واپسی کے سفر میں بھی اندھیرا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ ایک بار انہوں نے پلٹ کر روشن کمرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہاں اندھیرا چھا گیا۔

یروشلم کی سڑکوں پر بھی وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ رابرٹ کے ہاتھ میں وہ کپڑا تھا، جس میں خنجر لپٹے ہوئے تھے۔ اس کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ گردوپیش سے بے خبر مشینی انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خالی پن تھا۔ حنیف نے اسے ہلانے جلانے، اسے بات کرنے پر اکسانے کی کوشش کی، لیکن رابرٹ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

اب وہ ایک تنگ سڑک سے گزر رہے تھے، جہاں تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔

''مجھے یہ تو بتا دو کہ اس نے کیا کہا۔ یہ تو میرا حق ہے''۔ حنیف نے کہا۔

لیکن رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی رفتار اور تیز ہوگئی۔

''مسٹر تھورن، میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے کیا کہا''۔ حنیف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''سنو...... میں کوئی تماشائی نہیں ہوں۔ اسے تلاش کرنے میں، میں نے اپنا بہت وقت اور توانائی ضائع کی ہے۔ تم میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے''۔

رابرٹ رک گیا۔ اس نے غصے سے حنیف کو گھورا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس پورے فساد کی جڑ تم ہی ہو۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے''۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''۔

''تم نے ہی اس تفتیش پر اصرار کیا تھا۔ تم ہی نے میرے دماغ میں یہ بات ڈالی......''۔

''ایک منٹ...... بات سنو......''۔

''وہ تصویریں تم نے ہی کھینچی تھیں......''۔

''سنو تو......''۔

''تم ہی مجھے یہاں لائے......''۔

''بات کیا ہے؟ ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو''۔

''جبکہ میں تمہیں ٹھیک سے جانتا بھی نہیں''۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور جانے کے لئے پلٹا۔

حنیف نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''تمہیں میری بات سننی ہوگی''

''بہت سن چکا میں تمہاری''۔

''میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔

''بس۔ اب مزید نہیں''۔ رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

دونوں اشتعال انگیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ رابرٹ غصے سے کانپ رہا تھا۔

''حیرت ہے کہ میں نے یہ سب کچھ سنا...... اور یقین بھی کر لیا''

''مسٹر تھورن''۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ یہ بڈھا کوئی فقیر ہے، جو خنجروں کا کاروبار کرتا ہے''۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟''۔

رابرٹ نے خنجروں والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ''یہ خنجر ہیں...... ہتھیار! اور وہ چاہتا ہے کہ میں یہ اس معصوم بچے کے سینے میں گھونپ دوں۔ وہ مجھ سے یہ توقع کرتا ہے کہ میں اس ننھے سے بچے کو قتل کر دوں گا''۔

''وہ بچہ نہیں ہے''۔

''وہ بچہ ہے''۔

''خدا کے لئے! تمہیں کتنے ثبوت درکار ہیں......''۔

''تم مجھے کس طرح کا آدمی سمجھتے ہو......'' رابرٹ نے غرایا۔ ''کیا میں ایسا ہوں کہ ایک بچے کو قتل کر دوں گا''۔

''غصہ چھوڑو۔ دماغ سے سوچو......''۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں یہ سب نہیں کروں گا۔ اچھا...... یہ بتاؤ کہ تم اس پر یقین کرتے ہو؟''۔

''یہ بات سڑک پر نہیں کی جا سکتی۔ ہوٹل چل کر بات کریں گے''۔

..................X..................

ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے اپنا سوال دہرایا۔ ''کیا تم اس پر یقین کرتے ہو کہ ڈیمین شیطان کی اولاد ہے...... کیا ڈیمین اینٹی کرائسٹ ہے؟''۔

حنیف کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کو مجتمع کر رہا ہے۔ ''دیکھو مسٹر تھورن، یہ بہت نازک معاملہ ہے''۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''میں مسلمان ہوں۔ ایمان گنوانے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اللہ نے اپنی تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ میں بائبل اور توریت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بائبل اور توریت میں تحریف ہوئی ہے۔ تو معاملہ مشتبہ ہوگیا نا۔ ہمارے لئے آزمائش بن گیا کہ ہم بائبل اور توریت کے کسی حصے پر یقین کریں اور کسی پر نہ کریں......''۔

''وہی پرانا جھگڑا......!''۔ رابرٹ نے حقارت سے کہا۔

''ہاں، وہی پرانا جھگڑا جو قیامت تک چلے گا''۔ حنیف نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے پوچھنے پر بات کر رہا ہوں۔ تم نہیں سننا چاہتے تو مجھے شوق بھی نہیں ہے سنانے کا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عیسائی اور یہودی علما نے اللہ کی آیات چھپائی نہ ہوتیں تو دونوں امتیں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قرآن اللہ کی واحد کتاب ہے، جس میں زبر زیر پیش کی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔ ہم اللہ کے تمام پیغمبروں، اللہ کی تمام کتابوں، تمام فرشتوں اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جبکہ عیسائی اور یہودی اللہ کے آخری پیغمبر کا انکار کرتے ہیں۔ ذرا ذہن پر زور دو تو سمجھ میں آجائے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔ مگر مسئلہ تنگ نظری کا ہے''۔

''میں نے تم سے کچھ اور پوچھا تھا''۔

''میں وہی بتا رہا تھا۔ وضاحت نہیں کروں گا تو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی اور تمہارا طرز عمل بتاتا ہے کہ تم کچھ سننا نہیں چاہتے''۔

''اچھا، کہو۔ اب میں مداخلت نہیں کروں گا''۔

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور اسلامی شریعت کے ذریعے اللہ نے دین مکمل کر دیا۔ ہم تمام الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن خود اللہ نے بتایا ہے کہ ان مذاہب کے علما نے ان میں تحریف و ترمیم کی ہے۔ میں بائبل اور توریت کی ہر اس بات پر ایمان رکھتا ہوں، جو قرآن سے متصادم نہیں ہے۔ جو قرآن اور حدیث سے متصادم ہے، وہ میرے نزدیک قابل غور نہیں''۔

''مقصد کیا ہے تمہارا؟''۔

''سن لو۔ میں بتا رہا ہوں۔ میں اس بچے کو جسے تم نے پالا ہے، اینٹی کرائسٹ نہیں مانتا۔ وجہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کے آخری دور کے بارے میں جتنی تفصیل ہمارے پیغمبرؐ نے بیان فرمائی ہے، اتنی تفصیل کہیں اور نہیں ملتی۔ ہمارے حضورؐ نے اینٹی کرائسٹ یعنی دجال کا مکمل حلیہ اور اس کے دور کی نشانیاں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں۔ اس کی رو سے وہ کانا ہوگا۔ اس کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور وہ انہی کے ہاتھوں قتل ہوگا''۔

''تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ڈیمین اینٹی کرائسٹ نہیں ہے؟''۔ رابرٹ نے اعتراض کیا۔ ''ابھی وہ صرف پانچ سال کا ہے۔ ممکن ہے، بعد میں کانا ہو جائے اور تمام نشانیوں پر پورا اترے۔ اور کرائسٹ کا نزول بھی ہو جائے۔ ابھی تو وقت ہے۔'' رابرٹ کہتے کہتے چونکا۔ ''ارے...... تمہیں کرائسٹ کے دوبارہ آنے کا یقین ہے؟''۔

''ہم سے زیادہ کسے ہوگا''۔ حنیف نے کہا۔ ''قرآن سے ہی ان کی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں، وہ مصلوب کر دیئے گئے۔ قرآن میں بتایا ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ تبھی تو وہ دوبارہ آئیں گے۔ ورنہ کوئی اور پیغمبر تو دوسری بار زمین پر نہیں آیا۔ اس لئے کہ سب نے وفات پائی۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ یہ ان کی واپسی کی دلیل ہے''۔

''تمہاری بات دل کو لگتی ہے''۔ رابرٹ نے کہا۔

''یہ میری نہیں، قرآن کی...... اللہ کی بات ہے''۔ حنیف نے جلدی سے بولا۔

''اینٹی کرائسٹ کے بارے میں تمہارا مذہب اور کیا کہتا ہے''۔

''بنیادی بات یہ ہے کہ اینٹی کرائسٹ کا ساتھ صرف یہودی دیں گے۔ کیونکہ وہ اسے کرائسٹ تسلیم کریں گے۔ وہ صدیوں سے اس کی آمد کے منتظر ہیں۔ ان کے خیال میں وہ انہیں عروج دلوائے گا۔ وہ اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اسرائیل کا قیام اور اس کی غاصبانہ توسیع اسی مقصد کے لئے ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کیں، انہیں ایذائیں دیں۔ یہاں تک کہ اپنی دانست میں انہیں قتل کرا دیا اور عیسائی یہودیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے فطری حلیف مسلمان ہیں''۔

''واقعی یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن عیسائیوں کی سمجھ میں یہ بات کسی بھی وقت آسکتی ہے''۔

''میرا خیال ہے، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوتا، یہ صورت حال نہیں بدلے گی۔ اس وقت تو میرے خیال میں وہائٹ ہاؤس شیطان کا دارالحکومت ہے۔ امریکا کی جو طاقت ہے، اس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ دجال کو امریکا کی مدد ضرور حاصل ہوگی۔ بلکہ ممکن ہے، امریکا کا سب سے بااختیار شخص وہی ہو۔ امریکا کی پوری قوت اس کے ہاتھ میں ہو''۔

''تمہارا مطلب ہے، وہ امریکا کا صدر بھی ہو سکتا ہے؟''۔

''ممکن ہے''۔ حنیف نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو، اس وقت بھی امریکا ننھے سے بچے اسرائیل کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ امریکا غلط مؤقف پر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اس کی دہشت گردی کو دہشت گردی نہیں مانتا۔ اسے جدید ترین اسلحے سے لیس کر کے وہ عربوں کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے''۔

رابرٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ ''اگلے دس سالوں میں اگر میں زندہ رہا تو امریکا کا صدر بن سکتا ہوں''۔ اس نے پرخیال لہجے میں کہا

''مطلب؟''

''جس بچے کو میں نے اپنا خاندانی نام دیا ہے، وہ بھی تو وہائٹ ہاؤس پہنچ سکتا ہے۔ ہماری دولت پر قابض ہو کر وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے پاس معاشی قوت بھی ہوگی۔ اور سیاسی بھی۔ اگر وہ اینٹی کرائسٹ ہے تو......''۔

''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ اینٹی کرائسٹ نہیں ہے''۔

''تو پھر وہ کیا ہے؟ مجھے اس کو قتل کرنے کو کیوں کہا جا رہا ہے؟''۔

''دیکھو مسٹر تھورن۔ یہ آخری دور ہے۔ اس میں بے شمار فتنے سر اٹھا چکے ہیں اور بے شمار فتنے سر اٹھائیں گے۔ میرے نزدیک یہ عین ممکن ہے کہ وہ شیطان کی اولاد ہو۔ آخر بائبل میں اس کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور وہ ان پر پورا اترتا ہے''۔ حنیف نے کہا۔ ''اس لئے میں اس کے قتل کے حق میں ہوں''۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

''مگر میرا دل نہیں مانتا''۔ رابرٹ نے کہا۔ پھر اچانک بولا۔ ''تم اس معاملے میں دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟''۔

''اب یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میری اپنی وہ تصویر تمہیں یاد ہے؟ مرنے والوں کی تصویروں پر جو رنگین دھبہ نظر آ تا رہا ہے، وہ میری اپنی تصویر میں بھی نمایاں ہے۔ امکان یہ ہے کہ شیطانی قوتیں مجھے راہ سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔ تو میں ان کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہوں''۔

''یعنی تمہیں یقین ہے کہ تم مرجاؤ گے؟''۔

''ہرگز نہیں''۔

رابرٹ نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''مجھے بیوگن ہیگن کی بات سے اختلاف ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس مقام پر بیٹھا ہے، جہاں عیسائیت کا آغاز ہوا، جو عیسائیت کا قلب ہے اور جب تک وہ وہاں ہے، محفوظ ہے۔ یہ ایمان کی کمی کی بات ہے۔ موت اللہ کا حکم ہے۔ مقررہ وقت پر آتی ہے...... اور جب وقت آئے تو آدمی خود بہ خود اپنی موت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ موت تو لوگوں کو بیت اللہ شریف میں بھی آجاتی ہے جو ہمارے نزدیک دنیا کا مقدس ترین، متبرک ترین مقام ہے۔ تو ہم مسلمان اس پر یقین رکھتے ہیں کہ موت آنی ہے تو بے سبب بھی آجائے گی اور اللہ کا حکم نہ ہو تو بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمیں ختم نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ایمان پر ہوں تو یقینی موت کے سامنے بھی ڈٹ جاتے ہیں اور فتح یاب ہوتے ہیں۔ شیطانی طاقت کتنی ہی زبردست ہو، ہم اس سے مرعوب نہیں ہوتے۔ جبکہ تم لوگ اپنے طاقت ور کے سامنے سہم جاتے ہو۔ میں موت سے نہیں ڈرتا جتنی زندگی ہے، اتنی جیوں گا۔ اور جب اللہ کا حکم ہوگا تو کوئی مجھے مرنے سے نہیں بچا سکے گا۔''

رابرٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ چند لمحے بعد بولا۔ ''تمہاری باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں تمہارے مذہب کو غلط سمجھتا رہا ہوں۔''

''ارے میں تو عام سا، بہت گنا گار آدمی ہوں...... بے عمل! تم کسی حقیقی مسلمان کو دیکھ لو تو اس کا ایمان تمہیں ہلا کر رکھ دے گا۔''

''اچھا...... اب یہاں سے چلو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

..................☆..................

ریسٹورنٹ میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کافی پینے کے دوران حنیف کی نظر اس کپڑے پر پڑی، جس میں خنجر لپٹے ہوئے تھے۔ ''ارے...... تم انہیں ساتھ لے آئے؟''

''ہاں...... بے دھیانی میں لے آیا۔''

''ذرا مجھے دکھاؤ۔''

رابرٹ نے کپڑا اس کی طرف بڑھایا۔ حنیف نے کپڑا کھول کر خنجروں کا معائنہ کیا اور ستائشی لہجے میں بولا۔ ''نوادرات میں سے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ بہت پرانے اور بے حد قیمتی ہیں۔''

''بیوگن ہیگن کے کہنے کے مطابق یہ روحانی اعتبار سے بہت قیمتی ہیں۔''

''وہ چاہتا ہے کہ تم ان کی مدد سے اسے ختم کرو۔''

اچانک ہی رابرٹ ڈپریس نظر آنے لگا۔ ''ہاں...... مگر میں ایک بچے کی جان نہیں لے سکتا۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔''

''میرا مشورہ ہے کہ اس بیوگن ہیگن کی بات پر عمل کرو۔''

وہ باہر نکل آئے۔ اب وہ اس سڑک پر تھے، جس پر تعمیرات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ وہاں متعدد بڑی بڑی کرینیں حرکت میں تھیں۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔'' رابرٹ نے غصے سے کہا۔ اور بالکل اچانک اس نے کپڑے میں لپٹے ہوئے ان خنجروں کو دور اچھال دیا۔ وہ ایک دیوار سے ٹکرائے اور اچھلتے ہوئے ایک گلی میں جا گرے۔

حنیف نے رابرٹ کی شعلے اگلتی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تم نہیں کرو گے تو پھر یہ کام میں کروں گا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر وہ گلی کی طرف مڑا۔

''حنیف......'' رابرٹ نے اسے پکارا۔

''یس سر۔''

''میں اب تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اس پورے معاملے سے اپنا تعلق مکمل طور پر ختم کر رہا ہوں۔''

''تمہاری مرضی۔'' حنیف نے بے پروائی سے کہا۔

اس نے قدم بڑھائے اور گلی میں داخل ہو گیا۔ وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے خنجروں کو تلاش کر رہا تھا۔ آواز سے اندازہ ہوا تھا کہ خنجروں کی پیکنگ نہیں کھلی ہے۔ اس نے زمین پر دیکھا، جہاں تعمیراتی کنکروں کا ڈھیر لگا تھا۔ بالآخر اسے کچھ فاصلے پر وہ پیکنگ نظر آ گئی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔

رابرٹ اپنی جگہ رک کر حنیف کو دیکھ رہا تھا۔ حنیف کے سر کے عین اوپر ایک کرین بہت بھاری شیشے کا بہت بڑا پین اٹھائے حرکت کر رہی تھی۔ اچانک وہ جیسے بے قابو ہو گئی۔ شیشہ ادھر ادھر لہرایا۔ پھر رابرٹ نے کرین کا آہنی ہاتھ خود بہ خود کھلتے دیکھا اور شیشہ حنیف کے سر پر گرنے لگا۔

''حنیف، بچو...... اوپر دیکھو۔'' رابرٹ حلق کے بل چلایا۔

حنیف نے پہلے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پھر اوپر دیکھا۔ اس دوران بلندی سے دھار کے بل گرتا ہوا شیشہ فاصلہ کافی کم کر چکا تھا۔ اس کے ہوا کو کاٹنے کی وجہ سے خوف ناک سنسناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

حنیف بت بن کر رہ گیا۔ بچنے کی مہلت تھی نہ گنجائش۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور بلند آواز میں کلمہ پڑھنے لگا۔ چلو...... مسلمان بن کر جی نہ سکے تو مسلمان بن کر مر تو لیں...... وہ سوچ رہا تھا۔ اسی لمحے اسے جھٹکا سا لگا۔ جھٹکا یا دھکا!

رابرٹ نے حنیف کو آنکھیں موندتے دیکھا اور کلمہ پڑھتے سنا۔ گلوٹین کی طرح گرتے ہوئے شیشے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور اس کا ہدف حنیف کی گردن تھی۔ یہ طے تھا کہ حنیف کا سر کٹ کر علیحدہ ہو جائے گا۔

شیشہ ساکت وصامت حنیف کی گردن سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ رابرٹ نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

شیشہ ٹوٹنے کی خوف ناک آواز سنائی دی...... پھر لوگوں کا شور۔ رابرٹ نے آنکھیں کھولیں تو حنیف اسے ایک طرف پڑا نظر آیا۔ اس کا سر تو نہیں کٹا تھا۔ لیکن وہ بے حس وحرکت تھا...... مر چکا تھا۔

لوگ حنیف پر جھک کر اسے ہلا جلا رہے تھے۔

پھر ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ حنیف اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر رابرٹ اس کی طرف لپکا۔ ''کیا ہوا...... تم ٹھیک تو ہو؟''

''پتا نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ میں مر چکا ہوں۔'' حنیف کی آواز اس کے جسم سے زیادہ لرز رہی تھی۔ خنجروں کی پیکنگ اس کے ہاتھ میں تھی۔

''قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا۔'' کسی نے تبصرہ کیا۔

''مگر یہ ہوا کیسے؟'' ایک اور تماشائی نے پوچھا۔ ''آنکڑا کیسے کھل گیا؟''

''کرین آپریٹر سے پوچھو۔''

''مگر یہ تو خودکار کرین ہے۔'' ایک اور بولا۔

''تو پھر آنکڑا کیسے کھل گیا؟''

''خودکار مشینوں میں یہ خرابی تو ہوتی ہے۔ کبھی کبھی خودمختار ہو جاتی ہیں۔''

رابرٹ نے سہارا دے کر حنیف کو اٹھایا اور چلتے ہوئے بھی اسے سہارا دیتا رہا۔ ان کا رخ ریسٹورنٹ کی طرف تھا۔

ریسٹورنٹ میں کافی کے چند گھونٹ پینے کے بعد حنیف کے اوسان قدرے بحال ہوئے۔ ''میں حیران ہوں، تم بچ کیسے گئے؟'' رابرٹ نے کہا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔''

''میں نے! کیا مطلب؟''

''تم ہی نے تو مجھے دھکا دیا تھا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہیں آواز دے کر خبردار کیا۔ تم نے مجھے دیکھا، پھر اوپر دیکھا اور ساکت ہو گئے۔ شیشہ تمہاری گردن سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس سے پہلے کا پورا منظر میں نے دیکھا تھا۔''

حنیف اب اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ''تو پھر مجھے دھکا کس نے دیا؟''

''دھکا کون دیتا۔ گلی میں کوئی تھا ہی نہیں۔''

''تو پھر؟'' حنیف سوچنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ''میں نے کہا تھا نا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو مار نہیں سکتا۔ مارنے والے سے طاقت ور ہاتھ بچانے والے کا ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' رابرٹ نے گہری سانس لی۔ ''اور یہ سو فی صد شیطانی قوتوں کا کھیل تھا، خودکار کرین کا آنکڑا مال منزل پر پہنچانے سے پہلے خود بہ خود کیسے کھل گیا۔''

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

’’مگر تم نے تو یہ پھینک دیے تھے۔اور انہیں لانے کے چکر میں ہی میں مرتے مرتے بچا ہوں۔اور میں اپنی بات پر قائم ہوں۔تم یہ کام نہیں کرو گے تو میں کروں گا۔‘‘

’’اب جب تک اپنا یہ فرض پورا نہ کرلوں، میں تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔‘‘

’’تم اسے قتل کرو گے؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’یہ تبدیلی کیسے آئی؟‘‘

’’میں نے شیطان پر تمہارا حملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔میرا خیال ہے، اس کا اگلا ہدف میں ہوں گا۔اس سے پہلے میں یہ کام کرلینا چاہتا ہوں۔لاؤ...... یہ مجھے دے دو۔‘‘ حنیف نے پیکینگ اس کی طرف بڑھا دی۔

..................☆..................

لندن واپسی کی فلائٹ آٹھ گھنٹے کی تھی۔رابرٹ تھورن ساکت بیٹھا تھا۔اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ذہن میں کوئی خیال تھا نہ کوئی خوف، نہ کوئی دکھ اور نہ ہی کوئی الجھن۔ بس یہ غیر شعوری اور احساس زندہ تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وہ حنیف کی باتوں کو ذہن میں دہرا رہا تھا۔موت اللہ کا حکم ہے۔وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔وقت نہیں آیا ہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔اور یہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔حنیف یقینی موت سے بچ نکلا تھا۔وہ آنکھیں بند کیے شیشہ گرنے کا منتظر تھا۔اس کا کہنا تھا کہ کسی نے اسے دھکا دے دیا تھا، مگر رابرٹ نے خود دیکھا تھا۔گلی سنسان تھی۔ وہاں حنیف کو دھکا دینے والا کوئی نہیں تھا۔تو وہ دھکا دینے والا ہاتھ بچانے والے کا تھا...... خدا کا ہاتھ۔اور وہ شیطان کا ہاتھ تھا، جس نے خود کار کرین کا آنکڑا کھول دیا تھا۔ لیکن خدا کے ہاتھ کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔وہ ناکام ہو گیا تھا۔تو شیطان سے صرف خدا بچا سکتا ہے...... خدا پر ایمان!

اس کی سوچ کا رخ بدلا۔وہائٹ ہاؤس شیطان کے چیلوں کے قبضے میں ہے۔دنیا کی سب سے بڑی طاقت شیطان کے ہاتھوں میں ہے۔یہودی عیسائیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔وہ مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔مگر یہ کام خود نہیں کرتے۔ان کی افرادی قوت کم ہے اور اس میں اضافہ بھی برائے نام ہوتا ہے۔وہ اپنا ایک آدمی بھی نہیں گنوانا چاہتے۔چناں چہ وہ یہ کام عیسائیوں سے لے رہے ہیں۔انہوں نے مسیح کی نبوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ان کے خلاف سازشیں کیں، انہیں اذیتیں دیں اور ان کی موت کا سامان کیا۔اور اب وہ اسی مسیح کے ماننے والوں کو خدا کے بندوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں عیسائی بے وقوف بن رہے ہیں اس سلسلے کو روکنا ہوگا۔مگر کیسے؟

اس نے سوچا، جب وہ صدر کی حیثیت سے وہائٹ ہاؤس میں جائے گا تو پالیسیوں میں تبدیلی لائے گا۔یہ سوچتے ہوئے پہلی بار وہ خوف زدہ ہوا۔اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ وائٹ ہاؤس شیطان کی طاقت کا مرکز بنے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔بلکہ اس ارادے کی وجہ سے شیطانی قوتیں اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔اور اگر خدا کی مرضی اسے بچانے کی نہ ہوئی تو وہ کامیاب ہو جائیں گی۔

اس نے خوف کو ذہن سے جھٹک دیا۔جو خدا کی مرضی۔وہ کچھ نہیں کر سکتا۔بس جب تک زندہ ہے، کچھ اچھا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔امریکی عوام کو بے وقوف بنانے کے عمل کو روکنے کی کوشش کر سکتا ہے۔کیسا المیہ ہے کہ دنیا کی سب سے مستحکم جمہوریت، سب سے بڑی طاقت ایک کمزور اور سازشی اقلیت کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے۔امریکی کتنے مظلوم ہیں......!

اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔جہاز لینڈ کر رہا تھا۔

لندن ایئر پورٹ پر ایئر ہوسٹس نے خنجروں والی پیکنگ اسے واپس لی۔اینٹی ہائی جیکنگ حفاظتی تدابیر کی وجہ سے پیکنگ پرواز کے دوران اس سے لے لی گئی تھی۔

’’یہ بہت خوب صورت خنجر ہیں۔‘‘ ایئر ہوسٹس نے کہا۔’’کہاں سے خریدے آپ نے؟‘‘

’’یہ مجھے کسی نے تحفے میں دیے ہیں۔‘‘ رابرٹ نے پیکنگ کو جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔پھر وہ ٹرمینل میں داخل ہو گیا، جو کہ تقریباً خالی تھا۔رات کا ایک بج رہا تھا۔رن ویز پر روشنی کی کمی کی وجہ سے اس کی فلائٹ آخری تھی، جسے لینڈنگ کی اجازت دی گئی تھی۔

باہر پورا شہر دھند کی لپیٹ میں تھا۔پیری فورڈ جانے کے نام پر ٹیکسی ڈرائیوروں کے منہ اتر گئے۔رابرٹ کے لئے اس طرح لندن واپس آنا ایک نیا تجربہ تھا۔ہمیشہ کے برعکس کوئی گاڑی لے کر اسے ریسیو کرنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ورنہ یہ کام ہورٹن کے ذمے تھا۔اور گھر پر کیتھی ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجائے اس کی منتظر ہوتی تھی۔اب ایسا کچھ نہیں تھا تو گھر جانے کے خیال سے اسے وحشت ہو رہی تھی۔

ٹیکسی والوں کے انکار پر اس نے پرائیویٹ لیموزین سروس کو فون کر کے گاڑی طلب کی اور کھڑا ہو کر گاڑی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔تنہائی کا شدید احساس اس کے رگ وپے میں دوڑ رہا تھا اور سردی اس کی ہڈیوں میں اتری جا رہی تھی۔

گاڑی آئی اور وہ اس میں بیٹھ گیا۔دھند ایسی تھی کہ ایک گز آگے دیکھنا بھی مشکل تھا، گاڑی چیونٹی کی رفتار سے چل رہی تھی۔اور کیونکہ باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اس لئے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ گاڑی چل نہیں رہی ہے، ساکت ہے۔

ایسے میں آدمی سوچنے کے سوا کیا کر سکتا ہے، مگر رابرٹ تھورن سوچنا نہیں چاہتا تھا، مستقبل تو اس کے لمحے کی طرح دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ماضی ختم ہو چکا تھا۔بس جو کچھ تھا، یہ لمحہ تھا، جس میں وہ اس وقت زندہ تھا۔

اس وقت اسے پیری فورڈ کے آثار نظر آئے۔وہاں بھی دھند چھائی ہوئی تھی۔رابرٹ نے اپنا سامان رہائشی عمارت کے سامنے ڈرائیو وے میں رکھا۔ہر طرف خاموشی اور اندھیرا تھا۔کار کے جانے کے بعد بھی چند منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا۔وہ مکان کو دیکھے جا رہا تھا۔یہ وہ جگہ تھی، جہاں کبھی اس کے محبت کرنے والے موجود ہوتے تھے...... وہ لوگ جن سے وہ بھی محبت کرتا تھا۔اس وقت اندر نہ کوئی روشنی تھی نہ آواز۔

رابرٹ کے تصور میں وہ واقعات پھرنے لگے، جو یہاں رونما ہو چکے تھے۔اس نے گارڈن میں کیتھرین کو دیکھا، جو اپنے بچے سے کھیل رہی تھی۔جیسا انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہنس رہی تھی۔برآمدے میں بہت سارے لوگ تھے اور قہقہوں کی آوازیں تھیں۔ڈرائیو وے میں دولت مشترکہ کے اہم ترین لوگوں کی لیموزین گاڑیاں کھڑی تھیں۔

پھر ایک دم تصور ٹوٹ گیا۔وہاں اس کی دھڑکنوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی اور رگوں میں خون کی گردش کے احساس کے سوا کوئی احساس نہیں تھا۔اب یہ جگہ ایک قبرستان تھی...... یادوں کا قبرستان!

اپنا حوصلہ مجتمع کر کے وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھا اور ٹھٹھرے ہوئے ہاتھ میں چابی تھام کر اسے کی ہول میں ڈالا۔عقب سے اسے آہٹ سی سنائی دی۔اس آواز میں متحرک تھا، جیسے کوئی تیز رفتاری سے اس کی طرف دوڑ رہا ہو۔اور وہ آواز پیری فورڈ سے متصل جنگل کی طرف سے آ رہی تھی۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

رابرٹ کی سانسیں تیز ہوگئیں۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا، اس نے جلدی سے دروازہ بند کردیا۔ اسے احساس ہوا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے آیا ہے۔ مگر جب اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانکا تو اسے دھند کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ لمحاتی خوف اس کے تخیل کا پیدا کردہ تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنے اس رجحان سے لڑنا ہوگا۔

دروازے کا بولٹ چڑھا کر وہ ایک لمحہ تاریکی میں کھڑا اندر کی سن گن لیتا رہا، مکان میں ہیٹنگ سسٹم آن تھا۔ بڑے کلاک کی ٹک ٹک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

وہ مرسڈیز کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اگنیشن میں چابی لگائی۔ فیول ٹینک چوتھائی بھرا تھا، یعنی لندن تک پہنچنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور چابی بھی اگنیشن میں لگی رہنے دی۔ اس نے گیراج کے آٹو میٹک دروازے کو کھولنے کے لئے سوئچ آن یا۔ دروازہ کھلا۔ سامنے ڈرائیو وے نظر آ رہا تھا، دھند گیراج میں گھسنے لگی۔

اس لمحے اس نے پھر وہ متحرک بھری آواز سنی۔ اس نے سوئچ آف کر کے دروازہ بند کیا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی آواز نہیں تھی۔ شاید وہ بھی اس کے تخلیل کا کمال تھا۔ وہ کچن میں آیا اور اس نے لائٹ آن کی۔ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق ہے، جیسے کہیں کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہی نہ ہو۔ اسٹوو پر بہت دھیمی آنچ میں دلیہ پکنے کیل ئے رکھا گیا تھا...... شاید ڈیمین کے ناشتے کے لئے۔ وہاں سب کچھ اتنا نارمل تھا کہ رابرٹ دہل کر رہ گیا۔ کم از کم اسے وہ سب کچھ بہت غیر حقیقی لگ رہا تھا۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے جیکٹ کی جیب سے پیکنگ نکالی۔ اسے کھول کر اس نے خنجر کاؤنٹر پر رکھے اور ان کا جائزہ لیا۔ اس ساتوں خنجروں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی دھار حال ہی میں تیزی گئی ہے۔ ہر خنجر کے پھل میں اسے اپنے چہرے کے ایک حصے کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں دیکھیں۔ ان میں وحشت اور عجیب سا پھیکا پن تھا۔ وہ زندگی کی معمولی سی رمق سے بھی محروم تھیں۔

مگر ان خنجروں کا معائنہ کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اسے پسینہ آ رہا ہے۔ اچانک اسے اپنی ٹانگوں میں کمزوری محسوس ہونے لگی۔ کمزوری کے اس احساس سے لڑتے ہوئے اس نے کانپتے ہاتھوں سے خنجروں کو دوبارہ کپڑے میں لپیٹ دیا۔ پیکنگ کو اس نے دوبارہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

وہ پینٹری میں داخل ہوا۔ وہاں ایک تنگ چوبی زینہ تھا۔ اوپر ایک بلب روشن تھا۔ وہ جھک کر چڑھنے لگا۔ تاکہ اس کا سر اس بلب سے نہ ٹکرائے۔ وہ زینہ نوکروں کے استعمال کے لئے تھا۔ اس نے اس زینے کو پہلے صرف ایک بار استعمال کیا تھا۔ وہ بھی ڈیمین کے ساتھ چور سپاہی کھیلتے ہوئے۔ اسے یاد تھا کہ اس موقع پر اسے احساس ہوا تھا کہ وائر سے لٹکا ہوا وہ بلب ڈیمین کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ کہیں وہ ہاتھ اٹھا کر اس تار کو چھو لے تو......! اس نے فیصلہ کیا تھا کہ یہاں باقاعدہ وائرنگ کرائے گا۔

اس پرانے مکان میں ایسی کئی چیزیں اسے خطرناک لگتی تھیں۔ ان میں اوپری منزل کی کھڑکیاں بھی تھیں، جو بہت آسانی سے کھل جاتی تھیں۔ کچھ بالکونیاں تھیں جو جھولتی تھیں۔ ان کی ریلنگ کو مرمت کی ضرورت تھی۔

اس تنگ زینے پر بڑھتے ہوئے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی خواب ہے اور ابھی کسی بھی لمحے ساتھ لیٹی ہوئی کیتھرین اسے جگا دے گی۔ اور پھر وہ اسے بتائے گا کہ اس کا تخیل کیا کیا کمالات دکھا رہا ہے۔ وہ اسے تسلی دے گی اور اپنے لمس سے اس کی پریشانی اور وحشت دور کردے گی۔ پھر ڈیمین کمرے میں آئے گا۔ اس کے تازہ گلابی چہرے پر خوشی کی چمک ہوگی۔

وہ پہلی منزل کی لینڈنگ پر پہنچ گیا۔ اس نے تاریک ہال میں قدم رکھا۔ اب وہ پھر یروشلم والی بے چینی اور بے یقینی محسوس کر رہا تھا۔ وہ دل میں دعا کرنے لگا کہ وہ ڈیمین کے کمرے میں جائے تو اس کا کمرا خالی ہو۔ وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ مکان میں ایسی خاموشی اور اندھیرا ہے۔ کاش مسز بےلاک ڈیمین کو لے کر کہیں چلی گئی ہو۔

لیکن نہیں۔ اسے ان کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ موجود تھے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ربط اور سانسیں ناہموار ہونے لگیں۔ وہ دونوں سو رہے تھے مسز بےلاک کے خراٹوں کی آواز صاف طور پر سنائی دے رہی تھی۔

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور وہ آوازیں سنتا رہا۔ پھر وہ دبے قدموں اپنے کمرے میں گیا اور لائٹ آن کردی۔

اس کا بستر صاف ستھرا اور بےشکن تھا، جیسے یہاں اس کی آمد کی توقع کی جا رہی تھی۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر نائٹ ٹیبل پر رکھی اپنی اور کیتھرین کی فریم شدہ تصویر پر پڑی۔ وہ دونوں کتنے جوان، زندگی سے کتنے لبریز نظر آ رہے تھے۔

وہ بستر پر لیٹا۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں آنسو اس کے رخساروں پر پھسلتے، بہتے رہے۔ نیچے کلاک نے دو بجائے۔ وہ اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ اس نے لائٹ آن کی اور دہل کر رہ گیا۔

کیتھرین کا باتھ روم تلپٹ ہو رہا تھا۔ اس کے میک اپ کی چیزیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں چند جنونیوں نے عالم وحشت میں کوئی جشن منایا ہے۔ پاؤڈر کے جار اور فیس کریم کی شیشیاں فرش پر ٹوٹی پڑی تھیں۔ فرش کے ٹائل رنگ رنگ کی لپ اسٹک سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ٹوائلٹ میں ہیئر برش اور کرلزیوں پھنسے ہوئے تھے۔ جیسے کسی نے انہیں گٹر میں بہا دینے کی کوشش کی ہو۔ وہ پورا منظر زبردست جنون آمیز اشتعال کا مظہر تھا۔ رابرٹ کسی بھی طرح اس سے نظر نہیں چرا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جس کا بھی کام ہے، اس سے کرنے والے کی کیتھرین سے شدید نفرت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور یہ کام کرنے والا کوئی بچہ نہیں ہوسکتا۔ جار جس وقت سے فرش پر ٹپکے گئے تھے، ان کی چیزیں دور دور تک دھبے ڈال گئی تھیں۔ وہ کسی بڑے کی قوت تھی۔ بلکہ درحقیقت کوئی جنونی، کوئی دیوانہ ہی یہ سب کچھ کرسکتا تھا۔ ایسا جنونی، ایسا دیوانہ جو اندر ہی اندر نفرت سے پھنک رہا ہو۔

وہ منظر دیکھ کر رابرٹ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے آئینے میں اپنے ٹوٹے پڑے عکس کو دیکھا۔ اس بکھرے ہوئے عکس میں بھی اس کے چہرے پر سختی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دراز کھولی، لیکن اس کی مطلوب چیز وہاں موجود نہیں تھی۔ پھر اس نے کیبنٹ کھولی اور اسے ٹٹولنے لگا۔ بالآخر اس کی انگلیاں مطلوبہ چیز سے ٹکرائیں۔ اس نے اسے نکال لیا۔ وہ الیکٹرک ریزر تھا۔ اس کا ننھا سا سوئچ اے سی پر منتقل کیا اور اسے آن کیا۔ ریزر کی گنگناہٹ سنائی دینے لگی۔ اس نے اسے آف کردیا۔

اسی لمحے اسے آواز سنائی دی...... کوئی آہٹ، آہٹ کی وہ آواز اوپری منزل پر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کان لگائے سنتا رہا۔ بالآخر آواز معدوم ہوگئی۔ وہ پھر بھی کان لگائے رہا۔ وہ سانس بھی بہت آہستہ لے رہا تھا۔ لیکن وہ آہٹ دوبارہ نہیں سنائی دی۔

اس کے اوپری ہونٹ پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ اس نے انہیں پونچھ دیا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ہاتھ میں لرزش ہے۔

وہ باتھ روم سے نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر اس نے تاریک ہال میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ چوبی فرش اس کے قدموں تلے چرچرا رہا تھا۔ ڈیمین کے کمرے سے پہلے مسز بےلاک کا کمرا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ رابرٹ نے اندر دیکھا۔ مسز بےلاک سیدھی لیٹی تھی، اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے ناخن پر خون جیسی سرخ نیل پالش لگی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت زیادہ اور بہت بھدا میک تھا۔ ہونٹ لپ اسٹک سے اور چہرہ پاؤڈر سے بری طرح لتھڑا ہوا تھا۔ اس میں روژ اور آئی شیڈ کا اضافہ بھی تھا۔ رابرٹ ایک بار پہلے بھی اسے اسی حال میں سوتے دیکھ چکا تھا۔ اس وقت بھی اسے خیال آیا تھا کہ ایسا میک اپ گھٹیا بازاری عورتیں ہی کرتی ہیں۔

وہ خراٹے لے رہی تھی۔ اس کا پیٹ کسی متحرک پہاڑ کی طرح نظر آ رہا تھا۔

رابرٹ نے دروازے کو بند کردیا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی لرزش تھی۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھا، دوسرا دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا تھا۔ رابرٹ نے اسے دھکیل کر کھولا۔ اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ اب وہ اپنے لے پالک بیٹے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے معصوم چہرے پر سکون تھا۔ رابرٹ نے اپنی نظریں ہٹا لیں۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بچے کو اس نے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا اور وہ اسے اپنا بیٹا ہی سمجھتا تھا۔

مٹھی میں ریزر دبائے وہ آگے بڑھا اور بچے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس نے ریزر کو آن کیا۔ سناٹے میں ریزر کی گنگناہٹ بہت بلند آہنگ محسوس ہو رہی تھی۔ بچہ اب بھی بےخبر سو رہا تھا۔ رابرٹ بچے پر جھکا اور اس نے ریزر بچے کی پیشانی پر رکھا۔ بچے کے کچھ بال فوراً ہی صاف ہو کر گر گئے۔ یہ دیکھ کر رابرٹ کو جھٹکا لگا کہ اتنے سے بال کٹنے پر بچہ بدہیئت لگنے لگا ہے۔

اس نے ریزر دوبارہ استعمال کیا۔ کھوپڑی کا ایک اور حصہ بالوں سے پاک ہوگیا۔ بال تکیے پر بکھر گئے۔ بچے کے حلق سے کراہ سی نکلی اور وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ ہیجان سے لرزتے ہوئے رابرٹ نے ریزر کو پھر استعمال کیا۔ بچے کی پلکیں تھرتھرائیں اور اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ اس کی نیند اچٹ گئی تھی اور وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رابرٹ نے پریشان ہو کر اس کے سر کو تکیے پر دبایا۔ بچے نے زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن رابرٹ نے اسے دبائے رکھا اور ریزر پھر استعمال کیا، کھوپڑی کا ایک اور حصہ صاف ہوگیا۔

بچہ اب بری طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ تھا اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ رابرٹ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوبارہ ریزر استعمال کیا۔ سامنے کا سر تقریباً صاف ہو چکا تھا۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

اب ریزر کھوپڑی کے عقبی حصے پر چل رہا تھا۔ اچانک...... بالکل اچانک وہ برتھ مارک نمایاں ہوگیا۔ وہ چھ کے تین ہندسے تھے......666۔ رابرٹ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

بچہ آزادی کا احساس ہوتے ہی اچھلا۔ اس نے گہری گہری سانسیں لے کر اپنے تنفس کو بحال کیا اور خوف زدہ نظروں سے رابرٹ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا۔ خراشوں سے رستا ہوا خون اس کی انگلیوں پر لگا۔ وہ دہشت بھری نظروں سے اپنی انگلیوں کو دیکھنے لگا۔ پھر بالکل اچانک وہ چیخا اور اس نے رابرٹ کی طرف ہاتھ پھیلائے، جیسے اس کی گود میں سما جانا چاہتا ہو۔ وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔

بچے کی آنکھوں میں جو خوف تھا، اس نے رابرٹ کو ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن وہ بچے کو تسلی نہیں دے سکتا تھا۔ ''ڈیمین......'' اس کے منہ سے سسکتی ہوئی آواز نکلی۔

اسی لمحے دروازہ دھماکے سے کھلا اور مسز بے لاک طوفان کی طرح داخل ہوئی۔ اس کے حلق سے خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ اپنے اس بھدے میک اپ میں اس کیفیت میں وہ بہت بھیانک لگ رہی تھی۔

رابرٹ نے بچے کو تھاما۔ اسی وقت مسز بے لاک اس سے ٹکرائی۔ رابرٹ فرش پر جا گرا۔ ڈیمین بری طرح چلا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف بھاگا۔

رابرٹ نے قلابازی کھائی۔ مسز بے لاک اس کا چہرہ نوچنے اور آنکھیں پھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اب بھی اس کے اوپر تھی۔ رابرٹ نے اسے کئی گھونسے مارے، لیکن وہ تو گوشت کا پہاڑ تھی اور وہ اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ رابرٹ کو اپنی آنکھیں حلقوں سے ابلتی محسوس ہوئیں۔ اس نے اسے دھکیل کر ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن مسز بے لاک نے اس کے ہاتھ میں دانت گاڑ دیئے۔

اس کی اس کشمکش کے نتیجے میں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ دھماکے سے نیچے آن گرا۔ رابرٹ نے تیزی سے لیمپ اٹھایا اور پوری قوت سے مسز بے لاک کے سر پر دے مارا۔ مسز بے لاک کی آنکھوں میں دھندلاہٹ نظر آئی۔ وہ چکراتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ رابرٹ نے لیمپ کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا اٹھا کر اس پر دوبارہ وار کیا۔ مسز بے لاک کے سر سے بہنے والا خون اس کے پاؤڈر تھپے چہرے پر ٹھوڑی تک لکیریں بنا رہا تھا۔ لیکن ابھی اس میں جان تھی۔ وہ اب بھی رابرٹ کو دبوچنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

رابرٹ نے تیسرا وار کیا تو وہ ڈھیر ہوگئی۔ رابرٹ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور بچے کی طرف بڑھا، جس کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ رابرٹ نے اسے گود میں اٹھایا اور کھلے دروازے سے ہال میں نکل آیا۔

وہ عقبی زینے پر آیا اور دروازہ بند کرلیا۔ ڈیمین نے ایک ہاتھ سے دروازے کی ناب تھام لی تھی اور دوسرے سے دروازے کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔ رابرٹ نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ ڈیمین اب اس کا منہ نوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار تو وہ سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچے۔

سیڑھیوں کے درمیان ڈیمین نے جھولتے ہوئے بلب کے تار کو پکڑ لیا۔ رابرٹ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ مگر اس سے پہلے بجلی کا شاک ان دونوں کو لگ چکا تھا۔ وہ گرے اور سیڑھیوں پر نیچے لڑھکتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سیڑھیاں ختم ہوگئیں۔

پینٹری کے فرش پر چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے ہوئے رابرٹ نے خود کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ ڈیمین اس کے قریب ہی بے ہوش پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی، لیکن شاک نے اس کے جسم کو جام کردیا تھا۔ اس سے بچے کو اٹھایا نہیں گیا۔

اسی وقت کچن کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ خون میں نہائے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ مسز بے لاک تھی۔ رابرٹ نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پہلے ہی مسز بے لاک نے اس کے کوٹ کا کالر تھام لیا، اب وہ اسے گھما رہی تھی، رابرٹ نے ایک دراز کا ہینڈل تھامنے کی کوشش کی۔ مگر اگلے ہی ثانئے دراز کا ہینڈل اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراز کھنچ کر باہر آگری اور اس میں موجود چیزیں ادھر ادھر بکھر گئیں۔

مسز بے لاک نے اسے اچھال دیا۔ وہ چکراتا ہوا گرا۔ مسز بے لاک جھپٹ کر اس پر آئی۔ اس کے خون آلود ہاتھ اس کے حلق پر جم گئے۔ وہ پورا زور لگا رہی تھی اور رابرٹ بے بس تھا۔ وہ ان وحشت بھری آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور ہاتھ ادھر ادھر گھما رہا تھا، جو وہاں بکھرے ہوئے برتنوں سے ٹکرا رہے تھے۔ آخر اس کا ہاتھ کھانے کے کانٹوں سے ٹکرایا۔ اس نے مضبوطی سے کانٹوں کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پوری قوت سے کانٹوں کو تیز رفتاری سے اوپر کی طرف لایا۔ کانٹے مسز بے لاک کی دونوں کنپٹیوں سے ٹکرائے۔ اس نے چیخ ماری اور الٹ کر پیچھے کی طرف گری۔

رابرٹ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ مسز بے لاک بھی اٹھ رہی تھی۔ کانٹے اس کی کنپٹیوں میں دھنسے ہوئے تھے اور وہ انہیں نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ نکل نہیں رہے تھے۔

رابرٹ نے فرائنگ پین اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ ڈھیر ہوگئی۔

رابرٹ نے بے ہوش بچے کو اٹھایا اور گیراج کے دروازے کی طرف لپکا۔ گیراج میں داخل ہو کر اس نے اپنی مرسڈیز کا دروازہ کھولا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ خوف ناک غراہٹ سنائی دی۔ وہ سر گھما ہی رہا تھا کہ سیاہ رنگ کی کوئی شے اڑتی ہوئی آئی اور اس کے کندھے سے ٹکرائی۔ وہ جھٹکے سے پہلو کے بل کار میں گرا۔

وہ کتا تھا...... سیاہ کتا، جو اس کے کوٹ کی آستین تھام کر اسے کار سے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچہ برابر والی سیٹ پر موجود تھا۔ رابرٹ نے دروازے کا ہینڈل تھام کر اسے پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا۔ کتے کی تھوتھنی دروازے میں آئی۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور کتے کے حلق سے تکلیف بھری غراہٹیں نکلنے لگیں۔ کتے نے اپنی تھوتھنی باہر کھینچی اور دروازہ بند ہوگیا۔

اندر کار میں رابرٹ کار کی چابی سے الجھا ہوا تھا اور باہر کتا پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ کار کے بڈ پر چڑھ کر ونڈ شیلڈ پر پوری طاقت سے ٹکریں مار رہا تھا۔ اس کی ہر ٹکر پر ونڈ شیلڈ کا شیشہ لرز کر رہ جاتا تھا۔

رابرٹ کا ہاتھ چابی سے ٹکرایا۔ مگر اسی لمحے چابی اگنیشن سے نکل کر نیچے گر گئی۔ وہ جھک کر اسے تلاش کرنے لگا۔ کتا ونڈ شیلڈ کو توڑنے کی کوشش میں لگا تھا۔ ادھر ڈیمین کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ اب وہ کسمسا بھی رہا تھا۔

رابرٹ کو چابی ملی۔ اس نے چابی اگنیشن میں لگائی۔ مگر اسی لمحے اس کی نظر ونڈ شیلڈ پر پڑی اور وہ دہل کر رہ گیا۔ مسز بے لاک اب بھی زندہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور وہ اپنی رہی سہی توانائی کام میں لاتے ہوئے کار کی طرف جھپٹ رہی تھی۔

رابرٹ نے چابی گھمائی۔ کار اسٹارٹ ہوئی۔ مگر اسی لمحے ہتھوڑا حرکت میں آچکا تھا۔

ہتھوڑا ونڈ شیلڈ سے ٹکرایا۔ ونڈ شیلڈ میں خاصا بڑا سوراخ نمودار ہوگیا۔ اسی لمحے اس سوراخ میں سے کتے کی تھوتھنی اندر آئی۔ وہ دانت نکوس رہا تھا اور اس کی رال بہہ رہی تھی، رابرٹ نے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر خنجر نکالا۔ کتے کی تھوتھنی اس کے ہاتھ سے محض دو انچ کے فاصلے پر تھی۔ اس نے پوری قوت سے خنجر کتے کی دونوں آنکھوں کے درمیان گھونپ دیا۔

خنجر دستے تک اتر گیا تھا۔ کتے کا منہ کھلا۔ اس کے حلق سے خوف ناک، اذیت بھری آواز نکلی، جو کتے سے زیادہ کسی گیدڑ کی آواز لگتی تھی۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور بڈ سے پھسلتا ہوا نیچے جا گرا۔ اب وہ دو پاؤں پر کھڑا ہو کر اگلے دو پیروں سے پیوست خنجر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی چیخوں نے گیراج کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

رابرٹ نے ریورس گیئر لگایا اور کلچ پر سے پاؤں ہٹا کر ایکسلیٹر دبایا۔ کار پیچھے ہٹی اور کھڑکی سے لٹکی ہوئی مسز بے لاک اس کے ساتھ گھسٹتی گئی۔ وہ کھڑکی پر ہاتھ مار مار کر سسک رہی تھی۔ ''میرا بچہ...... میرا بچہ......'' پھر وہ کھڑکی کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ وہ ڈرائیو وے کی طرف بھاگی۔

اب کار پوری رفتار سے ڈرائیو وے کی طرف سیدھی چل رہی تھی۔ مسز بے لاک سامنے تھی۔ رابرٹ اسے بچانے کے لئے کار گھما سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے پورا ایکسلیٹر دبا دیا۔ کار مسز بے لاک کو روندتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ڈرائیو وے کے آخری حصے میں رابرٹ نے گاڑی روکی اور عقب نما آئینے میں دیکھا۔ مسز بے لاک بے حس و حرکت تھی۔ جبکہ نیچے گرا ہوا کتا اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکے گا۔

رابرٹ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اب وہ ہائی وے پر تھا۔ ڈیمین اب بھی بے ہوش تھا۔ گاڑی اپنی انتہائی رفتار کی حد کو چھو رہی تھی۔ رابرٹ جلد از جلد لندن پہنچ جانا چاہتا تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ دھند کا پردہ دھیرے دھیرے ہٹ رہا تھا۔ کار سنسان سڑک پر کسی جیٹ طیارے کی طرح گویا اڑ رہی تھی۔

پھر بچے کو ہوش آنے لگا۔ وہ کراہ رہا تھا اور کسمسا رہا تھا۔ رابرٹ نے اپنی توجہ سڑک پر مرکوز کرلی۔ وہ اس بچے کی موجودگی تک سے بے خبر ہو جانا چاہتا تھا۔ ''یہ کوئی انسانی بچہ نہیں''۔ وہ حلق کے بل چلایا۔ ''یہ انسان کا بچہ نہیں ہے''۔

بچہ اب بھی کسمسا رہا تھا۔ ابھی تک اس کی بے ہوشی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ ویسٹ 10 کا موڑ آرہا ہے۔ اسپیڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے گاڑی نے بڑے خطرناک انداز میں موڑ کاٹا۔ وہ کسی حد تک قابو سے باہر بھی ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ڈیمین سیٹ سے پھسل کر کار کے فرش پر جا گرا۔

کار اب آل سینٹس چرچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈیمین چونک کر اٹھ بیٹھا۔ وہ رابرٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں معصومیت تھی۔

''میری طرف مت دیکھو''۔ رابرٹ نے کراہتے ہوئے کہا۔

''مجھے تکلیف ہو رہی ہے......'' بچے نے تکلیف سے روتے ہوئے کہا۔

''میری طرف مت دیکھو''۔

بچے نے تابع داری سے نظریں جھکا لیں اور کار کے فرش کو دیکھنے لگا۔ وہ بہت سہما ہوا تھا۔

کار پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ چرچ قریب آرہا تھا۔ رابرٹ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ آسمان پر اندھیرا چھا رہا تھا، جیسے دوبارہ رات ہو رہی ہو۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا تاریک دھبہ ہے، جو حرکت بھی کر رہا ہے اور اس میں بجلی کے سے جھماکے بھی ہو رہے ہیں اور وہ دھبہ زمین کی طرف لپک رہا ہے، جیسے زمین سے ٹکرا کر ہی رکے گا۔

''ڈیڈی......'' روتے ہوئے ڈیمین نے پھر پکارا۔

''مت پکارو مجھے''۔

''میرا جی متلا رہا ہے ڈیڈی''۔

اسی وقت اسے قے ہوگئی۔ رابرٹ اس کی اذیت بھری آواز سننا نہیں چاہتا تھا۔

اچانک تیز بارش شروع ہوگئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ کنکر اڑ کر ونڈ شیلڈ سے ٹکرا رہے تھے۔

اسی لمحے گاڑی چرچ کے سامنے رک گئی!

رابرٹ نے کار کا دروازہ کھولا اور ڈیمین کو اس کے نائٹ سوٹ کے کالر سے تھام کر باہر کھینچا۔ بچہ اب ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ کئی بار اس کی لات رابرٹ کے پیٹ پر لگی۔ بچے کو کار سے اتارنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ چرچ دیکھ کر پاگل ہوگیا تھا۔

رابرٹ نے کالر چھوڑ کر اس کی ٹانگ تھامی اور اسے باہر کھینچا۔ مگر وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر بھاگنے لگا۔ رابرٹ اس کے پیچھے دوڑا اور کالر سے تھام کر اسے نیچے پٹخ دیا۔ اوپر آسمان پر زبردست کڑاکا ہوا اور بجلی کی لکیر سی نیچے لپکی۔ بجلی کار کے بہت قریب گری تھی۔

ڈیمین اب بھی جدوجہد کر رہا تھا۔ رابرٹ اس پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے قابو میں کرنے کے بعد وہ اسے گھسیٹتا ہوا چرچ کی سیڑھیوں پر لے چلا۔

سڑک کے اس پار ایک کھڑکی کھلی۔ ایک آدمی نے جھانکا اور چلانے لگا۔

لیکن رابرٹ کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ تیز بارش میں چہرے پر دہشت اور وحشت کا تاثر لئے وہ ڈیمین کو گھسیٹتا ہوا چرچ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اچانک ہوا کا ایک غراتا ہوا جھکڑ اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اس کی پیش قدمی رک گئی۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے اپنے قدموں کو اکھڑنے سے بچالیا۔ تیز ہوا اس کی راہ میں مزاحم ہو رہی تھی۔ اب وہ رینگنے کے انداز میں بڑھ رہا تھا۔

اچانک ڈیمین اس کی گود میں مچلا اور گھومتے ہوئے اس نے رابرٹ کی گردن پر کاٹ لیا۔ رابرٹ تکلیف سے چلایا۔ لیکن اب اسے سب سے زیادہ فکر چرچ میں داخل ہونے کی تھی۔

تیز ہوا کے شور میں بھی قریب آتی پولیس کار کے سائرن کی آواز واضح طور پر سنائی دی۔ پھر سڑک پار کی کھڑکی سے ایک مردانہ آواز نے چیخ کر کہا۔ او بے رحم......خبیث...... بچے کو چھوڑ دے''۔

لیکن رابرٹ کچھ سننے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ دیوانہ وار نوچتے کھسوٹتے بچے اور تیز ہوا سے لڑتے ہوئے وہ چرچ کے گیٹ کی طرف چڑھ رہا تھا۔ بچے کی انگلی اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے ٹکرائی۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ لیکن ہاتھ پاؤں چلانے کے باوجود رابرٹ نے ڈیمین کو نہیں چھوڑا۔ بجلی کا ایک کوندا اس کی طرف لپکا۔ لیکن غائب ہوگیا۔ شاید اس لئے کہ وہ ڈیمین کے ساتھ چرچ کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔

اس نے ڈیمین کو گھسیٹنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ اس کی توانائی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ جبکہ بچے کی توانائی بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔ بچے نے پھر آنکھ کے قریب نوچا۔ ساتھ ہی اس کا گھٹنا رابرٹ کے پیٹ سے ٹکرایا۔ رابرٹ بس اتنا کر سکا کہ بچے کو دبوچے رہا۔

بوگن ہیگن نے کہا تھا کہ اس کا فون کسی مقدس اور متبرک مقام پر گرنا چاہئے...... چرچ میں...... قربان گاہ پر۔ لیکن اب رابرٹ کو لگ رہا تھا کہ وہ قربان گاہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ بہر حال اتنا تو تھا کہ وہ چرچ کی حدود میں ہے۔

اس نے بچے کو گھٹنوں تلے دباتے ہوئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور خنجروں کی پیکنگ نکالی۔ اسی لمحے رگوں میں خون کو ٹھٹھرا دینے والی ایک چیخ مارتے ہوئے ڈیمین نے لات چلائی، خنجر ادھر ادھر بکھر گئے۔ بچے کو بدستور دبائے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر قریب پڑا ایک خنجر اٹھالیا۔

پولیس سائرن کی آواز اب بہت تیز تھی۔ پھر وہ اچانک رک گئی۔

ڈیمین حلق کے بل چیخ رہا تھا......

رابرٹ نے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا......

''رک جاؤ''۔ سڑک کی طرف سے آواز سنائی دی۔

رابرٹ نے سر گھما کر دیکھا تو اسے دو باوردی پولیس والے نظر آئے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا ہاتھ اپنے ہالسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

رابرٹ کا ہاتھ قوسی شکل میں اب نیچے کا سفر شروع کر رہا تھا۔ ڈیمین پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ پھر اس کی چیخ فائر کی آواز میں دب گئی۔

ایک لمحے کو جیسے سب کچھ ساکت ہوگیا۔ پولیس مین بھی ساکت تھا......اور چرچ کی دہلیز پر آدھا اندر اور آدھا باہر بیٹھا رابرٹ تھورن جیسے پتھر کا بت بن گیا تھا۔ ڈیمین اب بھی اس کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔

اسی وقت دروازے پر پادری نمودار ہوا۔ موسلا دھار بارش کے پیش منظر میں وہ منظر اسے غیر حقیقی لگ رہا تھا......!

..................☆..................

اس المیے کی خبر تیزی سے لندن میں پھیل گئی...... پھر وائر سروس کے ذریعے پوری دنیا کو معلوم ہوگیا۔ لیکن کہانی بہت الجھی ہوئی تھی۔ تفصیلات کے بارے میں تضادات سامنے آرہے تھے۔ 48 گھنٹے تک اخباری رپورٹر سٹی اسپتال کے ویٹنگ روم میں چپکے رہے۔ حقیقت جاننے کیلئے وہ ڈاکٹروں سے سوال پر سوال کئے جا رہے تھے۔ لیکن ڈاکٹر بھی انہیں نہیں بتا سکے کہ درحقیقت کیا ہوا ہے۔

دو دن بعد صبح کے وقت اسپتال کے چند ترجمان ویٹنگ روم میں داخل ہوئے۔ ٹیلی ویژن کیمرے آن ہوتے ہی انہوں نے سرکاری طور پر بیان جاری کیا۔ آخری میں ساؤتھ افریقہ سے بطور خاص آپریشن کیلئے آنے والے سرجن نے حتمی اعلان کیا۔ ''آج صبح ساڑھے آٹھ بجے مسٹر رابرٹ تھورن وفات پا گئے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''ان کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ لیکن زخم ایسا تھا کہ وہ اس سے جاں بر نہ ہو سکے۔''

رپورٹرز کے منہ سے تاسف بھری آوازیں نکلیں۔ ڈاکٹر خاموشی کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''اس وقت اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تعزیتی رسومات آل سینٹس چرچ میں ہوں گی، جہاں یہ المناک واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد لاش تدفین کے لئے امریکا بھجوادی جائے گی۔''

..................☆..................

نیویارک شہر کے جے ایف کے ایئرپورٹ پر لیموزین کاروں کی قطار منتظر تھی۔ خصوصی طیارے سے دو تابوت اتارے گئے اور ایک گاڑی میں پہلو بہ پہلو رکھے گئے۔ پھر یہ سوگوار قافلہ قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔

جس ہائی وے پر قبرستان واقع تھا، اس پر اس وقت بڑا ہجوم تھا۔ تابوت لے جانے والی گاڑی کے آگے موٹر سائیکل سوار پولیس مین تھے، جو گاڑی کے لئے راستہ بنا رہے تھے۔

گاڑی قبرستان پہنچی تو وہاں بھی ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہاں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو تجسس سے بے حال تھے۔ دوسرے وہ جو سوگوار تھے۔ سیکورٹی گارڈز انہیں مقام تدفین تک جانے سے روک رہے تھے۔

پھر امریکی پرچم کے زیر سایہ تدفین کی رسومات کا آغاز ہوا۔ سفید چوغہ پہنے ایک پادری تدفین کرا رہا تھا۔ دونوں تابوت لحد میں اتار دیئے گئے۔ پھر پادری نے الوداعی کلمات ادا کئے۔

''ہم سب ان دو انسانوں کی بے وقت موت پر دکھی ہیں۔'' پادری کہہ رہا تھا۔ ''ہمارے وجود کا ایک حصہ ان کے ساتھ رخصت ہوگیا، جو اب ابدی سفر کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔

(جاری ہے)

دجال

تحریر: علیم الحق حقی

ہمیں دکھ کرنے کے بجائے ان کی روحوں کے لئے سکون کی دعا کرنی چاہئے۔ اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان کیلئے صبر کی دعا کی جائے۔ یاد رکھیں، زندگی کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، درحقیقت مکمل ہوتی ہے۔ ہمیں اس مختصر وقت کے لئے خداوند کا شکر ادا کرنا چاہئے جو انہوں نے ہمارے درمیان گزارا۔‘‘

تدفین کے شرکاء خاموش تھے۔ ان میں سے کچھ رو رہے تھے۔

’’پس ہم ایک عظیم انسان کے فرزند کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، جس نے دولت اور آسائشات کے درمیان آنکھ کھولی...... جسے ہر وہ دنیاوی نعمت حاصل تھی، جس کا حصول کسی انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن اس موت میں یہ سبق ہی پنہاں ہے کہ صرف دنیاوی آسائشات اور نعمتیں ناکافی ہوتی ہیں اور موت ایک کائناتی حقیقت ہے‘‘۔

قبرستان کے گیٹ کے باہر رپورٹرز یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ فوٹو گرافر ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے تصویریں کھینچ رہے تھے۔ ان میں حنیف ارشد بھی تھا۔ اس کے کندھے پر کیمرا لٹکا ہوا تھا۔ لیکن وہ تصویر نہیں بنا رہا تھا۔

’’تم تو خاص خاص تصویریں ہی کھینچتے ہو‘‘۔ ایک رپورٹر نے اسے چھیڑا۔

حنیف نے کندھے جھٹک دیئے۔ وہ بہت سوگوار لگ رہا تھا۔

قریب کھڑے رپورٹرز کے گروپ میں کسی نے کہا۔ ’’کس قدر ناقابل یقین المیہ ہے یہ‘‘۔

’’میں نہیں مانتا۔ سڑک پر لوگ پہلے بھی اس طرح قتل ہوتے رہے ہیں‘‘۔ دوسرے نے کہا۔

’’اس آدمی کا کیا ہوا، جس نے پولیس کو یہ اطلاع دی تھی...... جس نے مسٹر تھورن کو بچے پر تشدد کرتے دیکھا تھا؟‘‘

’’وہ نشے میں دھت تھا۔ اس کا چیک اپ کیا گیا تو ثابت ہو گیا کہ اس کے معدے میں شراب کی بھاری مقدار موجود ہے‘‘۔

’’یہ ہے نا عجیب بات۔ نشے میں دھت آدمی نے وہ منظر دیکھا اور پولیس کو بھی مطلع کر دیا۔ اسے اتنا ہوش کیسے رہا؟‘‘

’’واقعی عجیب بات ہے‘‘۔

’’میں تو سوچ رہا ہوں کہ باپ بیٹے کا اتنے سویرے چرچ میں آنا اپنی جگہ کچھ کم عجیب نہیں‘‘۔

’’مسٹر تھورن کی بیوی کا انتقال ہوا تھا نا۔ ہو سکتا ہے، وہ دونوں ان کے لئے دعا کرنے آئے ہوں‘‘۔

’’مگر کوئی چرچ کی دہلیز پر قتل کرے تو اسے کیا کہیں گے......‘‘۔

’’اور وہ بھی اپنے بیٹے کو‘‘۔

’’ارے...... دنیا عجیب طرح کے لوگوں سے بھری پڑی ہے‘‘۔

’’میرے حلق سے نہیں اترتی یہ بات۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کسی بڑی اور اہم بات پر پردہ ڈال دیا گیا ہے‘‘۔

یہ سن کر حنیف تلخی سے مسکرایا۔ حقیقت سے صرف وہ واقف تھا۔

’’اور یہ بھی کوئی پہلا موقع نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ مگر وہ معاملات...... خاص طور پر بڑے لوگوں کے، دبا ہی دیئے جاتے ہیں‘‘۔

’’اور دبائے جاتے رہیں گے‘‘۔

اندر قبروں پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ تدفین کے منتخب شرکا میں ایک جوڑا تھا، جو دوسروں سے الگ تھلگ کھڑا تھا۔ ان کو کچھ سادہ لباس والے محافظت کے انداز میں گھیرے ہوئے تھے اور چوکنے انداز میں لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ مرد باوقار اور خوش لباس تھا۔ عورت سیاہ لباس میں تھی اور چہرے پر سیاہ جالی والی نقاب تھی۔ عورت نے ایک پانچ سالہ بچے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ بچے کا دوسرا ہاتھ گردن سے لٹکی ہوئی پٹی میں لٹکا ہوا تھا۔

’’ہم رابرٹ اور کیتھرین تھورن کو ابدی زندگی کے سفر کیلئے خدا حافظ کہتے ہیں‘‘۔ پادری نے کہا۔ ’’اب ہماری نگاہوں کا مرکز اس خاندان کا واحد فرد ڈیمین تھورن ہے، جو اب ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے والا ہے۔ خدا اسے نئی محبتیں عطا فرمائے اور ان کے ساتھ وہ پھولے پھلے۔ خدا کرے، وہ اپنے باپ کا لائق جانشین اور انسانیت کا رہنما ثابت ہو‘‘۔

ڈیمین قبروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بہت مضبوطی سے عورت کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

’’اور اب میں آخری بات ڈیمین تھورن سے کہوں گا‘‘۔ پادری نے کہا۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا دینے والے انداز میں بولا۔ ’’خداوند تمہیں عزت سے اور اپنی تمام نعمتوں سے نوازے۔ کاش تمہیں کرائسٹ کی ابدی محبت حاصل ہو‘‘۔

آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک زبردست کڑاکا سنائی دیا۔ شاید خدا ناراضی کا اظہار کر رہا تھا۔

تمام لوگ گیٹ کی طرف چل دیئے۔ سادہ لباس والوں میں گھرا جوڑا وہیں رہا۔ یہاں تک کہ تمام شرکا رخصت ہو گئے۔ تب وہ قبر کی طرف بڑھے۔ ڈیمین دونوں قبروں کے درمیان گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

جاتے ہوئے لوگوں نے پلٹ کر دیکھا۔ ان میں سے بیشتر رونے لگے۔

ڈیمین اٹھا اور اپنے نئے سرپرستوں کے ساتھ قبر سے ذرا دور کھڑی صدارتی لیموزین کی طرف چل دیا۔ سادہ لباس والے اب بھی انہیں گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔

موٹر سائیکل سوار پولیس والوں کے جلو میں امریکی صدر کی لیموزین رپورٹرز کے درمیان سے گزری۔ فوٹو گرافرز نے عقبی کھڑکی سے باہر گھورتے ہوئے بچے کی تصویریں کھینچیں۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ کار کے اوپر نمودار ہونے والے ایک رنگین دھند نما دھبے کی وجہ سے وہ تمام تصویریں خراب ہو جائیں گی۔

اس بار حنیف نے بھی ڈیمین کی تصویر کھینچی تھی!

☆............☆............☆

قارئین کرام! اس سنسنی خیز ناول کا پہلا حصہ اختتام کو پہنچا۔ عنقریب اس کا دوسرا حصہ بھی آپ ’’امت‘‘ کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔